ابنِ صفی
جلد نمبر
1
جاسوسی دنیا
1- دلیر مجرم
2- خوفناک جنگل
3- عورت فروش کا قاتل
4- تجوری کا راز

جاسوسی دنیا

جلد نمبر 1

ابن صفی

اسرار پبلی کیشنز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ

اردو بازار لاہور۔فون : 7321970 - 7357022

دیباچہ

''دلیر مجرم'' دوبارہ پیش کرتے وقت خیال ہوا کہ اس میں کچھ تبدیلیاں کی جائیں، لیکن میری علالت نے باز رکھا اور پھر میں نے یہ بھی سوچا کہ اس ناول میں آج تبدیلیاں کرنا جو ۵۲ء میں لکھا گیا ہو بالکل ایسا ہوگا جیسے کوئی بالغ آدمی اپنے بچپن کی تصویر میں ڈاڑھی اور مونچھوں کا اضافہ کردے۔

لہٰذا یہ ناول جوں کا توں اپنی اصلی حالت میں پیش کیا جارہا ہے۔ یہ اس زمانے کی کہانی ہے جب میاں حمید محبوباؤں کے لئے بڑی سنجیدگی سے دوچار آنسو بھی بہالیا کرتے تھے اور کسی حد تک افلاطونی عشق کے بھی قائل تھے۔ بہرحال وہ اتنے اسمارٹ نہیں تھے جتنے آج کل نظر آتے ہیں! فریدی کی شخصیت میں بھی تھوڑا کچا پن تھا لیکن اس کے باوجود بھی وہ آپ کو اس پوری کہانی پر چھایا ہوا نظر آئے گا۔

عجیب و غریب قتل

''مجھے جانا ہی پڑے گا مامی''۔ ڈاکٹر شوکت نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اوور کوٹ کی دوسری آستین میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

''ایشور تمہاری رکشا کرے اور اس کے سوا میں کہہ ہی کیا سکتی ہوں۔'' بوڑھی سیتا دیوی بولیں۔ ''لیکن سر مین اچھی طرح مفلر لپیٹ لو..... سردی بہت ہے۔''

''مامی.....!'' ڈاکٹر شوکت بچگانے انداز میں بولا۔ ''آپ تو مجھے بچہ ہی بنائے دے رہی ہیں..... مفلر سر میں لپیٹ لوں..... ہاہاہا.....!''

''اچھا بوڑھے میاں! جو تمہارا جی چاہے کرو۔'' سیتا دیوی منہ پھیلا کر بولیں۔ ''مگر میں کہتی ہوں یہ کیسا کام ہوگیا..... نہ دن چین نہ رات چین۔ آج آپریشن کل آپریشن۔''

''میں اپنی اچھی مامی کو کس طرح سمجھاؤں کہ ڈاکٹر خود آرام کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے ہوتا ہے۔''

''میں نے تو آج خاص طور سے تمہارے لئے میکرونی تیار کرائی تھی کیا رات کا کھانا بھی شہر ہی میں کھاؤ گے۔'' سیتا دیوی بولیں۔

''کیا کروں مجبوری ہے..... اس وقت سات بج رہے ہیں۔ نو بجے رات کو آپریشن ہوگا۔ کیس ذرا نازک ہے..... ابھی جا کر تیاری کرنی ہوگی..... اچھا خدا حافظ۔''

ڈاکٹر شوکت اپنی چھوٹی سی خوبصورت کار میں بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ سول ہسپتال میں اسسٹنٹ سرجن کی حیثیت سے کام کررہا تھا۔ دماغ کے آپریشن کا ماہر ہونے کی

حیثیت سے اس کی شہرت دور دور تک تھی۔ حالانکہ ابھی اس کی عمر کچھ ایسی نہ تھی وہ چوبیس پچیس برس کا ایک خوبصورت اور وجیہہ نوجوان تھا۔ اپنی عادات و اطوار اور سلیقہ مندی کی بناء پر وہ سوسائٹی میں عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ قربانی کا جذبہ تو اس کی فطرت ثانیہ بن گیا تھا۔ آج کا آپریشن وہ کل پر بھی ٹال سکتا تھا لیکن اس کے ضمیر نے گوارہ نہ کیا۔

سیتا دیوی اکثر اس کی بھاگ دوڑ پر جھلا بھی جایا کرتی تھی۔ انہوں نے اسے اپنے بیٹے کی طرح پالا تھا۔ وہ ہندو دھرم کو ماننے والی ایک بلند کردار خاتون تھیں انہوں نے اپنی دم توڑتی ہوئی سہیلی جعفری خانم سے جو وعدہ کیا تھا اسے وہ آج تک نبھائے جا رہی تھی۔ انہوں نے ان کے بیٹے کو ان کی وصیت کے مطابق ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم دلا کر اس قابل کر دیا تھا۔ وہ آج سارے ملک میں اچھی خاصی شہرت رکھتا تھا۔ اگرچہ شوکت کی والدہ اس کی تعلیم کے لئے معقول رقم چھوڑ کر مری تھیں۔ لیکن کسی دوسرے کے بچے کو پالنا آسان کام نہیں اور پھر بچہ بھی ایسا جس کا تعلق غیر مذہب سے ہو۔ اگر وہ چاہتی تو اسے اپنے مذہب پر چلا سکتی تھیں لیکن ان کی نیک نیتی نے اسے گوارہ نہ کیا۔ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اس کی دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ نوجوان ہونے پر بھی شوکت علی ہی رہا۔ سیتا دیوی کے برادری کے لوگوں نے ایک مسلمان کے ساتھ رہنے کی بناء پر ان کا بائیکاٹ کر رکھا تھا مگر وہ اپنے مذہب کی پوری طرح پابند تھیں اور شوکت کو اس کے مذہبی احکام کی تعمیل کے لئے مجبور کرتی رہتی تھیں۔ وہ ڈاکٹر شوکت اور ایک ملازمہ کے ساتھ نشاط نگر نامی قصبہ میں رہ رہی تھیں۔ جو شہر سے پانچ میل کی دوری پر واقع تھا۔ یہ ان کی اپنی ذاتی کوٹھی تھی۔ وہ جوانی ہی میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ ان کے شوہر اچھی خاصی جائیداد کے مالک تھے جو کسی قریبی عزیز کے نہ ہونے کی بناء پر پوری کی پوری انہیں کے حصے میں آئی تھی۔

ڈاکٹر شوکت کے چلے جانے کے بعد انہوں نے ملازمہ سے کہا۔ "میرے کمرے میں قندیل مت جلانا۔ میں آج شوکت ہی کے کمرے میں سوؤں گی۔ وہ آج رات بھر تھکتا رہے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ جب وہ صبح کو آئے تو اپنے بستر کو برف کی طرح ٹھنڈا اور یخ پائے۔ جاؤ

جا کر اس کا بستر بچھا دو۔"

نوجوان خادمہ انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ آج پہلی بار اس نے انہیں اس قسم کی گفتگو کرتے سنا تھا۔ جو پر معنی بھی تھی اور مضحکہ خیز بھی۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ پھر اسے ایک ماتا بھرے دل کی جھلک سمجھ کر خاموش ہو رہی۔

"کیا سوچ رہی ہو۔" سیتا دیوی بولیں۔

"تو کیا آج رات ہم تنہا رہیں گے؟" خادمہ اپنی آواز دھیمی کر کے بولی۔ "وہ شخص آج پھر آیا تھا۔"

"کون شخص.....؟"

"میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہے لیکن میں نے کل رات کو بھی اس کو باغ میں چھپ چھپ کر چلتے دیکھا تھا۔ کل تو میں سمجھتی تھی کہ شاید وہ کوئی راستہ بھولا ہوا راہگیر ہوگا۔ مگر آج چھ بجے کے قریب وہ پھر دکھائی دیا تھا۔"

"اچھا.....!" سیتا دیوی سوچ کر بولیں۔ "وہ شاید ہماری مرغیوں کی تاک میں ہے۔ میں صبح ہی تھانے کے دیوان سے کہوں گی۔"

سیتا دیوی نے یہ کہہ کر اس کو اطمینان دلا دیا۔ لیکن خود الجھن میں پڑ گئیں۔ آخر یہ پراسرار آدمی ان کی کوٹھی کے گرد کیوں منڈلاتا رہتا ہے۔ انہیں اپنے مذہبی ٹھیکیداروں کی دھمکی اچھی طرح یاد تھی۔ لیکن اتنے عرصے کے بعد ان کی طرف سے بھی کوئی خطرناک اقدام کوئی خاص معنی نہ رکھتا تھا۔ اس قسم کی نہ جانے کتنی گتھیاں ان کے ذہن میں رینگتی تھیں۔ آخر کار تھک ہار کر تسکین قلب کے لئے انہیں اپنے پہلے ہی خیال کی طرف لوٹ آنا پڑا۔ یعنی وہ شخص وہ کوئی معمولی چور تھا جسے ان کی مرغیاں پسند آ گئی تھیں۔ جیسے ہی تھانے کے گھنٹے نے دس بجائے وہ سونے کے لئے ڈاکٹر شوکت کے کمرے میں چلی گئیں، انہوں نے رات کھانا بھی نہیں کھایا۔

خادمہ ان کی افتاد طبع سے واقف تھی۔ اس لئے اس نے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی سونے کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ لیٹنے ہی والی تھی کہ اس نے صدر دروازے

کو دھماکے کے ساتھ بند ہوتے سنا۔ اسے خیال پیدا ہوا کہ ڈاکٹر شوکت خلاف توقع واپس آ گیا ہے۔ وہ برآمدے میں نکل آئی۔ باغ میں سیتا دیوی کی غصیلی آواز سنائی دی۔ وہ کسی مرد سے تیز لہجے میں بات کر رہی تھیں۔ وہ حیرت سے سننے لگی۔ وہ ابھی باہر جانے کا ارادہ ہی کر رہی تھی کہ سیتا دیوی بڑبڑاتی ہوئی آتی دکھائی دیں۔

''تم.....!'' وہ بولیں۔ ''ارے لڑکی تو کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑی ہے۔ اس سردی میں بغیر کمبل اوڑھے باہر نکل آئی ہے..... نہ جانے کیسی ہیں آج کل کی لڑکیاں۔''

''کون تھا.....!'' خادمہ نے ان کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے پوچھا۔

''وہی آدمی تو نہیں تھا۔'' خادمہ نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

''نہیں وہ نہیں تھا۔ سردی بہت ہے۔ صبح بتاؤں گی..... اچھا اب جاؤ۔''

خادمہ متحیر ہوتی ہوئی چلی گئی۔ ہر چند کہ اس واقعہ کی کوئی اہمیت نہ رہی ہو لیکن یہ اسے حد درجہ پراسرار معلوم ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ خراٹے لینے لگی۔

دوسرے دن صبح آٹھ بجے جب ڈاکٹر شوکت واپس آیا تو اس نے ملازمہ کو حد درجہ پریشانی اور سراسیمگی کی حالت میں پایا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ سیتا دیوی خلاف معمول ابھی سو رہی ہیں۔ حالانکہ ان کا روزانہ کا معمول تھا کہ صبح تقریباً پانچ ہی بجے سے اٹھ کر پوجا پاٹھ کے انتظام میں مشغول ہو جایا کرتی تھیں۔ شوکت کو بھی اس واقعہ سے تشویش ہوگئی۔ لیکن اس نے پھر سوچا کہ شاید رات میں زیادہ دیر تک جاگی ہوں گی۔ اس نے ملازمہ کو اطمینان دلا کر ناشتہ لانے کو کہا۔ نو بج گئے لیکن سیتا دیوی نہ اٹھیں۔ اب شوکت کی پریشانی حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ اس نے دروازہ پیٹنا شروع کیا..... لیکن بے سود..... اندر سے کوئی جواب نہ ملا تھا۔ ہار کر اس نے ایک بڑھئی بلوایا۔

دروازہ ٹوٹتے ہی اس کی چیخ نکل گئی۔

سیتا دیوی سر سے پاؤں تک کمبل اوڑھے چت لیٹی ہوئی تھی اور ان کے سینے میں ایک خنجر اس طرح پیوست تھا کہ صرف ایک دستہ نظر آ رہا تھا۔ بستر خون سے تر تھا۔

ڈاکٹر شوکت ایک مضبوط دل کا آدمی ہوتے ہوئے بھی تھوڑی دیر کے لئے بیہوش سا ہو گیا۔ ہوش آتے ہی وہ بچوں کی طرح سسکیاں لیتا ہوا زمین پر گر پڑا۔

انسپکٹر فریدی

سارے گھر میں ایک عجیب سی ماتمی فضا طاری تھی۔ قصبہ کے تھانے پر اطلاع ہو گئی تھی اور اس وقت ایک سب انسپکٹر اور دو ہیڈ کانسٹیبل مقتولہ کے کمرے کے سامنے بیٹھے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ خادمہ کے بیان پر انہوں نے اپنی تشویش کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے تھے۔ ان کے خیال میں وہی پراسرار آدمی قاتل تھا جو رات کو باغ میں ٹہلتا ہوا پایا گیا تھا اور سیتا دیوی رات میں اسی سے جھگڑا کر رہی تھیں۔ ڈاکٹر شوکت ان کی بحثوں سے قطعی غیر مطمئن تھا جیسے جیسے وہ اپنی تجربہ کاری کا اظہار کر رہے تھے اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ویسے بھی وہ اپنے قصبہ کی پولیس کو ناکارہ سمجھتا تھا۔ اسی لئے اس نے محکمہ سراغ رسانی کے انسپکٹر فریدی کو ایک نجی خط لکھ کر بلوایا تھا اور اس کا انتظار کر رہا تھا۔ فریدی ان چند انسپکٹروں میں تھا جو بہت ہی اہم کاموں کے لئے وقف تھے لیکن ذاتی تعلقات کی بناء پر ڈاکٹر شوکت کو پورا یقین تھا کہ اسے یہ کیس سرکاری طور پر نہ بھی سونپا گیا تو وہ نجی طور پر اسے اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد انسپکٹر فریدی بھی اپنے اسسٹنٹ سرجنٹ حمید کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ انسپکٹر فریدی تیس بتیس سال کا ایک قوی ہیکل جوان تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی کے نیچے دو بڑی بڑی خواب آلود آنکھیں اس کی ذہانت اور تدبر کی آئینہ دار تھیں۔ اس کے لباس کے رکھ رکھاؤ اور تازہ شیو سے معلوم ہو رہا تھا وہ ایک بااصول اور سلیقہ مند آدمی ہے۔ سرجنٹ حمید کے خدوخال میں قدرے زنانہ پن کی جھلک تھی۔ اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بے جا نازبرداریوں اور اپنے حسن کی نمائش کا عادی ہے۔ اس نے کوئی بہت ہی تیز خوشبو والا سینٹ لگا

رکھا تھا۔ اس کی عمر چوبیس سال سے زیادہ نہ تھی لیکن اس چھوٹی سی عمر میں بھی وہ بلا کا ذہین تھا۔

اسی ذہانت کی بناء پر انسپکٹر فریدی کے تعلقات اس سے دوستانہ تھے۔ دونوں کی آپس کی گفتگو سے افسری یا ماتحتی کا پتہ لگانا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا۔

تھانے کے سب انسپکٹر اور دیوان ان کی غیر متوقع آمد سے گھبرا سے گئے کیونکہ انہیں ان کے آنے کی اطلاع نہ تھی۔ انہیں ان کی غیر ضروری آمد کچھ ناگوار سی گذری۔

''ڈاکٹر شوکت.....!'' فریدی نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اس نقصان کی تلافی ناممکن ہے البتہ رسمی طور پر میں اپنے غم کا اظہار ضرور کروں گا۔''

''انسپکٹر آج میری ماں مرگئی۔'' شوکت کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔

''صبر کرو.....تمہیں ایک مضبوط دل کا آدمی ہونا چاہئے۔'' فریدی نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے جواب دیا۔

''کہئے داروغہ جی کچھ سراغ ملا۔'' اس نے سب انسپکٹر کی طرف مڑ کر کہا۔

''ارے صاحب! ہم بیچارے بھلا سراغ لگانا کیا جانیں۔'' سب انسپکٹر طنزیہ انداز میں بولا۔

فریدی نے جواب کی تلخی محسوس ضرور کی لیکن وہ صرف مسکرا کر خاموش ہوگیا۔

''شوکت صاحب! یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں آج کل چھٹی پر ہوں۔'' فریدی بولا۔ ''اور پھر دوسری بات یہ کہ عموماً قتل کے کیس اس وقت ہمارے پاس آتے ہیں جب سول پولیس تفتیش میں ناکام رہتی ہے۔''

تھانے کے انسپکٹر کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔

انسپکٹر فریدی نے اس تغیر کو محسوس کرلیا اور اپنے مخصوص دل آزار اور شرارت آمیز لہجہ میں بولا۔ ''لیکن میں ذاتی تعلقات کی بناء پر نجی طور پر اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لوں گا۔'' تھانے کے سب انسپکٹر کی آنکھوں کی چمک دفعتاً اس طرح غائب ہوگئی جیسے سورج کا چہرہ سیاہ بادل ڈھانپ لیتے ہیں۔ اس کا منہ لٹک گیا۔

فریدی نے واقعات سننے کے بعد خادمہ کا بیان لینے کی خواہش ظاہر کی۔ خادمہ نے

شروع سے آخر تک رات کے سارے واقعات دہرا دیئے۔

''کیا تم بتا سکتی ہو کہ رات میں تم نے ان واقعات کے بعد بھی کوئی آواز سنی تھی۔''

''جی نہیں.....سوائے اس کے کہ وہ دیوی جی کے بڑبڑانے کی آواز تھی۔ وہ اکثر سوتے وقت بڑبڑایا کرتی تھیں۔''

''ہوں.....کیا تم بتا سکتی ہو کہ وہ کیا بڑبڑا رہی تھیں۔''

''کچھ بے ربط باتیں تھیں۔ ٹھہرئیے یاد کر کے بتاتی ہوں۔ ہاں ٹھیک یاد آیا.....وہ راج روپ نگر.....راج روپ نگر چلا رہی تھیں۔ میں نے اس پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ کیونکہ میں ان کی عادت سے واقف تھی۔''

''راج روپ نگر.....!'' فریدی نے دھیرے سے دہرایا اور کچھ سوچنے لگا۔

''حمید.....تم نے اس سے پہلے بھی یہ نام سنا ہے؟''

حمید نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ڈاکٹر شوکت تم نے۔''

''میں نے تو آج تک نہیں سنا۔''

''کیا سیتا دیوی نے بھی یہ نام کبھی نہیں لیا۔''

''میری یادداشت میں تو نہیں۔'' ڈاکٹر شوکت نے ذہن پر زور دیتے ہوئے جواب دیا۔

''ہوں.....اچھا.....!'' فریدی نے کہا۔ ''اب میں ذرا لاش کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ سب لوگ اس کمرے میں آئے جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ چارپائی کے سرہانے والی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس میں سلاخیں نہیں تھیں۔ انسپکٹر فریدی دیر تک لاش کا معائنہ کرتا رہا۔ پھر اس نے وہ چھرا سب انسپکٹر کی اجازت سے مقتولہ کے سینے سے کھینچ لیا اور اس کے دستوں پر انگلیوں کے نشانات ڈھونڈنے لگا۔

پھر کھڑکی کی طرف گیا اور جھک کر نیچے کی طرف دیکھنے لگا۔ کھڑکی سے تین فٹ نیچے تقریباً ایک فٹ چوڑی کارنس تھی جس سے ایک بانس کی سیڑھی لگی ہوئی تھی۔ کھڑکی پر پڑی ہوئی

گرد کی تہہ کئی جگہ سے صاف تھی اور ایک جگہ ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کے نشان۔ ''یہ تو صاف ظاہر ہے کہ قاتل اس کھڑکی سے داخل ہوا۔'' فریدی نے کہا۔

''یہ تو اتنا صاف ہے کہ گھر کی خادمہ بھی یہی کہہ رہی تھی۔'' تھانے کے سب انسپکٹر نے مضحکہ اڑانے کے انداز میں کہا۔

فریدی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر خاموشی سے خنجر کا جائزہ لینے لگا۔

''قاتل نے دستانے پہن رکھے تھے اور وہ ایک مشاق خنجر باز معلوم ہوتا ہے۔'' انسپکٹر فریدی بولا۔ ''اور وہ ایک غیر معمولی طاقتور انسان ہے..... داروغہ جی اس خنجر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔''

''خنجر..... جی ہاں یہ بھی بہت مضبوط معلوم ہوتا ہے۔'' سب انسپکٹر مسکرا کر بولا۔

''جی نہیں میں اس کی ساخت کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔''

''اس کی ساخت کے بارے میں صرف لوہار ہی بتا سکتے ہیں۔''

''جی نہیں..... میں بھی بتا سکتا ہوں۔ اس قسم کے خنجر نیپال کے علاوہ اور کہیں نہیں بنتے۔''

''نیپال.....!'' ڈاکٹر شوکت تحیر آمیز لہجہ میں بولا اور بے تابانہ انداز میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''کیوں..... کیا بات ہے۔'' فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

''کوئی بات نہیں۔'' شوکت نے خود پر قابو حاصل کرتے ہوئے کہا۔

''خیر ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس قسم کے خنجر سوائے نیپال کے اور کہیں نہیں بنائے جاتے اور ڈاکٹر میں تم سے کہوں گا کہ.....!'' ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ ایک کانسٹیبل نے آ کر اطلاع دی کہ اس شخص کا پتہ لگ گیا ہے جس سے کل رات سیتا دیوی کا جھگڑا ہوا تھا۔

سب لوگ بے تابانہ انداز میں دروازے کی طرف بڑھے۔ باہر ایک باوردی کانسٹیبل کھڑا تھا۔ آنے والے کانسٹیبل نے بتایا رات سیتا دیوی اسی سے جھگڑ رہی تھی۔ وہ رات اس طرف سے گزر رہا تھا کہ سیتا دیوی نے اسے پکارا۔ اسے جلدی تھی کیونکہ وہ گشت پر جا رہا تھا۔ لیکن وہ

پھر بھی چلا آیا۔ سیتا دیوی نے اسے بتایا کہ کوئی آدمی ان کی مرغیوں کی تاک میں ہے اور اس سے ادھر کا خیال رکھنے کی تاکید کی۔ اس نے جواب دیا کہ پولیس مرغیاں تاکنے کے لئے نہیں ہے اور پھر وہ دوسری چوکی کا کانسٹیبل ہے، اسی پر بات بڑھ گئی اور جھگڑا ہونے لگا۔

تھانے کا داروغہ اسے الگ لے جا کر اس سے پوچھ گچھ کرنے لگا اور فریدی نے بلند آواز میں کہنا شروع کیا۔ ''ہاں تو ڈاکٹر میں تم سے یہ کہہ رہا تھا کہ یہ خنجر دراصل تمہارے سینے میں ہونا چاہئے تھا۔ سیتا دیوی دھوکے میں قتل ہو گئیں اور جب قاتل کو اپنی غلطی کا علم ہو گا تو وہ پھر تمہارے پیچھے پڑ جائے گا۔ اب پھر اسی کمرے میں چل کر میں اس کی تشریح کروں گا۔''

اس انکشاف پر سب کے سب بوکھلا گئے۔ شوکت گھبراہٹ میں جلدی جلدی پلکیں جھپکا رہا تھا۔ داروغہ جی کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور سرجنٹ حمید انہیں مضحکہ خیز انداز میں گھور رہا تھا۔

سب لوگ پھر لاش والے کمرے میں واپس آئے۔ انسپکٹر فریدی کھڑکی کی کارنس پر اتر گیا اور اس لائن کے سارے کمروں کی کھڑکیوں کا جائزہ لیتا ہوا لوٹ آیا۔

اب معاملہ بالکل ہی صاف ہو گیا کہ سیتا دیوی ڈاکٹر ہی کے دھوکے میں قتل ہوئی ہیں۔ اگر قاتل سیتا دیوی کو قتل کرنا چاہتا تھا تو اسے یہ کیا معلوم کہ سیتا دیوی شوکت کے کمرے میں سوئی ہوئی تھی۔ اگر وہ تلاش کرتا ہوا اس کمرے تک پہنچا تھا تو دوسری کھڑکیوں پر بھی اس قسم کے نشانات ہو سکتے تھے جیسے کہ اس کھڑکی پر ملے ہیں اور پھر سیتا دیوی کے قتل کی صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی تھی وہ ان کی جائیداد۔ اگر ان کا ترکہ ان کے کسی عزیز کو پہنچتا ہوتا تو وہ انہیں اب سے دس برس قبل ہی قتل کر دیتا یا کرا دیتا۔ جبکہ انہوں نے اپنی جائیداد دھرم شالہ کے نام وقف کرنے کا صرف ارادہ ہی کیا تھا۔ اب جبکہ دس سال گزر چکے ہیں اور جائیداد کے متعلق پوری قانونی وصیت محفوظ ہے ان کے قتل کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آ سکتی اگر قاتل چوری کی نیت سے اتفاقاً اس کمرے میں داخل ہوا جس میں وہ سو رہی تھیں تو کیا وجہ ہے کہ کوئی چیز چوری نہیں کی گئی۔

''ممکن ہے کہ اس کمرے میں اس کے داخل ہوتے ہی مقتولہ جاگ اٹھی ہو اور وہ پکڑے

جانے کے خوف سے اسے قتل کر کے کچھ چرائے بغیر ہی بھاگ کھڑا ہوا۔" داروغہ جی نے اپنی دانست میں بڑا تیر مارا۔

"مائی ڈیئر.....!" فریدی جوش میں بولا۔ "لیکن میں ثابت کرسکتا ہوں کہ قاتل حملہ کے بعد کافی دیر تک اس کمرے میں ٹھہرا ہے۔"

سب انسپکٹر کے چہرے پر تمسخر آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور سرجنٹ حمید اسے دانت پیس کر گھورنے لگا۔

انسپکٹر فریدی نے نہایت سکون کے ساتھ کہنا شروع کیا۔ "جس وقت شوکت نے مقتولہ کو دیکھا وہ سر سے پیر تک کمبل اوڑھے ہوئی تھی ظاہر ہے کہ اس سے پہلے کوئی کمرے میں داخل بھی نہ ہوسکتا تھا کیونکہ دروازہ اندر سے بند تھا۔ لہٰذا لاش پر پہلے شوکت ہی کی نظر پڑی۔ اس لئے کسی اور کے منہ ڈھانکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب ذرا لاش کے قریب آیئے..... داروغہ جی میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔ یہ دیکھئے مقتولہ کا نچلا ہونٹ اس کے دانتوں میں دب کر رہ گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قاتل نے ایک ہاتھ سے مقتولہ کا منہ دبایا تھا اور دوسرے ہاتھ سے وار کیا تھا۔ پھر فوراً ہی منہ دبائے ہوئے اس کے پیروں پر بیٹھ گیا تھا تاکہ وہ جنبش نہ کرسکے اور وہ اس حالت میں اس وقت تک رہا جب تک کہ مقتولہ نے دم نہ توڑ دیا۔ ہونٹ کا دانتوں میں دبا ہونا ظاہر کررہا ہے کہ وہ تکلیف کی شدت میں صرف اتنا کرسکی کہ اس نے دانتوں میں ہونٹ لیا لیکن قاتل کے ہاتھ کے دباؤ کی وجہ سے ہونٹ پھر اپنی اصلی حالت پر نہ آسکا اور اسی حالت میں لاش ٹھنڈی ہوگئی۔ قاتل کو اپنے مقصد کی کامیابی پر اتنا یقین تھا کہ اس نے کمبل الٹ کر اپنے شکار کا چہرہ تک دیکھنے کی زحمت گوارہ نہ کی۔ ممکن ہے کہ اس نے بعد میں منہ کھول کر دیکھا بھی ہو مگر نہیں اگر ایسا کرتا تو پھر دوبارہ ڈھانک دینے کی کوئی ایسی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ خودکشی کا کیس ہو۔" سب انسپکٹر نے پھر اپنی قابلیت کا اظہار کیا۔

"جناب والا.....!" سرجنٹ حمید بولا۔ "اتنی عمر آئی لیکن کمبل اوڑھ کر آرام سے خنجر

گھونپ لینے والا ایک بھی نہ ملا کہ میں اس کی قدر کرسکتا۔"

سب انسپکٹر نے جھینپ کر سر جھکا لیا۔

انسپکٹر فریدی ان سب باتوں کو سنی ان سنی کر کے ڈاکٹر شوکت کو مخاطب کر کے بولا۔

"ڈاکٹر..... تمہاری جان خطرے میں ہے۔ ہر ممکن احتیاطی تدابیر کرو۔ یہ پلاٹ تمہارے ہی قتل کے لئے بنایا گیا تھا۔ سوچ کر بتاؤ کیا تمہارا کوئی ایسا دشمن ہے جو تمہاری جان تک لے لینے میں دریغ نہ کرے گا۔"

"میری دانست میں تو کوئی ایسا آدمی نہیں۔ آج تک میرے تعلقات کسی سے خراب نہیں رہے لیکن ٹھہریئے..... آپ کو یاد ہوگا کہ میں نیپالی خنجر کے تذکرے پر بے اختیار چونک پڑا تھا..... تقریباً پندرہ یوم کا تذکرہ ہے کہ ایک رات میں ایک بہت ہی خطرناک قسم کا آپریشن کرنے جارہا تھا کہ ایک اچھی حیثیت کا نیپالی میرے پاس آیا اور مجھ سے درخواست کی کہ میں اسی وقت ایک مریض کو دیکھ لوں۔ جس کی حالت خطرناک تھی۔ میں نے معذوری ظاہر کی۔ وہ رونے اور گڑگڑانے لگا۔ لیکن میں مجبور تھا۔ کیونکہ پہلے ہی سے ایک خطرناک کیس میرے پاس تھا۔ خطرہ تھا کہ اسی رات اس کا آپریشن نہ کیا گیا تو مریض کی موت واقع ہوجائے گی۔ آخر جب وہ نیپالی مایوس ہوگیا تو مجھے بُرا بھلا کہتے ہوئے واپس چلا گیا۔"

دوسرے دن صبح جب میں ہسپتال جارہا تھا تو چرچ روڈ کے چوراہے پر پٹرول لینے کے لئے رکا تو وہاں مجھے وہی نیپالی نظر آیا۔ مجھے دیکھ کر اس نے نفرت سے بُرا سا منہ بنایا اور اپنی زبان میں کچھ بڑبڑاتا ہوا پھر میری طرف مکا تان کر کہنے لگا۔

"شالا..... ہمارا آدمی مرگیا۔ اب ہم تمہاری خبر لے لے گا۔" میں نے ہنس کر موٹر اسٹارٹ کی۔

"ہوں اچھا.....!" فریدی بولا۔ "اس کی شکل وصورت کے بارے میں کچھ بتاسکتے ہو۔"

"یہ ذرا مشکل ہے کیونکہ مجھے تو سارے نیپالی ایک ہی جیسی شکل وصورت کے لگتے ہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے جواب دیا۔

"خیر اپنی حفاظت کا خاص خیال رکھو..... اچھا داروغہ جی میرا کام ختم..... ڈاکٹر شوکت میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اس کیس کو میں اپنے ہاتھ میں لوں گا لیکن مجھے افسوس ہے کہ بعض وجوہ کی بناء پر ایسا نہ کرسکوں گا۔ میرا خیال ہے کہ داروغہ جی بحسن وخوبی اس کام کو انجام دیں گے۔ اچھا اب اجازت چاہوں گا۔ ہاں ڈاکٹر ذرا کار تک چلو میں تمہارے تحفظ کے لئے تمہیں کچھ ہدایات دینا چاہتا ہوں..... اچھا داروغہ جی آداب عرض۔"

کار کے قریب پہنچ کر فریدی نے جیب سے ایک چھوٹا سا پستول نکالا اور ڈاکٹر شوکت کو تھما دیا۔ "یہ لو حفاظت کے لئے میں تمہیں دیتا ہوں..... اور کل تک اس کا لائسنس بھی تم تک پہنچ جائے گا۔"

"جی نہیں..... شکریہ اس کی ضرورت نہیں.....!" ڈاکٹر شوکت نے منہ پھلا کر جواب دیا۔

"احمق آدمی بگڑ گئے کیا.....؟ کیا سچ مچ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس واقعہ کی تفتیش نہ کروں گا۔ ہاں ان گدھوں کے سامنے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ نجی تفتیش سے انکار کردوں۔ یہ کم بخت صرف بڑے افسروں تک شکایت پہنچانے میں قابل ہوتے ہیں۔" ڈاکٹر شوکت کے چہرے پر رونق آ گئی اور اس نے ریوالور لے کر جیب میں ڈال لیا۔

"دیکھو جب بھی کوئی ضرورت پیش آئے مجھے بلوا لینا۔ بہت ممکن ہے کہ میں دس بجے رات تک پھر آؤں۔ ہوشیاری سے رہنا..... اچھا خدا حافظ۔"

ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کردی۔

سورج آہستہ آہستہ غروب ہو رہا تھا۔

قاتل کا قتل

"کیوں بھئی کہو کیسا کیس ہے۔" فریدی نے سگار سلگا کر سارجنٹ حمید کی طرف جھکتے

ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں تو ایسا دلچسپ کیس بہت دنوں کے بعد ہاتھ آیا ہے۔"

"آپ تو دن رات کیسوں ہی کے خواب دیکھا کرتے ہیں۔ کچھ حسین دنیا کی طرف بھی نظر دوڑائیے۔" حمید بیزاری سے بولا۔

"تو اس کا یہ مطلب کہ تم اس میں دلچسپی نہ لوگے۔ میں تو آج ہی تفتیش شروع کر رہا ہوں۔"

"بس مجھے تو معاف ہی رکھئے۔ میں نے تضیع اوقات کیلئے ایک ماہ کی چھٹی نہیں لی۔"

"بیکاری میں تمہارا دل نہ گھبرائے گا.....؟"

"بیکاری کیسی۔" حمید جلدی سے بولا۔ "کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میں نے ابھی حال ہی میں ایک عدد عشق کیا ہے۔"

"ایک عدد.....!" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اگر اس تفتیش کے سلسلے میں کئی عدد اور ہو جائیں تو کیا مضائقہ ہے۔"

"شاید آپ کا اشارہ ڈاکٹر شوکت کی نوجوان خادمہ کی طرف ہے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "معاف کیجئے گا..... میرا معیار اتنا گرا ہوا نہیں ہے۔"

"بڑے گدھے ہو تم..... مجھے اس کا خیال بھی نہ تھا۔" فریدی نے سگار منہ سے نکال کر کہا۔ "خیر ہٹاؤ..... کوئی اور بات کریں۔ ہاں بھئی سنا ہے کہ دو تین دن ہوئے ریلوے گراؤنڈ پر سرکس آیا ہوا ہے، بہت تعریف سنی ہے، چلو آج سرکس دیکھیں۔ صرف ساڑھے چار بجے ہیں۔ کھیل سات بجے شروع ہوگا۔ اتنی دیر میں ہم لوگ کھانا بھی کھالیں گے۔"

"ارے..... یہ کیا بدپرہیزی کرنے جا رہے ہیں۔ ارے لاحول ولا..... آپ اور لغویات..... یقین نہیں آتا کیا آپ نے سراغ رسانی سے توبہ کرلی۔" حمید نے عجیب سا منہ بنا کر کہا۔

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہاں میں بے مطلب جا رہا ہوں۔ تم دیکھو گے کہ سراغ رسانی کیسے کی جاتی ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"معاف کیجئے گا..... اس وقت تو آپ کسی چھ پیسے والے جاسوسی ناول کے مشہور جاسوس

کی طرح بول رہے ہیں۔" حمید بولا۔

"تم نے تو سرکس کا اشتہار دیکھا ہوگا۔ بھلا بتاؤ کس کھیل کی خصوصیت کیساتھ تعریف تھی۔"

"ایک نیپالی کا موت کے خنجر کا کھیل۔" حمید نے جواب دیا۔ پھر اچھل کر کہنے لگا۔ "کیا مطلب.....!"

فریدی نے اس کے سوال کو ٹالتے ہوئے کہا۔ "اچھا اس کھیل میں ہے کیا..... تم تو ایک بار شائد دیکھ بھی آئے ہو۔"

"ہاں ایک لڑکی لکڑی کے تختے سے لگ کر کھڑی ہو جاتی ہے اور ایک نیپالی اس طرح خنجر پھینکتا ہے کہ وہ اس کے چاروں طرف لکڑی کے تختے میں چبھتے جاتے ہیں۔ آخر میں جب وہ ان خنجروں کے درمیان سے نکلتی ہے تو لکڑی کے تختے پر چبھے ہوئے خنجروں میں اس کا خاکہ سا بنا رہ جاتا ہے۔ بھئی واقعی کمال ہے، اگر خنجر ایک سوت بھی آگے بڑھ کر پڑے تو لڑکی کا قلع قمع ہو جائے۔"

"اچھا ان خنجروں کی لمبائی کیا ہوگی۔" فریدی نے سگار کا کش لے کر کہا۔

"میرے خیال سے وہ خنجر ویسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے مقتولہ کے سینے سے نکالا تھا۔"

"بہت خوب.....!" فریدی اطمینان سے بولا۔ "اچھا تو یہ بتاؤ کہ خنجر کا کتنا حصہ لکڑی کے تختے میں گھس جاتا ہوگا۔"

"میرے خیال میں چوتھائی۔"

"معمولی طاقت والے کے بس کا روگ نہیں۔" فریدی نے حمید کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے جوش میں کہا۔ "اچھا میرے دوست آج سرکس ضرور دیکھا جائے گا۔"

"آخر آپ کا مطلب کیا ہے؟" حمید بے چینی سے بولا۔

"ابھی فی الحال تو کوئی خاص مطلب نہیں۔ بقول تمہارے ابھی تو میری اسکیم کسی چھ پیسے والے ناول کے سراغ رساں ہی کی اسکیم کی طرح معلوم ہو رہی ہے آگے اللہ مالک ہے۔"

"آخر کچھ بتائیے تو.....!"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ سیتا دیوی کے قتل میں اسی نیپالی کا ہاتھ ہو۔"

"یوں تو اس کے قتل میں میرا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"تم نہیں سمجھتے..... ایک لحیم شحیم عورت کی لاش کو پھڑکنے سے روک دینا کسی معمولی طاقت والے آدمی کا کام نہیں۔ ایک ذبح کئے ہوئے مرغ کو سنبھالنا دشوار ہو جاتا ہے۔ پھر جس شخص نے ڈاکٹر شوکت کو دھمکی دی تھی وہ بھی نیپالی ہی تھا۔ ایسی صورت میں کیوں نہ ہم اس شبہ سے فائدہ اٹھائیں۔ میں یہ وثوق کے ساتھ نہیں کہتا کہ قتل میں سرکس والے نیپالی ہی کا ہاتھ ہے۔ پھر بھی دیکھ لینے میں کیا مضائقہ ہے۔ اگر کوئی سراغ نہ مل سکا تو تفریح ہی ہو جائے گی۔"

"خیر میں سرکس دیکھنے سے انکار نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں تقریباً دو درجن لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہاں کھیل کے دوران میں آپ بحث مباحثہ کر کے میرا مزہ کرکرا کریں۔"

"تم چلو تو سہی..... مجھے یہ بھی معلوم ہے۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔

شہر پہنچ کر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے ایوننگ نیوز میں نشاط نگر کے قتل کا حال پڑھا۔ اس پر انسپکٹر فریدی کے دلائل کا ایک ایک لفظ تحریر تھا اور یہ بھی لکھا تھا کہ انسپکٹر فریدی نے نجی طور پر موقعہ واردات کا معائنہ کیا تھا لیکن انہوں نے نجی تفتیش کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ انسپکٹر فریدی چھ ماہ کی رخصت پر ہیں۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ شائد سرکاری طور پر بھی یہ کام ان کے سپرد نہ کیا جاسکے۔

"میرے خیال سے جس شخص کو ہم لوگ ڈاکٹر کا پڑوسی سمجھ رہے تھے وہ ایوننگ نیوز کا نامہ نگار تھا۔" فریدی نے کہا۔ "اب تک تو حالات ہمارے ہی موافق ہیں۔ اس خبر کا آج ہی شائع ہو جانا بڑا اچھا ہوا۔ اگر واقعی سرکس والا نیپالی ہی قاتل ہے تو ہم باآسانی اس پر اس خبر کا رد عمل دیکھ سکیں گے۔"

"ہوں.....!" حمید کچھ سوچتے ہوئے یوں ہی بے خیالی میں بولا۔

"کیا کوئی نئی بات سوجھی۔" فریدی نے کہا۔

''میں کہتا ہوں آخر دردسری مول لینے سے فائدہ؟ کیوں نہ ہم لوگ اپنی چھٹیاں ہنسی خوشی گذاریں۔''

''اچھا بکواس بند۔'' فریدی جھلا کر بولا۔ ''اگر تم میرا ساتھ نہیں دینا چاہتے تو نہ دو۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔''

''آپ تو خفا ہوگئے۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ بھی اس چھٹی میں ایک آدھ عشق کر لیتے تو اچھا تھا۔'' حمید نے منہ بنا کر کچھ اس انداز میں کہا کہ فریدی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

''اچھا تو کھانا اس وقت میرے ہی ساتھ کھانا۔'' فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''بسروچشم.....!'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ''بھلا میں اپنے آفیسر کا حکم کس طرح ٹال سکتا ہوں۔''

وہ سرکس شروع ہونے سے پندرہ منٹ قبل ہی ریلوے گراؤنڈ پہنچ گئے اور بکس کے ٹکٹ لے کر رنگ کے سب سے قریب والے صوفے پر جا بیٹھے۔ دو چار کھیلوں کے بعد اصل کھیل شروع ہوا۔ ایک ناٹے قد کا مضبوط نیپالی ایک خوبصورت لڑکی کیساتھ رنگ میں داخل ہوا۔

''غضب کی لونڈیا ہے۔'' حمید نے دھیرے سے کہا۔

''ہشت.....!'' فریدی نیپالی کو بغور دیکھ رہا تھا۔

''خواتین وحضرات.....!'' رنگ لیڈر کی آواز گونجی۔ ''اب دنیا کا خوفناک ترین کھیل شروع ہونے والا ہے۔ یہ لڑکی اس لکڑی کے تختے سے لگ کر کھڑی ہو جائے گی اور یہ نیپالی اپنے خنجر سے لڑکی کے گرد اس کا خاکہ بنائے گا۔ نیپالی کی ذرا سی غلطی یا لڑکی کی خفیف کی جنبش اسے موت کی آغوش میں پہنچا سکتی ہے لیکن دیکھئے کہ یہ لڑکی موت کا مقابلہ کس ہمت سے کرتی ہے اور اس نیپالی کا ہاتھ کتنا سدھا ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔''

''کھٹ.....!'' ایک سنسناتا ہوا خنجر لڑکی کے سر کے بالوں کو چھوتا ہوا لکڑی کے تختے میں تین انچ دھنس گیا۔ لڑکی سر سے پیر تک لرز گئی۔ رنگ ماسٹر نے نیپالی کی طرف حیرت سے دیکھا

اور اس کے ہونٹ مضطربانہ انداز میں ہلنے لگے۔ دیکھنے والوں پر سناٹا چھا گیا۔

''کھٹ.....!'' دوسرا خنجر لڑکی کے کاندھے کے قریب فراک کے پف کو چھیدتا ہوا تختے میں دھنس گیا.....لڑکی کا چہرہ دودھ کی طرح سفید نظر آنے لگا۔ رنگ لیڈر نے بے تابانہ رنگ کا چکر لگا ڈالا۔ نیپالی کھڑا دسمبر کی سردی میں اپنے چہرے سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔

''کیا اس دن بھی یہ خنجر جسم کے اتنے قریب لگے تھے۔'' فریدی نے جھک کر حمید سے پوچھا۔

''ہرگز نہیں..... ہرگز نہیں۔'' حمید نے بیتابی سے کہا۔ ''ان کا فاصلہ تین یا چار انچ تھا۔!''

''کھٹ.....!'' اب کی بار لڑکی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس کے بازو سے خون نکل رہا تھا۔ فریدی نے نیپالی کو شرابیوں کی طرح لڑکھڑاتے رنگ کے باہر جاتے دیکھا۔ فوراً ہی پانچ چھ جوکروں نے رنگ میں آ کر اچھل کود مچا دی۔

''خواتین وحضرات.....'' رنگ ماسٹر کی آواز گونجی۔ ''مجھے اس واقعہ پر حیرت ہے۔ نیپالی پندرہ بیس برس سے ہمارے سرکس میں کام کر رہا ہے لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا۔ ضرور وہ کچھ بیمار ہے۔ جس کی اطلاع ہمیں نہ تھی۔ بہرحال ابھی بہت سے دلچسپ کھیل باقی ہیں۔''

''آؤ چلیں.....!'' فریدی نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اٹھتے ہوئے کہا۔

متعدد خیموں کے درمیان سے گذرتے ہوئے وہ تھوڑی دیر بعد منیجر کی دفتر کے سامنے پہنچ گئے۔ فریدی نے چپراسی سے اپنا ملاقاتی کارڈ اندر بھجوا دیا۔

منیجر اٹھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے پرتپاک لہجے میں بولا۔ ''فرمایئے کیسے تکلیف فرمائی۔''

''میں خنجر والے نیپالی کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''کیا عرض کروں انسپکٹر صاحب..... مجھے خود حیرت ہے۔ آج تک ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ مجھے سخت شرمندگی ہے۔ کیا قانوناً مجھے اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ آج کئی دن سے اس کی حالت بہت ابتر ہے۔ وہ بے حد شراب پینے لگا ہے۔ ہر وقت نشے میں ڈینگیں مارتا رہتا ہے۔ ابھی کل ہی اپنے ایک ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ میں اب اتنا دولت مند ہوگیا ہوں۔ مجھے نوکری کی بھی پرواہ نہیں۔ اس نے اسے نوٹوں کی کئی گڈیاں بھی

دکھائی تھیں۔"

"اس کی یہ حالت کب سے ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ راج روپ نگر کے دوران قیام ہی میں اس کی حالت میں تبدیلی ہونی شروع ہوگئی تھی۔"

"راج روپ نگر.....!" حمید نے چونک کر کہا۔ لیکن فریدی نے اسکے پیر پر اپنا پیر رکھ

"کیا راج روپ نگر میں بھی آپ کی کمپنی نے کھیل دکھائے تھے۔"

"جی نہیں..... وہاں کہاں..... وہ تو ایک قصبہ ہے۔ ہم لوگ وہاں ٹھہر کر اپنے دو قافلے کا انتظار کررہے تھے۔"

"راج روپ نگر..... وہی تو نہیں جو نواب وجاہت مرزا کی جاگیر ہے۔"

"جی ہاں..... جی ہاں وہی۔"

"کیا یہ نیپالی پڑھا لکھا ہے۔"

"جی ہاں..... میٹرک پاس ہے۔"

"میں اس سے بھی کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور ضرور..... میرے ساتھ چلئے۔ لیکن ذرا ہمارا بھی خیال رکھئے گا۔ میں نہیں کہ کمپنی کا نام بدنام ہو۔"

"آپ مطمئن رہئے۔"

وہ تینوں خیموں کی قطاروں سے گزرتے ہوئے ایک خیمے کے سامنے رک گئے۔

"اندر چلئے.....!" منیجر بولا۔

"نہیں صرف آپ جائیے۔ آپ اس سے ہمارے بارے میں کہئے گا۔ اگر وہ کرے گا تو ہم لوگ ملیں گے ورنہ نہیں۔" فریدی نے کہا۔

منیجر پہلے تو کچھ دیر تک حیرت سے اسے دیکھتا رہا پھر اندر چلا گیا۔ فریدی نے آنکھیں خیمے کی جالی سے لگادیں۔ نیپالی ابھی تک کھیل ہی کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔

پریشان نظر آرہا تھا۔ منیجر کے داخل ہوتے ہی وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ لیکن پھر اس کے چہرے پر قدرے اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔

"اوہ..... آپ ہیں۔ میں سمجھا..... جی کچھ نہیں۔ مجھے سخت شرمندگی ہے۔" وہ رک رک کر بولا۔

"تو کیا تم کسی اور کا انتظار کررہے تھے۔" منیجر نے کہا۔

"جج جی.....!" وہ ہکلانے لگا۔ "نن نہیں..... بب بالکل نہیں۔"

باہر فریدی نے گہرا سانس لیا اور اسکی آنکھوں میں عجیب قسم کی وحشیانہ چمک پیدا ہوگئی۔

"میں معافی چاہتا ہوں..... مجھے افسوس ہے۔" نیپالی خود کو سنبھال کر بولا۔

"میں اس وقت اس معاملے پر گفتگو کرنے نہیں آیا ہوں۔" منیجر بولا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ ایک صاحب تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

نیپالی بُری طرح کانپنے لگا۔

"مجھ سے مل..... ملنا چاہتے ہیں۔" وہ بدحواس ہوکر بیٹھتے ہوئے ہکلایا۔ "مگر میں نہیں ملنا چاہتا۔ وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔"

"میں یہی بتانے کے لئے ملنا چاہتا ہوں کہ میں کیوں ملنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے خیمے میں داخل ہوکر کہا۔ اس کے پیچھے حمید بھی تھا۔

"میں آپ کو نہیں جانتا۔" اس نے خود کو سنبھال کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے میں آپ سے نہیں ملا۔"

"میں خفیہ پولیس کا انسپکٹر.....!" فریدی نے جلدی سے کہا۔

"خفیہ پولیس.....!" وہ اس طرح بولا جیسے کوئی خواب میں بڑبڑاتا ہے۔ "لیکن کیوں..... آخر آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔"

"میں تمہیں پریشان کرنا نہیں چاہتا لیکن تم اگر میرے سوالات کا صحیح صحیح جواب دو گے تو پھر تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کیا تم کل رات نشاط نگر ڈاکٹر شوکت کی کوٹھی پر گئے تھے۔"

فریدی نے یہ جملہ نہایت سادگی اور اطمینان سے ادا کیا۔ لیکن اس کا اثر کسی بم کے دھماکے سے کم نہ تھا۔ نیپالی بے اختیار اچھل پڑا۔ فریدی کو اب پورا یقین ہوگیا۔

''نہیں نہیں.....!'' وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں چیخا۔ ''تم سفید جھوٹ بول رہے ہو..... میں وہاں کیوں جاتا..... نہیں..... یہ جھوٹ ہے..... پکا جھوٹ۔''

''اس سے کوئی فائدہ نہیں مسٹر.....!'' فریدی بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ کل رات تم ڈاکٹر شوکت کو قتل کرنے گئے اور اسکے دھوکے میں سیتا دیوی کو قتل کر آئے۔ اگر تم سچ سچ بتا دو گے تو میں تمہیں بچانے کی کوشش کرونگا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہیں کسی دوسرے نے قتل پر آمادہ کیا تھا۔''

''آپ مجھے بچانے کی کوشش کریں گے۔'' وہ بے بسی سے بولا۔ ''اوہ میرے خدا..... میں نے بھیانک غلطی کی۔''

''شاباش، ہاں آگے کہو۔'' فریدی نرم لہجے میں بولا۔ سرکس کا منیجر انہیں حیرت اور خوف کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

نیپالی انسپکٹر فریدی کے اس اچانک حملے سے پہلے ہی سراسیمہ ہوگیا تھا۔ اس نے ایک بے بس بچے کی طرح کہنا شروع کیا..... ''جی ہاں..... میں ضرور بتاؤں گا۔ مگر میں بے قصور ہوں۔ آپ نے کہا کہ میں تمہیں بچالوں گا۔ اس نے مجھے دس ہزار روپے پیشگی دیئے تھے اور قتل کے بعد دس ہزار روپے اور دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اف میں نے کیا کیا..... اس کا نام..... ہاں اس کا نام ہے..... اررر ہا..... اف.....!'' وہ چیخ کر آگے کی طرف جھک گیا۔

''وہ دیکھو.....!'' سرجنٹ حمید چیخا۔

کسی نے خیمے کے پیچھے سے نیپالی پر حملہ کیا تھا۔ خنجر خیمے کے کپڑے کی دیوار پھاڑتا ہوا اس کی پیٹھ میں گھس گیا تھا۔ وہ بکس پر بیٹھے بیٹھے دو تین بار تڑپا پھر خنجر کی گرفت سے آزاد ہو کر فرش پر آرہا۔

''حمید..... باہر..... دیکھو جانے نہ پائے۔'' انسپکٹر فریدی غصہ میں چلایا۔

چیخ کی آواز سن کر کچھ اور لوگ بھی آئے۔ سب نے مل کر قاتل کو تلاش کرنا شروع کیا

لیکن بے سود..... منیجر کو گھبراہٹ کی وجہ سے غش آگیا۔

کوتوالی اطلاع پہنچا دی گئی..... تھوڑی دیر بعد کئی کانسٹیبل اور دو سب انسپکٹر موقع واردات پر پہنچ گئے۔ انسپکٹر فریدی کو وہاں دیکھ کر انہیں سخت حیرت ہوئی۔ فریدی نے انہیں مختصراً سارا حال بتایا۔ مقتول کے اقرار جرم کا گواہ منیجر تھا لہٰذا منیجر کا بیان ہو رہا تھا کہ انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید وہاں سے روانہ ہوگئے۔

ان کی کار تیزی سے نشاط نگر کی طرف جا رہی تھی۔

''کیوں بھئی رہا نہ وہی..... چھ پیسے والے جاسوسی ناول والا معاملہ۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔

''اب تو مجھے بھی دلچسپی ہو چلی ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''لیکن یہ تو بتایئے کہ آپ کو یقین کیونکر ہوا تھا کہ یہی قاتل ہے۔''

''یقین کہاں محض شبہ تھا لیکن منیجر سے گفتگو کرنے کے بعد کچھ کچھ یقین ہو چلا تھا کہ سازش میں کسی دوسرے کا ہاتھ ضرور تھا۔ میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ قتل کے سلسلے میں اپنی غلطی کا احساس ہو جانے کے بعد ہی سے اس کی حالت غیر ہوگئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کھیل کے وقت اس کا ہاتھ بہک رہا تھا اب اسے شاید اس شخص کا انتظار تھا جس نے اسے قتل کے لئے آمادہ کیا تھا۔ اس حماقت کی جوابدہی کے خیال نے اسے اور بھی پریشان کر رکھا تھا۔ انہیں سب چیزوں کو مدنظر رکھ کر میں نے خود پہلے اس کے خیمے میں جانا مناسب نہ سمجھا۔ منیجر کو اندر بھیج کر میں جالی سے اس کا ردعمل دیکھنے لگا۔ جالی سے تو تم بھی دیکھ رہے تھے۔''

''بہرحال آج سے میں آپ کا پورا پورا شاگرد ہوگیا۔'' حمید نے کہا۔

''کیا کہا آج سے..... کیا پہلے نہ تھے۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔

''نہیں پہلے بھی تھا۔'' حمید نے کہا اور دونوں خاموش ہوگئے۔ انسپکٹر فریدی آئندہ کے لئے پروگرام بنا رہا تھا۔

پھاٹک پر کار کی آواز سن کر ڈاکٹر شوکت باہر نکل آیا تھا۔ انسپکٹر فریدی نے سارے واقعات بالتفصیل اسے بتائے۔

"لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اب مطمئن ہو جاؤ۔" فریدی نے شوکت کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارا اصل دشمن اب بھی آزاد ہے اور وہ کسی وقت بھی تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ لہٰذا احتیاط کی ضرورت ہے۔ میں فکر میں ہوں اور کوشش کروں گا کہ اسے جلد از جلد گرفتار کر کے قانون کے حوالے کر دوں۔"

قاتل کی نئی چال

انسپکٹر فریدی کو افسوس تھا کہ سرکاری طور پر وہ اس کیس کا انچارج نہ ہو سکتا تھا۔ ابھی اس کی چھٹی ختم ہونے میں دو ماہ باقی تھے۔ اسے اس بات کا بھی خیال تھا کہ دوسرے قتل کے بعد سے اس معاملہ میں اس کی دست اندازی کا حال آفیسروں کو ضرور معلوم ہو جائے گا۔ جو اصولاً کسی طرح درست نہ تھا۔ لیکن اسے اس کی پرواہ نہ تھی۔ ملازمت کی پرواہ اسے کبھی تھی اور نہ اب۔ وہ خود بھی صاحب جائیداد اور شان سے زندگی بسر کرنے کا عادی تھا۔ اس ملازمت کی طرف اسے دراصل اس کی افتاد طبع لائی تھی۔ ورنہ وہ اتنا دولت مند تھا کہ اس کے بغیر بھی امیروں کی سی زندگی بسر کرتا تھا۔

دوسری واردات کے دوسرے دن صبح جب وہ سو کر اٹھا تو اسے معلوم ہوا کہ چیف انسپکٹر صاحب کا اردلی عرصہ سے اس کا انتظار کر رہا ہے۔ دریافت حال پر پتہ چلا کہ چیف صاحب اپنے بنگلہ پر بے صبری سے اس کا انتظار کر رہے ہیں اور پولیس انسپکٹر صاحب بھی وہاں موجود ہیں۔ فریدی کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے لاپرواہی سے ناخوشگوار خیالات کو ذہن سے نکال پھینکا اور ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر چیف صاحب کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔

"ہلو فریدی۔" چیف صاحب نے اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ دیر سے تمہارے منتظر ہیں۔"

"مجھے ذرا دیر ہو گئی۔" فریدی نے بے پروائی سے کہا۔

"اس وقت ایک اہم معاملے پر گفتگو کرنے کے لئے آپ کو تکلیف دی گئی ہے۔" پولیس کمشنر نے اپنا سگار کیس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔" فریدی نے سگار لیتے ہوئے کہا۔ "فرمایئے۔"

"مسٹر فریدی..... چوبیس گھنٹے کے اندر اس علاقے میں دو عدد وارداتیں ہوئی ہیں۔ ان سے آپ بخوبی واقف ہیں۔" پولیس کمشنر صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ تبدیل ہو کر یہاں آئے ہوئے مجھے صرف دس دن ہوئے ہیں۔ ایسی صورت میں میری بہت بدنامی ہوگی۔ سول پولیس تو قطعی ناکارہ ہے اور معاملہ انتہائی پیچیدہ ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی بقیہ چھٹی فی الحال کینسل کرا لیں اور اس کا میں ذمہ لیتا ہوں کہ قاتل کا پتہ لگ جانے کے بعد میں آپ کو دو کے بجائے چار ماہ کی چھٹی دلا دوں گا۔ یہ میرا دوستانہ مشورہ ہے۔ اسے افسری اور ماتحتی سے کوئی تعلق نہیں۔"

"جی میں ہر وقت اور ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔" فریدی نے اپنی آرزو پوری ہوتے دیکھ کر پر خلوص لہجے میں کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔" پولیس کمشنر صاحب اطمینان کا سانس لے کر بولے۔ "کل رات آپ اپنا بیان دے کر چلے آئے تھے۔ اس کے بعد نیپالی کے خیمے کی تلاشی لینے پر سات ہزار روپے کے نوٹ برآمد ہوئے۔ جو کم از کم اس کی حیثیت سے زیادہ تھے۔ اس کے پس انداز ہونے کا خیال اسی لئے پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اپنی آمدنی سے بڑھ کر خرچ کرنے والا آدمی تھا۔ ان روپوں کے علاوہ کوئی اور چیز ایسی نہ مل سکی جس سے اس کے قاتل کی شخصیت کا پتہ لگ سکتا۔ بہر حال سیتا دیوی کے قاتل کے سراغ کا سہرا تو آپ ہی کے سر ہے۔ لیکن اب اس کے قاتل کے قاتل کا پتہ لگانا بہت ضروری ہے اور یہ کام سوائے آپ کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ میں نے کل رات ہی یہ دونوں کیس محکمہ سراغ رسانی کے سپرد کر دیئے ہیں اب بقیہ ہدایات آپ کو چیف انسپکٹر سے ملیں گی۔"

"اور میں تم کو اس کیس کا انچارج بناتا ہوں۔" چیف انسپکٹر صاحب نے کہا۔ "اس کے کاغذات دس بجے تک تمہیں مل جائیں گے۔"

"یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میں کیس کی تفتیش شروع ہی سے کر رہا ہوں اور میں نے اس سلسلے میں اپنا طریقہ کار بھی مکمل کرلیا ہے۔ لیکن آپ سے استدعا ہے کہ آپ یہی ظاہر ہونے دیں کہ میں چھٹی پر ہوں اور یہ معاملہ ابھی تک محکمہ سراغ رسانی تک نہیں پہنچا۔"

"تو اس کیس میں بھی تم اپنی پرانی عادت کے مطابق اکیلے ہی کام کرو گے۔" چیف انسپکٹر پولیس نے کہا۔ "یہ عادت خطرناک ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ بعض وجوہ کی بناء پر جنہیں میں ابھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا مجھے یہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اچھا اب اجازت چاہتا ہوں۔"

انسپکٹر فریدی کے گھر پر سرجنٹ حمید اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ رات بھر نہ سویا ہو۔ فریدی کے گھر پہنچتے ہی وہ بیتابی سے اس کی طرف بڑھا۔

"کہو..... خیریت تو ہے۔" فریدی نے کہا۔ "تم کچھ پریشان سے معلوم ہوتے ہو۔"

"کچھ کیا..... میں بہت پریشان ہوں۔" حمید نے کہا۔

"آخر بات کیا ہے۔"

"کل رات تقریباً ایک بجے میں آپ کے گھر سے روانہ ہوا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میرا کوئی پیچھا کر رہا ہے۔ پہلے تو خیال ہوا کہ کوئی راہ گیر ہوگا لیکن جب میں نے اپنا شبہ رفع کرنے کے لئے یوں ہی بے مطلب پیچ در پیچ گلیوں میں گھسنا شروع کیا تو میرا شبہ یقین کی حد تک پہنچ گیا کیونکہ وہ اب بھی میرا پیچھا کر رہا تھا۔ خیر میں نے گھر پہنچ کر تالا کھولا اور کواڑ بند کر کے درز سے جھانکتا رہا۔ میرا تعاقب کرنے والا اب میرے مکان کے سامنے کھڑا دروازے کیطرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ میں دبے پاؤں باہر نکلا اور اب میں اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس قسم کا تعاقب کم از کم میرے لئے نیا تجربہ تھا کیونکہ تعاقب کرتے کرتے پانچ بج گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ یوں ہی بلا مقصد آوارہ گردی کرتا پھر رہا ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ کیونکہ اس نے اپنے چسٹر کا کالر کھڑا کر رکھا تھا اور اس کی نائٹ کیپ اس کے چہرے پر جھکی ہوئی تھی۔ تقریباً پانچ بجے وہ باٹم روڈ اور بیلی روڈ کے چوراہے پر رک گیا۔ وہاں ایک کار کھڑی تھی۔ وہ اس میں بیٹھ گیا اور کار تیزی سے شمال کی جانب روانہ ہوگئی۔ وہاں اس وقت مجھے کوئی سواری نہ مل سکی۔ لہٰذا تین میل پیدل چل کر آرہا ہوں۔ شاید رات سے اب تک میں نے پندرہ میل کا چکر لگایا ہوگا۔"

"تمہاری نئی دریافت تو بہت دلچسپ رہی۔" فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

وہ تھوڑی دیر تک تو چپ رہا۔ اسکی آنکھیں اسطرح دھندلا گئیں جیسے اسے نیند آرہی ہو۔ پھر اچانک ان میں ایک طرح کی وحشیانہ چمک پیدا ہوگئی اور اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"کیا کہا تم نے۔" فریدی بولا۔ "وہ باٹم روڈ کے چوراہے سے شمال کی جانب چلا گیا۔"

"جی ہاں۔"

"اور تمہیں شاید معلوم نہ ہوگا کہ اسی چوراہے پر سے اگر تم جنوب کی طرف چلو تو پندرہ میل چلنے کے بعد تم راج روپ نگر پہنچ جاؤ گے۔ اب مجھے یقین ہوگیا کہ مجرم کا سراغ راج روپ نگر ہی میں مل سکے گا۔ دیکھو اگر وہ سچ مچ تمہارا پیچھا کر رہا ہوتا تو تمہیں اس کا احساس تک نہ ہونے دیتا۔ اس نے دیدہ دانستہ ایسا کیا تا کہ تم اس کے پیچھے لگ جاؤ اور وہ اسی چوراہے سے جنوب کی طرف جانے کی بجائے شمال کی طرف جا کر میرے دل سے اس خیال کو نکال دے کہ اصل مجرم راج روپ نگر کا باشندہ ہے۔ اوہ میرے خدا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ نیپالی کے قتل کے پہلے سے ہم لوگوں کے قریب ہی قریب رہا اور اس نے منیجر کے دفتر میں بھی ہماری گفتگو سنی وہیں راج روپ نگر کی گفتگو آئی تھی۔ اخبار میں تو اس کا کوئی حوالہ نہیں تھا..... مجرم معمولی ذہانت کا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ کیا تم اس کا حلیہ بتا سکتے ہو۔"

"یہ تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔" حمید نے کچھ سوچ کر کہا۔

"لیکن ٹھہریئے۔ اس میں ایک خاص بات تھی جس کی بناء پر وہ پہچانا جاسکتا ہے اس کی پیٹھ پر بڑا سا کوبڑ تھا۔"

"اماں چھوڑو بھی.....کوبڑ تو کوٹ کے نیچے بہت سا کپڑا ٹھونس کر بھی بنایا جاسکتا ہے۔
اگر وہ سچ مچ کبڑا ہوتا تو تمہیں اپنے پیچھے آنے کی دعوت ہی نہ دیتا۔"

"واللہ.....آپ نے تو شرلاک ہومز کے بھی کان کاٹ کر کھالئے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"تم نے پھر وہی جاسوسی ناولوں کے جاسوسوں کے حوالے دینے شروع کر دیئے۔"
فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"بخدا میں مضحکہ نہیں اڑا رہا ہوں۔"

"خیر ہٹاؤ.....میں اس وقت تنہا راج روپ نگر جا رہا ہوں۔"

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ آپ تنہا راجروپ نگر جا رہے ہیں۔ میں رات بھر نہیں سویا۔"

"اگر تم سوتے بھی ہوتے تو بھی میں تمہیں اپنے ساتھ نہ لے جاتا کیونکہ تم چھٹی پر ہو اور
میں نے اپنی چھٹیاں کینسل کرادی ہیں اور یہ کیس سرکاری طور پر میرے سپرد کیا گیا ہے۔"

"یہ کب.....!" حمید نے متحیر ہو کر پوچھا۔

"ابھی.....!" فریدی نے جواب دیا اور سارے واقعات بتا دیئے۔

"تو پھر واقعی آپ تنہا جائیں گے۔" حمید نے کہا۔ "اچھا یہ تو بتایئے کہ آپ نے اپنا
طریقہ کار سوچ لیا ہے۔"

"قطعی.....!" فریدی نے جواب دیا۔ "کل رات میں نے تمہارے جانے کے بعد ہی
راج روپ نگر کے متعلق بہت سی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ مثلاً یہی کہ راج روپ نگر نواب
صاحب وجاہت مرزا کی جاگیر ہے اور نواب صاحب کسی شدید قسم کی ذہنی بیماری میں مبتلا ہیں۔
مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ تقریباً پندرہ روز سے دن رات سو رہے ہیں یا دوسرے لفظوں میں
یہ کہنا چاہئے کہ بے ہوش ہیں۔ ان کے فیملی ڈاکٹر کی رائے ہے کہ سر کا آپریشن کرایا جائے لیکن
موجودہ معالج کرنل تیواری جو پولیس ہسپتال کے انچارج ہیں آپریشن کے خلاف ہیں۔ اس
سلسلے میں دوسری بات معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ نواب صاحب لاولد ہیں ان کے ساتھ ان کا
سوتیلا بھتیجا اور ان کی بیوہ بہن اپنی جوان لڑکی سمیت رہتی ہے۔ مجھے جہاں تک پتہ چلا ہے کہ

نواب صاحب نے اپنی جاگیر کے متعلق ابھی تک کسی قسم کا کوئی وصیت نامہ نہیں لکھا ہے۔ کیا یہ
ممکن نہیں کہ ان کی بیوہ بہن یا سوتیلے بھتیجے میں سے کوئی بھی جائیداد کے لالچ میں یہ خواہش
نہیں رکھ سکتا کہ نواب صاحب ہوش میں آنے سے پہلے ہی مر جائیں۔ بہت ممکن ہے کہ اسی
مقصد کے تحت ذہنی بیماریوں کے مشہور ترین ڈاکٹر شوکت کو قتل کرا دینے کی کوشش کی گئی ہو محض
اس ڈر سے کہ کہیں نواب صاحب اس کے زیر علاج نہ آجائیں کیونکہ ان کا فیملی ڈاکٹر آپریشن
پر زور دے رہا تھا۔" فریدی خاموش ہو گیا۔

"آپ کے دلائل بہت وزنی معلوم ہوتے ہیں۔" حمید بولا۔ "لیکن آپ کا تنہا جانا ٹھیک نہیں۔"

"تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو کہ طریقہ کار سمجھ میں آجانے کے بعد میں تنہا کام کرنے کا
عادی ہوں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اور پھر تم نے ابھی حال ہی میں ایک عدد عشق کیا ہے۔
میں تمہارے عشق میں گڑبڑ نہیں پیدا کرنا چاہتا۔ واپسی میں تمہاری محبوبہ کے لئے ایک عدد انگوٹھی
ضرور لیتا آؤں گا۔ اچھا اب تم ناشتہ کر کے یہیں سو رہو اور میں چلا۔"

خوفناک بوڑھا

راج روپ نگر میں نواب وجاہت مرزا کی عالی شان کوٹھی بستی سے تقریباً ڈیڑھ میل کے
فاصلے پر واقع تھی۔ نواب صاحب بہت شوقین آدمی تھے۔ اس لئے انہوں نے اس قصبے کو ننھا منا
سا خوبصورت شہر بنا دیا تھا۔ بس صرف الیکٹرک لائٹ کی کسر رہ گئی تھی۔ لیکن انہوں نے اپنی
کوٹھی میں ایک طاقتور ڈائنمو لگا کر اس کمی کو پورا کر دیا تھا۔ البتہ قصبے والے بجلی کی روشنی سے محروم
تھے۔ کوٹھی کے چاروں طرف چار فرلانگ کے رقبہ میں خوشنما باغات اور صاف و شفاف روشوں
کا جال بچھا ہوا تھا۔ نواب صاحب کی کوٹھی سے ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر ایک قدیم وضع کی
عمارت تھی جس میں ایک چھوٹا سا مینار تھا۔ کسی زمانے میں اس مینار کا اوپری حصہ کھلا رہا ہوگا اور

نواب صاحب کے آباؤ اجداد اس پر بیٹھ کر تفریح کیا کرتے ہوں گے لیکن اب یہ بھی بند کرادیا گیا تھا۔ صرف دو کھڑکیاں کھلی رہ گئی تھیں۔ ایک کھڑکی میں ایک بڑی سی دوربین لگی ہوئی تھی جس کا قطر تقریباً ایک فٹ رہا ہوگا۔ اس عمارت میں مشہور ماہر فلکیات پروفیسر عمران رہتا تھا۔ نواب صاحب نے یہ پرانی عمارت اسے کرائے پر دے رکھی تھی۔ اس نے اس مینار کی بالائی منزل کو چاروں طرف سے بند کرا کے اس پر اپنی ستاروں کی رفتار کا جائزہ لینے والی بڑی دوربین فٹ کرائی تھی۔ قصبے والوں کے لئے وہ ایک پراسرار آدمی تھا۔

بہتوں کا خیال تھا کہ وہ پاگل ہے اسے آج تک کسی نے اس چار فرلانگ کے رقبے سے باہر نہ دیکھا تھا۔

انسپکٹر فریدی کوٹھی کے قریب پہنچ کر سوچنے لگا کہ کس طرح اندر جائے۔ دفعتاً ایک نوکر برآمدے میں آیا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا۔ ''اب نواب صاحب کی کیسی طبیعت ہے۔''

''ابھی وہی حال ہے۔'' نوکر اسے گھورتا ہوا بولا۔ ''آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔''

''میں ''روزنامہ خبر'' کا نمائندہ ہوں اور کنور سلیم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''یہاں اندر ہال میں تشریف لائیے میں انہیں خبر کرتا ہوں۔''

فریدی برآمدے سے گذر کر ہال میں داخل ہوا۔ ہال کی دیواروں پر چاروں طرف نواب صاحب کے آباؤ اجداد کی قد آدم تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ فریدی ان کا جائزہ لیتے لیتے چونک پڑا۔ اس کی نظریں ایک پرانی تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔

اسے ایسا معلوم ہوا جیسے گھنی مونچھوں اور ڈاڑھی کے پیچھے کوئی جانا پہچانا چہرہ ہے۔

''ارے وہ مارا بیٹا فریدی۔'' وہ آپ ہی آپ بڑبڑایا۔

وہ قدموں کی آہٹ سے چونک پڑا۔ سامنے کے دروازے میں ایک لمبا تڑنگا نوجوان قیمتی سوٹ میں ملبوس کھڑا تھا۔ پہلے تو وہ فریدی کو دیکھ کر جھجکا پھر مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔

''صاحب آپ نامہ نگاروں سے تو میں تنگ آ گیا ہوں۔'' وہ ہنس کر بولا۔ ''کہئے آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔''

''شاید میں کنور صاحب سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔'' فریدی نے ادب سے کہا۔

''جی ہاں..... مجھے کنور سلیم کہتے ہیں۔'' اس نے بے دلی سے کہا۔ ''جو کچھ پوچھنا ہو جلد پوچھئے۔ میں بہت مشغول آدمی ہوں۔''

''نواب صاحب کا اب کیا حال ہے۔''

''ابھی تک ہوش نہیں آیا..... اور کچھ.....!''

''کب سے بے ہوش ہیں؟''

''پندرہ دن سے..... فیملی ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ آپریشن کیا جائے۔ لیکن کرنل تیواری اس کے حق میں نہیں ہیں۔ اچھا بس اب مجھے اجازت دیجئے۔'' وہ پھر اسی دروازے کی طرف گھوم گیا جس طرف سے آیا تھا۔

فریدی کے لئے واپس جانے کے علاوہ اور چارہ ہی کیا تھا۔

جب وہ پرانی کوٹھی کے پاس سے گذر رہا تھا تو یک بیک اس کی ہیٹ اچھل کر اس کی گود میں آرہی۔ ہیٹ میں بڑا سا چھید ہوگیا تھا۔ اس نے دل میں کہا ''بال بال بچے فریدی صاحب..... اب کبھی موٹر کی چھت گرا کر سفر نہ کرنا۔ ابھی تو اس بے آواز رائفل نے تمہاری جان ہی لے لی تھی۔'' تھوڑی دور چل کر اس نے کار روک لی اور پرانی کوٹھی کی طرف پیدل واپس لوٹا مہندی کی باڑھ کی آڑ سے اس نے دیکھا کہ پرانی کوٹھی کے باغ میں ایک عجیب الخلقت بوڑھا ایک چھوٹی نال والی نہایت طاقتور رائفل لئے گلہریوں کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

فریدی مہندی کی باڑھ پھلانگ کر اندر پہنچ گیا۔ بوڑھا چونک کر اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ بوڑھے کو دیکھ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی مردہ قبر سے اٹھ کر آ گیا ہو یا پھر جیسے وہ کوئی بھوت ہو۔ اس کا رنگ ہلدی کی طرح پیلا تھا۔ بال کیا بھنویں تک سفید ہوگئی تھیں۔ چہرہ لمبا تھا اور گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ ڈاڑھی مونچھ صاف..... ہونٹ اتنے پتلے تھے کہ ان کے درمیان صرف ایک باریک سی گہری لکیر نظر آ رہی تھی۔ لیکن آنکھوں میں بلا کی چمک اور جسم میں

حیرت انگیز پھرتیلا پن تھا۔ وہ اچھل کر فریدی کے قریب آ گیا۔

''مجھ سے ملئے.....میں پروفیسر عمران ہوں۔ ماہر فلکیات.....اور آپ.....؟''

''مجھے آپ کے نام سے دلچسپی نہیں۔'' فریدی اسے گھور کر بولا۔ ''میں تو اس خوفناک ہتھیار میں دلچسپی لے رہا ہوں جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔''

''ہتھیار.....!'' بوڑھے نے خوفناک قہقہہ لگایا۔ ''یہ تو میری دوربین ہے۔''

''وہ دوربین ہی سہی لیکن ابھی اس نے مجھے دوسری دنیا میں پہنچا دیا ہوتا۔''

فریدی نے اپنی ہیٹ کا سوراخ اُسے دکھایا۔ بوڑھے کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ اس نے ایک بار غور سے رائفل کی طرف دیکھا اور پھر ہنس کر کہنے لگا۔

''شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ واقعی رائفل ہی ہے۔ میں گلہریوں کا شکار کر رہا تھا۔ معافی چاہتا ہوں اور اپنی دوستی کا ہاتھ آپ کی طرف بڑھاتا ہوں۔'' بوڑھے نے فریدی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس زور سے دبایا کہ اس کے ہاتھ کی ہڈیاں تک دکھنے لگیں۔ اس نحیف الجثہ بوڑھے میں اتنی طاقت دیکھ کر فریدی بوکھلا سا گیا۔

''آیئے.....اندر چلئے.....آپ ایک اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔'' وہ فریدی کا ہاتھ پکڑے ہوئے پرانی کوٹھی میں داخل ہوا۔

''آج کل گلہریاں اور دوسرے چھوٹے جانور میرا خاص موضوع ہیں۔ آیئے میں آپ کو ان کے نمونے دکھاؤں۔'' وہ فریدی کو ایک تاریک کمرے میں لے جاتا ہوا بولا۔ کمرے میں عجیب وغریب طرح کی خوشگوار سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ بوڑھے نے کئی موم بتیاں جلائیں کمرے میں چاروں طرف مردہ جانوروں کے ڈھانچے رکھے ہوئے تھے۔ بہت سے چھوٹے جانور کیلوں کی مدد سے لکڑی کے تختوں میں جکڑ دیئے گئے تھے۔ ان میں سے کئی خرگوش اور کئی گلہریاں تو ابھی تک زندہ تھیں۔ جن کی تڑپ بہت ہی خوفناک منظر پیش کر رہی تھی۔ کبھی کبھی کوئی خرگوش درد کی تکلیف سے چیخ اٹھتا تھا۔ فریدی کو اختلاج سا ہونے لگا اور وہ گھبرا کر کمرے سے نکل آیا۔

''اب آیئے میں آپ کو اپنی آبزرویٹری دکھاؤں۔'' یہ کہہ کر وہ مینار کے زینوں پر چڑھنے لگا۔ فریدی بھی اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ مینار تقریباً پچیس فٹ چوڑا رہا ہوگا۔ آخر میں وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے جو بالائی منزل پر تھا۔ وہیں ایک کھڑکی میں دوربین نصب تھی۔

''یہاں آیئے.....!'' وہ دوربین کے شیشے پر جھک کر بولا۔ ''میں اس وقت نواب صاحب کی خوابگاہ کا منظر اتنا صاف دیکھ رہا ہوں جیسے وہ یہاں سے صرف پانچ فٹ کے فاصلے پر ہوں۔ نواب صاحب چت لیٹے ہیں۔ انکے سرہانے انکی بھانجی بیٹھی ہے۔ یہ لیجئے دیکھئے۔''

فریدی نے اپنی آنکھ شیشے سے لگا دی۔ سامنے والی کوٹھی کی کشادہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور کمرے کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ کوئی شخص سر سے پیر تک مخمل کا لحاف اوڑھے لیٹا تھا اور ایک خوبصورت لڑکی سرہانے بیٹھی تھی۔

''میں سامنے والے کمرے کے بہت سے راز جانتا ہوں۔ لیکن تمہیں کیوں بتاؤں۔'' بوڑھا فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ''بس کرو اب آؤ چلیں۔''

''مجھے کسی کے راز جاننے کی ضرورت ہی کیا ہے۔'' فریدی اپنے شانے اچھالتا ہوا بولا۔

بوڑھا قہقہہ لگا کر بولا۔ ''کیا مجھے احمق سمجھتے ہو۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ جملہ تم نے محض اسی لئے کہا ہے کہ میں سارے راز اگل دوں۔ تم خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اچھا اب چلو تمہیں باہر جانے کا راستہ دکھا دوں۔''

وہ دونوں نیچے اُتر آئے۔ ابھی وہ ہال ہی میں تھے کہ دروازے پر کنور سلیم کی صورت دکھائی دی۔

''آپ یہاں کیسے؟'' اس نے فریدی سے پوچھا۔ ''کیا آپ پروفیسر کو جانتے ہیں۔''

''جی نہیں.....لیکن آج انہیں اس طرح جان گیا ہوں کہ زندگی بھر نہ بھلا سکوں گا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''آپ گلہریوں کا شکار کرتے کرتے آدمی کا شکار کرنے لگے تھے۔'' فریدی پروفیسر کے ہاتھ میں دبی ہوئی رائفل کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ''میری ہیٹ ملاحظہ فرمایئے۔''

"اوہ سمجھا.....!" کنور سلیم تیز لہجے میں بولا۔"پروفیسر تم براہِ کرم ہماری کوٹھی خالی کر دو ورنہ میں تمہیں پاگل خانے بھجوادوں گا.....سمجھے۔"

بوڑھے نے خوفزدہ نگاہوں سے کنور سلیم کی طرف دیکھا اور بے ساختہ بھاگ کر مینار کے زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔

"معاف کیجئے گا.....یہ بوڑھا پاگل ہے۔خواہ مخواہ ہماری پریشانیاں بڑھ جائیں گی۔اچھا خدا حافظ۔"

گولیوں کی بوچھاڑ

فریدی نے اپنی کار کا رخ قصبے کی طرف پھیر دیا۔اب وہ نواب کے فیملی ڈاکٹر سے ملنا چاہتا تھا۔ڈاکٹر توصیف ایک معمر آدمی تھا۔اس سے قبل وہ سول سرجن تھا۔پنشن لینے کے بعد اس نے اپنے آبائی مکان میں رہنا شروع کر دیا تھا جو راج روپ نگر میں واقع تھا۔اس کا شمار قصبہ کے ذی عزت اور دولت مند لوگوں میں ہوتا تھا۔فریدی کو اس کی جائے رہائش معلوم کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔

ڈاکٹر توصیف انسپکٹر فریدی کو شاید پہچانتا تھا اس لئے وہ اس کی غیر متوقع آمد سے کچھ گھبرا سا گیا۔

"مجھے فریدی کہتے ہیں۔" اس نے اپنا ملاقاتی کارڈ پیش کرتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو جانتا ہوں.....!" ڈاکٹر توصیف نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔"فرمایئے کیسے تکلیف فرمائی۔"

"ڈاکٹر صاحب میں ایک نہایت اہم معاملے میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"فرمایئے.....اچھا اندر تشریف لے چلئے۔"

"آپ ہی نواب صاحب کے فیملی ڈاکٹر ہیں۔" فریدی نے سگار لائٹر سے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں.....جی.....فرمایئے۔" ڈاکٹر نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"کیا کرنل تیواری آپ کے مشورے سے نواب صاحب کا علاج کر رہے ہیں۔" وہ اچانک پوچھ بیٹھا۔

ڈاکٹر توصیف چونک کر اسے گھورنے لگا۔

"لیکن آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"ڈاکٹر صاحب! ذہنی بیماریوں کے علاج میں مجھے تھوڑا سا دخل ہے اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس قسم کے امراض کا صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے آپریشن.....آخر یہ کرنل تیواری تضیع اوقات کیوں کر رہے ہیں اور یہ چیز بھی ہمارے لئے باعث تشویش ہے کہ کرنل تیواری کو جسے کئی نوجوان ڈاکٹر امراض کے سلسلے میں کافی پیچھے چھوڑ چکے ہیں معالج کیوں مقرر کیا گیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ ایک قطعی نجی معاملے میں داخل اندازی کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر توصیف نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"آپ سمجھے نہیں۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔"میں نواب صاحب کی جان لینے کی ایک گہری سازش کا پتہ لگا رہا ہوں۔اس سلسلے میں آپ سے مدد لینی مناسب ہے۔"

"جی.....!" ڈاکٹر توصیف نے چونک کر کہا اور پھر مضمحل سا ہو گیا۔

"جی ہاں.....کیا آپ میری مدد کریں گے۔" فریدی نے سگار کا کش لے کر پر اطمینان لہجے میں کہا۔

"بات دراصل یہ ہے انسپکٹر صاحب کہ میں خود بھی اس معاملے میں بہت پریشان ہوں۔ لیکن کیا کروں.....خود نواب صاحب کی بھی یہی خواہش تھی۔انہیں دو ایک بار کرنل تیواری کے علاج سے فائدہ ہو چکا ہے۔"

''لیکن مجھے تو معلوم ہوا ہے کہ کرنل تیواری کو علاج کے لئے ان کے خاندان والوں نے منتخب کیا ہے۔''

''نہیں یہ بات نہیں۔ البتہ انہوں نے میری آپریشن والی تجویز نہیں مانی تھی۔ میں آپ کو وہ خط دکھاتا ہوں جو نواب صاحب نے دورہ پڑنے سے ایک دن قبل مجھے لکھا تھا۔''

ڈاکٹر توصیف اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا اور فریدی سگار کے کش لیتا ہوا ادھ کھلی آنکھوں سے خلاء میں تاکتا رہا۔

''یہ دیکھئے نواب صاحب کا خط.....!'' ڈاکٹر توصیف نے فریدی کی طرف خط بڑھاتے ہوئے کہا۔ فریدی خط کا جائزہ لینے لگا۔ خط نواب زادہ صاحب کے ذاتی پیڈ کے کاغذ پر لکھا گیا تھا جس کی پیشانی پر ان کا نام اور پتہ چھپا ہوا تھا۔

فریدی خط پڑھنے لگا۔

''ڈیئر ڈاکٹر.....

آج دو دن سے مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے مجھ پر دورہ پڑنے والا ہے۔ اگر آپ شام تک کرنل تیواری کو لے کر آجائیں تو بہتر ہے پچھلی مرتبہ بھی ان کے علاج سے فائدہ ہوا تھا۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ کرنل تیواری آج کل بہت مشغول ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ آپ انہیں لے کر ہی آئیں گے۔

آپ کا

وجاہت مرزا''

''ڈاکٹر صاحب کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ خط نواب صاحب ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔'' فریدی نے خط پڑھ کر کہا۔

''اتنا ہی یقین ہے جتنا کہ اس پر اس وقت میں آپ سے گفتگو کر رہا ہوں۔ میں نواب صاحب کا اندازِ تحریر لاکھوں میں پہچان سکتا ہوں۔''

''ہوں.....!'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''لیکن ڈاکٹر صاحب ذرا اس پر غور کیجئے

کیا آپ نے کبھی اتنی چوڑائی رکھنے والے کاغذ کا اتنا چھوٹا پیڈ بھی دیکھا ہے۔ کس قدر بے ڈھنگا معلوم ہو رہا ہے۔ اوہ..... یہ دیکھئے.....صاف معلوم ہوتا ہے کہ دستخط کے نیچے سے کسی نے کاغذ کا بقیہ ٹکڑا قینچی سے کاٹا ہے۔ ڈاکٹر کیا آپ کو یہ اسی حالت میں ملا تھا۔''

''جی ہاں.....!'' ڈاکٹر نے متحیر ہو کر کہا۔ ''لیکن میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''وہی عرض کرنے جا رہا ہوں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ نواب صاحب نے خط لکھ کر دستخط کر دینے کے بعد بھی نیچے لکھا ہو جسے کسی نے بعد میں قینچی سے کاٹ کر اسے برابر کرنے کی کوشش کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ نواب صاحب فطرتاً اتنے کنجوس نہیں کہ باقی بچا ہوا کاغذ کاٹ کر دوسرے مصرف کے لئے رکھ لیں۔''

''اُف میرے خدا۔'' ڈاکٹر نے سر پکڑ لیا۔ ''یہاں تک میری نظر نہیں پہنچی تھی۔''

''بہرحال حالات کچھ ہی کیوں نہ ہوں کیا آپ بحیثیت فیملی ڈاکٹر اتنا نہیں کر سکتے کہ کرنل تیواری کی بجائے کسی اور معالج سے علاج کرائیں۔''

''میں اس معاملے میں بالکل بے بس ہوں فریدی صاحب۔ حالانکہ نواب صاحب نے کئی بار مجھ سے آپریشن کے متعلق گفتگو کی تھی۔.....اور ہاں کیا نام ہے اس کا اس سلسلے میں سول ہسپتال کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر شوکت کا بھی تذکرہ آیا تھا۔''

''اب تو معاملہ بالکل صاف ہو گیا۔'' فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''ممکن ہے خط لکھ چکنے کے بعد نواب صاحب نے یہ لکھا ہو کہ اگر کرنل تیواری نہ مل سکیں تو ڈاکٹر شوکت کو لیتے آیئے گا۔ اس حصے کو کسی نے غائب کر دیا۔''

''ہوں.....!'' توصیف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ ڈاکٹر شوکت سے ضرور رجوع کیجئے۔ کم از کم اس صوبے میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتا۔''

''میں اس کی تعریفیں اخبارات میں پڑھتا رہتا ہوں اور اس سے ایک بار مل بھی چکا ہوں۔ میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ نواب صاحب کا سو فیصدی کامیاب آپریشن کرے گا

لیکن فریدی صاحب میں کرنل تیواری کی موجودگی میں بالکل بے بس ہوں۔ ایسا جھکی آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔"

"کرنل تیواری کی آپ فکر نہ کریں، اس کا انتظام میں کرلوں گا۔ آپ جتنی جلد ممکن ہوسکے ڈاکٹر شوکت سے مل کر معاملات طے کرلیجئے۔"

"آپ کرنل تیواری کا کیا انتظام کریں گے۔"

"انتظام کرنا کیسا! وہ تو قریب قریب ہوچکا ہے۔" فریدی نے سگار جلاتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"تین دن کے بعد کرنل تیواری کا یہاں سے تبادلہ ہوجائے گا۔ اوپر سے حکم آگیا ہے۔ مجھے باوثوق ذرائع سے اطلاع ملی ہے۔ لیکن خود کرنل تیواری کو ابھی تک اس کا علم نہیں۔ انہیں اتنی جلد جانا ہوگا کہ شاید وہ دھوبی کے یہاں سے اپنے کپڑے بھی نہ منگا سکیں۔ لیکن یہ راز کی بات ہے اسے اپنے تک محدود رکھئے گا۔"

"ارے یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

"اچھا تو اب میں چلوں..... آپ کرنل تیواری کے تبادلے کی خبر سنتے ہی ڈاکٹر شوکت کو یہاں لے آیئے گا۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت پھر کسی کو اعتراض کی بھی گنجائش نہ رہ جائے گی۔ ہاں دیکھئے اس کا خیال رہے کہ میری ملاقات کا حال کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ خصوصاً نواب صاحب کے خاندان کے کسی فرد اور اس خبطی بوڑھے پروفیسر کو اس کی اطلاع نہ ہونے پائے۔ صاحب مجھے تو وہ بوڑھا انتہائی خبیث معلوم ہوتا ہے۔"

"میں بھی اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا.....!"

"وہ آخر ہے کون۔" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال سے وہ نواب صاحب کا کوئی عزیز ہے لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ نواب صاحب نے میرے ہی سامنے اس سے پرانی کوٹھی کا کرایہ نامہ لکھوایا تھا۔ بلکہ میں نے اس پر گواہ کی حیثیت سے دستخط کئے تھے۔"

"خیر..... اچھا اب میں اجازت چاہوں گا۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے امید ہے کہ آپ جلد ہی ڈاکٹر شوکت سے ملاقات کریں گے۔"

فریدی کی کار تیزی سے شہر کی طرف جارہی تھی۔ آج اس کا دماغ بے انتہا الجھا ہوا تھا۔ بہر حال وہ جو مقصد لے کر راج روپ نگر آیا تھا اس میں اگر بالکل نہیں تو تھوڑی بہت کامیابی ضرور ہوئی تھی۔ اب وہ آئندہ کے لئے پروگرام مرتب کررہا تھا۔ جیسے جیسے وہ سوچتا تھا اسے اپنی کامیابی پر پورا یقین ہوتا جارہا تھا۔

سڑک کے دونوں طرف دور دور تک چھیول کی گھنی جھاڑیاں تھیں۔ سڑک بالکل سنسان تھی۔ ایک جگہ اسے بیچ سڑک پر ایک خالی تانگہ کھڑا نظر آیا۔ وہ بھی اس طرح جیسے وہ خاص طور پر راستہ روکنے کے لئے کھڑا کیا گیا ہو۔ فریدی نے کار کی رفتار دھیمی کرکے ہارن دینا شروع کیا لیکن دور و نزدیک کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ سڑک زیادہ چوڑی نہ تھی۔ لہٰذا فریدی کو کار روک کر اترنا پڑا۔ تانگہ کنارے لگا کر وہ گاڑی کی طرف لوٹ ہی رہا تھا کہ اسے دور جھاڑیوں میں ایک بھیانک چیخ سنائی دی۔ کوئی بھرائی ہوئی آواز میں چیخ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بار بار چیخنے والے کا منہ دبالیا جاتا ہو اور وہ گرفت سے نکلنے کے بعد پھر چیخنے لگتا ہو۔ فریدی نے جیب سے ریوالور نکال کر آواز کی طرف دوڑنا شروع کیا۔ وہ قد آدم جھاڑیوں سے الجھتا ہوا گرتا پڑتا جنگل میں گھسا جارہا تھا۔ دفعتاً ایک فائر ہوا اور ایک گولی سنسناتی ہوئی اس کے کانوں کے قریب سے نکل گئی۔ وہ پھرتی کے ساتھ زمین پر لیٹ گیا۔ لیٹے لیٹے رینگتا ہوا وہ ایک کھائی کی آڑ میں ہوگیا۔ اب پے درپے فائر ہونے شروع ہوگئے۔ اس نے بھی اپنا پستول خالی کرنا شروع کردیا۔ دوسری طرف سے فائر ہونے بند ہوگئے۔ شاید گولیاں چلانے والا اپنے خالی پستول میں کارتوس چڑھا رہا تھا۔ فریدی نے کھائی کی آڑ سے سر ابھارا ہی تھا کہ فائر ہوا۔ اگر وہ تیزی سے پیچھے کی طرف نہ گر گیا ہوتا تو کھوپڑی اڑ ہی گئی تھی۔ دوسری طرف سے پھر اندھا دھند فائر ہونے لگے۔ فریدی نے بھی دو تین فائر کئے اور پھر چیختا کراہتا سڑک کی طرف بھاگا۔ دوسری طرف سے اب بھی فائر ہو رہے تھے۔ لیکن وہ گرتا پڑتا بھاگا جارہا تھا۔ کار میں پہنچتے ہی وہ تیز

رفتاری سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

حیرت ناک سانحہ

شام کا اخبار شائع ہوتے ہی سارے شہر میں سنسنی پھیل گئی۔ اخبار والے گلی کوچوں میں چیختے پھر رہے تھے انسپکٹر فریدی کا قتل..... ایک ہفتہ کے اندر اندر آپ کے شہر میں تین قتل..... شام کا تازہ پرچہ پڑھیے۔ اخبار میں پورا واقعہ درج تھا۔

آج دو بجے دن انسپکٹر فریدی کی کار پولیس ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ انسپکٹر فریدی کار سے اترتے وقت لڑکھڑا کر گر پڑے۔ کسی نے ان کے داہنے بازو اور بائیں شانے کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا تھا۔ فوراً ہی طبی امداد پہنچائی گئی لیکن فریدی صاحب جان بر نہ ہو سکے۔ تین گھنٹے موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا رہ کر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ یقیناً یہ ملک و قوم کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔

انسپکٹر فریدی غالباً سیتا دیوی کے قتل کے سلسلے میں تفتیش کر رہے تھے لیکن انہوں نے اپنے سرکاری روزنامچے میں کسی کی کوئی خانہ پری نہیں کی۔ چیف انسپکٹر صاحب کو بھی اس بات کا علم نہیں کہ انہوں نے سراغ رسانی کا کون سا طریقہ اختیار کیا تھا۔ ابھی تک کوئی نہیں بتا سکتا کہ انسپکٹر فریدی آج صبح کہاں گئے تھے۔ بظاہر ان کی کار پر جمی ہوئی گرد اور پہیوں کی حالت بتاتی ہے کہ انہوں نے کافی لمبا سفر کیا تھا۔

"انسپکٹر فریدی کی عمر تیس سال تھی۔ وہ غیر شادی شدہ تھے۔ انہوں نے دو بنگلے اور ایک بڑی جائیداد چھوڑی ہے۔ ان کے کسی وارث کا پتہ نہیں چل سکا۔"

یہ خبر آگ کی طرح آناً فاناً سارے شہر میں پھیل گئی۔ محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ انسپکٹر فریدی کے دوستوں نے لاش حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں لاش

دیکھنے تک کی اجازت نہ دی گئی اور کئی خبروں سے معلوم ہوا کہ پوسٹ مارٹم کرنے پر پانچ یا چھ زخم پائے گئے ہیں۔"

یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن سرجنٹ حمید نہ جانے کیوں چپ تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ انسپکٹر فریدی راج رُوپ نگر گیا تھا لیکن اس نے اس کی کوئی اطلاع چیف انسپکٹر کو نہ دی۔ وہ نہایت اطمینان سے پولیس اور خفیہ پولیس کی بھاگ دوڑ کا جائزہ لے رہا تھا۔

دوسرے جاسوسوں اور بہتیرے لوگوں نے اس سے ہر طرح پوچھا لیکن اس نے ایک کو بھی کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا۔ کسی سے کہتا کہ انہوں نے مجھے اپنا پروگرام نہیں بتایا تھا کسی سے کہتا انہوں نے مجھ سے یہ تک تو بتایا نہیں تھا کہ انہوں نے اپنی چھٹی کینسل کرا دی ہے پھر سراغ رسانی کا پروگرام کیا بتاتے۔ کسی کو یہ جواب دیتا کہ وہ اپنی اسکیموں میں کسی سے نہ مشورہ لیتے تھے اور نہ مل کر کام کرتے تھے۔

تقریباً دس بجے رات کو ایک اچھی حیثیت کا نیپالی چوروں کی طرح چھپتا چھپاتا سرجنٹ حمید کے گھر سے نکلا۔ بڑی دیر تک یوں ہی بے مصرف سڑکوں پر مارا مارا پھرتا رہا پھر ایک گھٹیا سے شراب خانے میں گھس گیا۔ جب وہ وہاں سے نکلا تو اسکے پیر بُری طرح ڈگمگا رہے تھے۔ آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کثرت سے پی گیا ہو۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا ٹیکسیوں کیطرف چل پڑا۔

"دل بھائی شاپ ہم دور جانا مانگتا ہے۔" اس نے ایک ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

"صاحب ہمیں فرصت نہیں.....!" ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

"او بابا پیسہ دے گا....." اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پرس نکالتے ہوئے کہا۔

"نہیں..... نہیں صاحب..... مجھے فرصت نہیں۔" ٹیکسی ڈرائیور نے دوسری طرف منہ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ارے لو ہمارا باپ..... تم بھی شالا کیا یاد کرے گا۔" اس نے دس دس کے تین نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔ "اب چلے گا ہمارا باپ۔"

"بیٹھئے کہاں چلنا ہو گا۔" ٹیکسی ڈرائیور نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"جاؤ ہم نہیں جانا مانگتا..... ہم تم کو تیس روپیہ خیرات دیا۔" اس نے روٹھ کر زمین پر بڑ ہوئے کہا۔

"ارے نہیں صاحب اٹھئے چلئے..... جہاں آپ کہیں آپ کو پہنچا دوں۔ چاہے جہنم کیوں نہ ہو۔" ٹیکسی ڈرائیور نے اس کے نشے کی حالت سے لطف اٹھاتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"جہنم لے چلئے گا۔" نیپالی نے اٹھ کر پر مسرت لہجے میں کہا۔ "تم بڑا اچھا ہے۔ تم باپ ہے..... تم ہمارا بھائی ہے..... تم ہمارا ماں ہے..... تم ہمارا بی بی ہے..... تم ہمارا بی بی کا ہے..... تم ہمارا..... تم ہمارا..... تم ہمارا کیا ہے۔"

"صاحب ہم تمہارے سب کچھ ہے بولو کہاں چلئے گا۔" ٹیکسی ڈرائیور نے اس کا اپنی گردن سے ہٹا کر ہنستے ہوئے کہا۔

"جدھر ہم بتلانا مانگتا۔ شالا تم نہیں جانتا کہ ہم بڑا لوگ ہے۔ ہم تم کو اور بخشیش دیگا" مدہوش نیپالی نے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "شیدھا چلو۔"

دوسرے موڑ پر پہنچ کر ٹیکسی راج روپ نگر کی طرف جا رہی تھی۔

کتے کی موت

ڈاکٹر شوکت انسپکٹر فریدی کی موت کی خبر سن کر ششدر رہ گیا۔ اسے حیرت تھی آخر یک بیک یہ کیا ہوگیا۔ لیکن وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اس کی موت سیتا دیوی قتل کی تفتیش کے سلسلے میں واقع ہوئی ہے۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ فریدی کے کسی پرانے دشمن نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہوگا۔ محکمہ سراغ رسانی والوں کے لئے دشمنوں کی اچھی خاصی تعداد پیدا کر لینا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس پیشے کے کامیاب ترین آدمیوں کی موتیں عموماً اسی طرح وا ہوتی ہیں۔"

سیتا دیوی کے قتل کے متعلق اس کی اب تک یہی رائے تھی کہ یہ کام ان کے کسی ہم مذہب کا ہے۔ جس نے مذہبی جذبات سے اندھا ہو کر آخر کار انہیں قتل ہی کر دیا۔ انسپکٹر فریدی کا یہ خیال کہ وہ حملہ دراصل اسی پر تھا رفتہ رفتہ اسکے ذہن سے ہٹتا جا رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اسے راج روپ نگر سے ڈاکٹر توصیف کا خط ملا تو اس نے اس قصبے کے نام پر دھیان تک نہ دیا۔

دوسرے دن ڈاکٹر توصیف خود اس سے ملنے کے لئے آیا۔ اس نے نواب صاحب کے مرض کی ساری تفصیلات بتا کر اسے آپریشن کرنے پر آمادہ کر لیا۔

ڈاکٹر شوکت کی کار راج روپ نگر کی طرف جا رہی تھی۔ وہ اپنے اسسٹنٹ اور دو نرسوں کو ہدایت کر آیا تھا کہ وہ چار بجے تک آپریشن کا ضروری سامان لے کر راج روپ نگر پہنچ جائیں۔

نواب صاحب کے خاندان والے ابھی تک کرنل تیواری کے تبادلے اور توصیف کے نئے فیصلے سے ناواقف تھے۔ ڈاکٹر شوکت کی آمد سے وہ سب حیرت میں پڑ گئے۔ خصوصاً نواب صاحب کی بہن تو آپے سے باہر ہوگئیں۔

"ڈاکٹر صاحب.....!" وہ توصیف سے بولیں۔ "میں آپ کی اس حرکت کا مطلب نہیں سمجھ سکی۔"

"محترمہ مجھے افسوس ہے کہ مجھے آپ سے مشورے کی ضرورت نہیں۔" توصیف نے لاپروائی سے کہا۔

"کیا مطلب؟" نواب صاحب کی بہن نے حیرت اور غصہ کے ملے جلے انداز میں کہا۔

"مطلب یہ کہ اچانک کرنل تیواری کا تبادلہ ہوگیا ہے اور اب اس کے علاوہ کوئی اور صورت باقی نہیں رہ گئی۔"

"کرنل تیواری کا تبادلہ ہوگیا ہے۔"

"ان کا خط ملاحظہ فرمایئے۔" ڈاکٹر توصیف نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر ان کے سامنے ڈال دیا۔ وہ خط پڑھنے لگیں۔ کنور سلیم اور نواب صاحب کی بھانجی نجمہ بھی جھک کر دیکھنے لگیں۔

"لیکن میں آپریشن تو ہرگز نہ ہونے دونگی۔" بیگم صاحبہ نے خط واپس کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھئے محترمہ..... یہاں آپ کی رائے کا کوئی سوال ہی نہیں رہ جاتا۔ نواب صاحب کے طبی مشیر ہونے کی حیثیت سے اس کی سو فیصدی ذمہ داری مجھ پر عاید ہوتی ہے۔ کرنل تیواری کی عدم موجودگی میں میں قانوناً اپنے حق کو استعمال کرسکتا ہوں۔"

"قطعی..... قطعی..... ڈاکٹر صاحب۔" کنور سلیم نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر ڈاکٹر شوکت میرے چچا کو اس مہلک مرض سے نجات دلا دیں تو اس سے بڑھ کر اچھی بات کیا ہوسکتی ہے میرا بھی یہی خیال ہے کہ اب آپریشن کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔"

"سلیم.....!" نواب صاحب کی بہن نے گرج کر کہا۔

"پھوپھی صاحبہ..... میں سمجھتا ہوں کہ آپ ایک محبت کرنے والی بہن کا دل رکھتی ہیں لیکن ان کی صحت کی خاطر دل پر پتھر رکھنا ہی پڑے گا۔"

"کنور بھیا..... آپ اتنی جلد بدل گئے۔" نجمہ نے کہا۔

"کیا کروں نجمہ..... اگر کرنل تیواری موجود ہوتے تو میں کبھی آپریشن کے لئے تیار ہوتا۔ لیکن ایسی صورت میں۔ تمہی بتاؤ چچا جان کب تک یونہی پڑے رہیں گے۔"

"کیوں صاحب کیا آپریشن کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہوسکتی؟" نواب صاحب کی بہن نے ڈاکٹر شوکت سے پوچھا۔

"یہ تو میں مریض کو دیکھنے کے بعد ہی بتا سکتا ہوں۔" ڈاکٹر شوکت نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں ہاں ممکن ہے کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

نواب صاحب جس کمرے میں تھے وہ اوپری منزل میں واقع تھا۔ سب لوگ نواب صاحب کے کمرے میں آئے۔ وہ کمبل اوڑھے چت لیٹے ہوئے تھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے گہری نیند میں ہوں۔

ڈاکٹر شوکت اپنے آلات کی مدد سے ان کا معائنہ کرتا رہا۔

"مجھے افسوس ہے بیگم صاحبہ کہ آپریشن کے بغیر کام نہ چلے گا۔" ڈاکٹر شوکت نے ا

آلات کو ہینڈ بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔

پھر سب لوگ نیچے واپس آ گئے۔

ڈاکٹر شوکت نے نواب صاحب کے خاندان والوں کو کافی اطمینان دلایا۔ ان کی تشفی کے لئے اس نے ان لوگوں کو اپنے بے شمار خطرناک کیسوں کے حالات سنا ڈالے۔ نواب صاحب کا آپریشن تو ان کے مقابلہ میں کوئی چیز نہ تھا۔

"پھوپھی صاحبہ آپ نہیں جانتیں۔" بیگم صاحبہ سے سلیم نے کہا۔ "ڈاکٹر شوکت صاحب کا ثانی پورے ہندوستان میں نہیں مل سکتا۔"

"میں کس قابل ہوں۔" ڈاکٹر شوکت نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔ "سب خدا کی مہربانی اور اس کا احسان ہے۔"

"ہاں یہ تو بتائیے کہ آپریشن سے قبل کوئی دوا وغیرہ دی جائے گی۔" کنور سلیم نے پوچھا۔

"فی الحال ایک انجکشن دوں گا۔"

"اور آپریشن کب ہوگا۔" نواب صاحب کی بہن نے پوچھا۔

"آج ہی..... آٹھ بجے رات سے آپریشن شروع ہوجائے گا۔ چار بجے تک میرا اسسٹنٹ اور دو نرسیں یہاں آجائیں گی۔"

"میرا تو دل گھبرا رہا ہے۔" نواب صاحب کی بھانجی نے کہا۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ "میں اپنی ساری کوششیں صرف کردوں گا۔ کیس کچھ ایسا خطرناک نہیں۔ خدا تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ آپریشن کامیاب ہوگا۔ آپ لوگ قطعی پریشان نہ ہوں۔"

"ڈاکٹر صاحب آپ اطمینان سے اپنی تیاری مکمل کیجئے۔" کنور سلیم ہنس کر بولا۔ "بیچاری عورتوں کے بس میں گھبرانے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

نواب صاحب کی بہن نے اسے تیز نظروں سے دیکھا اور نجمہ کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

"میرا مطلب ہے پھوپھی صاحبہ کہ کہیں ڈاکٹر صاحب آپ لوگوں کی حالت دیکھ کر

بدل نہ ہو جائیں۔ اب چچا جان کو اچھا ہی ہو جانا چاہئے۔ کوئی حد ہے اٹھارہ دن ہو گئے ابھی تک بے ہوشی زائل نہیں ہوئی۔“

”تم اس طرح کہہ رہے ہو گویا ہم لوگ انہیں صحت مند دیکھنے کے خواہش مند نہیں ہیں!“ بیگم صاحبہ نے منہ بنا کر کہا۔

”خیر.....خیر.....!“ فیملی ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ ”ہاں تو ڈاکٹر شوکت میرے خیال سے اب آپ انجکشن دے دیجئے۔“

ڈاکٹر شوکت، ڈاکٹر توصیف اور کنور سلیم بالائی منزل پر مریض کے کمرے میں چلے گئے اور دونوں ماں بیٹیاں ہال ہی میں رک کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگیں۔ نجمہ کچھ کہہ رہی تھی اور نواب صاحب کی بہن کے ماتھے پر شکنیں ابھر رہی تھیں۔ انہوں نے دو تین بار زینے کی طرف دیکھا اور باہر نکل گئیں۔

انجکشن سے فارغ ہو کر ڈاکٹر شوکت، کنور سلیم اور ڈاکٹر توصیف کے ہمراہ باہر آیا۔

”اچھا کنور صاحب اب ہم لوگ چلیں گے۔ چار بجے تک نرسیں اور میرا اسسٹنٹ آپ کے یہاں آ جائیں گے اور میں بھی ٹھیک چھ بجے یہاں پہنچ جاؤں گا۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

”تو یہیں قیام کیجئے نا.....!“ سلیم نے کہا۔

”نہیں.....ڈاکٹر توصیف کے یہاں ٹھیک رہے گا اور پھر قصبے میں مجھے کچھ کام بھی ہے۔ ہم لوگ چھ بجے تک یقیناً آ جائیں گے۔“

ڈاکٹر کار میں بیٹھ گئے لیکن ڈاکٹر شوکت کی پے در پے کوششوں کے باوجود بھی کار اسٹارٹ نہ ہوئی۔

”یہ تو بڑی مصیبت ہوئی۔“ ڈاکٹر شوکت نے کار سے اتر کر مشین کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”فکر مت کیجئے..... میں اپنی گاڑی نکال کر لاتا ہوں۔“ کنور سلیم نے کہا اور لمبے ڈگ بھرتا ہوا گیراج کی طرف چلا گیا۔ جو پرانی کوٹھی کے قریب واقع تھا۔

تھوڑی دیر بعد نواب صاحب کی بہن آ گئیں۔

”ڈاکٹر شوکت کی کار خراب ہو گئی۔ کنور صاحب کار کے لئے گئے ہیں۔“ ڈاکٹر توصیف نے ان سے کہا۔

”اوہ.....کار تو میں نے ہی شہر بھیج دی ہے اور بھائی جان والی کار عرصہ سے خراب ہے۔“

”اچھا تو پھر آیئے ڈاکٹر صاحب ہم لوگ پیدل ہی چلیں.....صرف ڈیڑھ میل تو چلنا ہے۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

”ڈاکٹر توصیف! مجھے آپ سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔“ نواب صاحب کی بہن نے کہا۔

”اگر آپ لوگ شام تک یہیں ٹھہریں تو کیا مضائقہ ہے۔“

”بات دراصل یہ ہے کہ مجھے چند ضروری تیاریاں کرنی ہیں۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

”ڈاکٹر صاحب کو آپ روک لیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔“

”آپ کچھ خیال نہ کیجئے.....!“ بیگم صاحبہ بولیں۔ ”اگر کار شام تک واپس آ گئی تو میں چھ بجے تک بھجوا دوں گی۔ ورنہ پھر کسی دوسری سواری کا انتظام کیا جائے گا۔“

”شام کو تو میں ہر صورت میں پیدل ہی آؤں گا۔ کیونکہ آپریشن کے وقت میں کافی چاق و چوبند رہنا چاہتا ہوں۔“ شوکت نے کہا اور قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ راہ میں کنور سلیم ملا۔

”مجھے افسوس ہے ڈاکٹر کہ اس وقت کار موجود نہیں۔ آپ یہیں رہیے آخر اس میں حرج ہی کیا ہے۔“

”حرج تو کوئی نہیں لیکن مجھے تیاری کرنی ہے۔“ ڈاکٹر شوکت نے جواب دیا۔

”اچھا تو چلئے میں آپ کو چھوڑ آؤں۔“

”نہیں.....شکریہ.....راستہ میرا دیکھا ہوا ہے۔“

ڈاکٹر شوکت جیسے ہی پرانی کوٹھی کے قریب پہنچا اسے ایک عجیب قسم کا وحشیانہ قہقہہ سنائی دیا۔ عجیب الخلقت بوڑھا پروفیسر عمران قہقہے لگاتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

”ہیلو ہیلو.....!“ بوڑھا چیخا۔ ”اپنے مکان کے قریب اجنبیوں کو دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی ہے۔“

ڈاکٹر شوکت رک گیا۔ اسے محسوس ہوا جیسے اسکے جسم کے سارے روئیں کھڑے ہو گ
ہوں۔ اتنی خوفناک شکل کا آدمی آج تک اس کی نظروں سے نہ گذرا تھا۔

"مجھ سے ملئے..... میں پروفیسر عمران ہوں۔" اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا
ہوئے کہا۔ "اور آپ.....!"

"مجھے شوکت کہتے ہیں.....!" شوکت نے بادل نخواستہ ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ لیکن ا
نے محسوس کیا کہ ہاتھ ملاتے وقت بوڑھا کچھ سست پڑ گیا تھا۔ بوڑھے نے فوراً ہی اپنا ہاتھ کھ
لیا اور قہقہہ لگاتا، اچھلتا کودتا پھر پرانی کوٹھی میں واپس چلا گیا۔

ڈاکٹر شوکت متحیر کھڑا تھا۔ دفعتاً قریب کی جھاڑیوں سے ایک بڑا سا کتا اس پر جھپٹا۔
ڈاکٹر شوکت گھبرا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ کتے نے جست لگائی اور ایک بھیانک چیخ کے سا
زمین پر آ رہا۔ چند سیکنڈ تک وہ تڑپا اور پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔ یہ سب اتنی جلدی ہوا ک
ڈاکٹر شوکت کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ اس کے بعد کچھ سمجھ ہی میں نہ آ رہا تھا کہ وہ
کرے۔

"ارے یہ میرے کتے کو کیا ہوا..... ٹائیگر ٹائیگر.....!" ایک نسوانی آواز سنائی دی
شوکت چونک پڑا۔ سامنے نواب صاحب کی بھانجی نجمہ کھڑی تھی۔

"مجھے خود حیرت ہے۔" شوکت نے کہا۔

"میں نے اس کے غرانے کی آواز سنی تھی۔ کیا یہ آپ پر جھپٹا تھا لیکن اس کی سزا موت
نہ ہو سکتی تھی۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"یقین فرمایئے محترمہ مجھے خود حیرت ہے کہ اسے یک بیک ہو کیا گیا..... اگر آپ کو
پر شبہ ہے تو بھلا بتایئے میں نے اسے کیونکر مارا.....؟"

نجمہ کتے کی لاش پر جھکی اسے پکار رہی تھی۔ "ٹائیگر ٹائیگر.....!"

"بے سود ہے محترمہ یہ ٹھنڈا ہو چکا ہے۔" شوکت کتے کی لاش کو ہلاتے ہوئے بولا۔

"آخر اسے ہو کیا گیا۔" نجمہ نے خوفزدہ انداز میں پوچھا۔

"میں خود یہی سوچ رہا ہوں۔ بظاہر کوئی زخم بھی نہیں نظر آیا۔"

"سخت حیرت ہے.....!"

دفعتاً ڈاکٹر شوکت کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا۔ وہ اسکے پنجوں کا معائنہ کرنے لگا۔

"اوہ.....!" اس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکلی اور اس نے کتے کے پنجے میں چبھی ہوئی
گراموفون کی ایک سوئی کھینچ لی اور حیرت سے اسے دیر تک دیکھتا رہا۔

"دیکھئے محترمہ غالباً یہ زہریلی سوئی ہی آپ کے کتے کی موت کا سبب بنی ہے۔"

"سوئی.....!" نجمہ نے چونک کر کہا۔ "گراموفون کی سوئی..... کیا مطلب.....!"

"مطلب تو میں بھی نہیں سمجھا لیکن یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ سوئی خطرناک حد تک
زہریلی ہے۔ مجھے انتہائی افسوس ہے کتا بہت عمدہ تھا۔"

"لیکن یہ سوئی یہاں کیسے آئی؟" وہ پلکیں جھپکاتی ہوئی بولی۔

"کسی سے گر گئی ہوگی۔"

"عجیب بات ہے۔"

شوکت نے وہ سوئی احتیاط سے تھرمامیٹر رکھنے والی نالی میں رکھ لی اور بولا "یہ ایک
دلچسپ چیز ہے۔ میں اس کا کیمیاوی تجزیہ کروں گا۔ آپ کے کتے کی موت پر ایک بار پھر
اظہار افسوس کرتا ہوں۔"

"اوہ..... ڈاکٹر میں آپ سے سچ کہتی ہوں کہ میں اس کتے کو بہت عزیز رکھتی تھی۔" اس
نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"واقعی بہت اچھا کتا تھا۔ اس نسل کے گرے ہاؤنڈ کمیاب ہیں۔" شوکت نے جواب دیا۔

"ہونے والی بات تھی..... افسوس تو ہوتا ہے مگر اب ہو ہی کیا سکتا ہے۔ مگر ایک بات
میری سمجھ میں نہیں آتی کہ سوئی یہاں آئی کیسے۔"

"میں خود یہی سوچ رہا ہوں۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ سوئی اس خبطی بوڑھے کی ہو۔ اس کے پاس عجیب و غریب چیزیں

ہیں..... منحوس کہیں کا۔"

"کیا آپ انہیں صاحب کے بارے میں تو نہیں کہہ رہی ہیں جو ابھی اس کوٹھی سے نکلے تھے۔"

"جی ہاں..... وہی ہوگا.....!" نجمہ نے جواب دیا۔

"یہ کون صاحب ہیں۔ بہت ہی عجیب وغریب آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"یہ ہمارا کرایہ دار ہے۔ پروفیسر عمران..... لوگ کہتے ہیں کہ ماہر فلکیات ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ وہ دیکھئے اس نے مینار پر ایک دوربین بھی لگا رکھی ہے۔"

"پروفیسر عمران ..... ماہر فلکیات..... یہ بہت مشہور آدمی ہیں۔ میں نے ان کی کئی کتابیں پڑھی ہیں۔ اگر وقت ملا تو میں ان سے ضرور ملوں گا۔"

"کیا کیجئے گا مل کر..... دیوانہ ہے۔ وہ ہوش ہی میں کب رہتا ہے۔ وہ جانور سے بھی بدتر ہے۔" نجمہ نے کہا۔ "خیر ہٹایئے ان باتوں کو..... ڈاکٹر صاحب آپریشن میں کوئی خطرہ تو نہیں؟"

"جی نہیں آپ مطمئن رہیے..... انشاء اللہ کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے گی۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ "اچھا اب میں چلوں۔ مجھے آپریشن کی تیاری کرنا ہے۔"

ڈاکٹر شوکت قصبے کی طرف چل پڑا۔ ایک شخص کھائیوں اور جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

بال بال بچے

راستے بھر شوکت کا ذہن سوئی اور کتے کی موت میں الجھا رہا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ خلش بھی اس کے دل میں کچوکے لگا رہی تھی جو نجمہ سے گفتگو کرنے کے بعد پیدا ہوگئی تھی۔ اس کا

دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ وہ زندگی بھر کھڑا اس سے اسی طرح باتیں کئے جائے۔ عورتوں سے بات کرنا اس کے لئے نئی بات نہ تھی۔ وہ قریب قریب دن بھر نرسوں میں گھرا رہتا تھا اور پھر اسکے علاوہ اس کا پیشہ ایسا تھا کہ اور دوسری عورتوں سے بھی اس کا سابقہ پڑتا رہتا تھا۔ لیکن نجمہ میں نہ جانے کونسی ایسی بات تھی جو رہ رہ کر اسکا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے پیش کر دیتی تھی۔

ڈاکٹر توصیف کے گھر پہنچتے ہی وہ سب کچھ بھول گیا کیونکہ اب وہ آپریشن کی سکیم مرتب کر رہا تھا۔ وہ ایک زندگی بچانے جا رہا تھا..... ایک ماہر فن کی طرح اس کا دل مطمئن تھا..... اسے اپنی کامیابی کا اسی طرح یقین تھا جس طرح اس کا کہ وہ گیارہ بجے کھانا کھائے گا۔"

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ڈاکٹر توصیف بھی نواب صاحب کی کار پر آ گیا۔

"کہئے ڈاکٹر صاحب کوئی خاص بات۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں، البتہ کتے کی موت سے ہر شخص حیرت زدہ ہے۔ لایئے دیکھوں تو وہ سوئی۔" ڈاکٹر توصیف نے سوئی لینے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھئے..... بڑی عجیب بات ہے۔ معلوم نہیں سوئی کس زہر میں بجھائی گئی ہے۔" ڈاکٹر شوکت تھرمامیٹر کی نلکی سے سوئی نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"دیکھتے ہی دیکھتے کتا ختم ہوگیا۔"

"گراموفون کی سوئی ہے۔" ڈاکٹر توصیف نے سوئی کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"معلوم نہیں کس زہر میں بجھائی گئی ہے۔"

"میرے خیال میں پوٹاشیم سایانائیڈ یا اس قبیل کا کوئی اور زہر ہے، ڈاکٹر شوکت نے سوئی کو لے کر پھر تھرمامیٹر کی نلکی میں رکھتے ہوئے کہا۔"

"مجھے تو یہ سوئی خبیث پروفیسر کی معلوم ہوتی ہے۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

"اس کی عجیب وغریب چیزیں اور حرکتیں دور دور تک مشہور ہیں۔"

"مجھے ابھی تک پروفیسر کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں معلوم۔ لیکن میں اس پراسرار شخصیت کے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ ویسے تو میں یہ جانتا ہوں کہ وہ

ایک مشہور ماہر فلکیات ہے۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"اس کی زندگی ابھی تک پردہ راز میں ہے۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ "لیکن اتنا میں
جانتا ہوں کہ اب سے دو سال پیشتر وہ ایک صحیح الدماغ آدمی تھا۔ اس کے بعد اچانک اس
عادات و اطوار میں تبدیلیاں ہونی شروع ہو گئیں اور اب تو سبھی کا یہ خیال ہے کہ اس کا د
خراب ہو گیا ہے۔"

"میں نے تو صاحب اتنا بھیانک آدمی آج تک نہیں دیکھا۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی اس کے بعد ڈاکٹر توصیف بولا۔ "ہاں تو آپ کا کیا پروگ
ہے۔ میرے خیال سے تو اب دوپہر کا کھانا کھا لینا چاہیئے۔"

کھانے کے دوران آپریشن اور دوسرے موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ اچانک ڈا
شوکت کو کچھ یاد آ گیا۔

"ڈاکٹر صاحب میں جلدی میں اپنے اسسٹنٹ کو کچھ ضروری ہدایات دینا بھول
ہوں.... اگر آپ کوئی ایسا انتظام کر سکیں کہ میرا رقعہ اس تک پہنچا دیا جائے تو بہت اچھا
ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"چلئے اب دو کام ہو جائیں گے۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ "میں دراصل شہر ہی جا
کے لئے نواب صاحب کی کار لایا تھا۔ آپ رقعہ دے دیجئے گا اور ہاں کیوں نہ آپ
ساتھیوں کو اپنے ساتھ لیتا آؤں۔"

"اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے۔"

"اس رقعے کے علاوہ کوئی اور کام....؟"

"جی نہیں شکریہ۔ میرے خیال سے آپ ان لوگوں کو اسی طرف سے کوٹھی لیتے جائیے"

"بہتر ہے..... چھ بجے آپ کے لئے کار بھجوا دی جائے گی۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ میں پیدل ہی آؤں گا۔"

"کیوں....؟"

"بات دراصل یہ ہے ڈاکٹر صاحب کہ آپریشن ذرا نازک ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ
آپریشن سے قبل اتنی ورزش ہو جائے جس سے جسم میں چستی پیدا ہو سکے۔"

"ڈاکٹر شوکت میں آپ کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ درحقیقت ایک اچھے ڈاکٹر کو ایسا
ہی ہونا چاہیئے۔"

ڈاکٹر توصیف کے چلے جانے کے بعد ڈاکٹر شوکت نے یکے بعد دیگرے وہ کتابیں
پڑھنا شروع کیں جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ ایک کاغذ پر پنسل سے کچھ ڈائے گرام بنائے اور دیر
تک انہیں دیکھتا رہا۔ پرانے ریکارڈوں کے کچھ فائل دیکھے۔ انہی مشغولیات میں دن ختم ہو گیا۔
تقریباً پانچ بجے اس نے کتابیں اور فائل ایک طرف رکھ دیئے۔ اسے ٹھیک چھ بجے یہاں سے
روانہ ہونا تھا۔ دسمبر کا مہینہ تھا۔ شام کی کرنوں کی زردی پھیکی پھیکی سرخی میں تبدیل ہوتی جا رہی
تھی۔ ڈاکٹر توصیف کا نوکر انڈے کی سینڈوچ اور کافی لے آیا۔ رات کا کھانا سلیم کی درخواست
کے مطابق اُسے کوٹھی میں کھانا تھا۔ اس لئے اس نے صرف ایک سینڈوچ کھائی اور دو کپ کافی
کے بعد سگریٹ سلگا کر ٹہلنے لگا۔ گھڑی نے چھ بجائے..... اس نے کپڑے پہنے اور چسٹر کاندھے
پر ڈال کر روانہ ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا جا رہا تھا۔ چاروں طرف تاریکی پھیل گئی تھی۔
سڑک کے دونوں طرف گھنی جھاڑیاں اور درختوں کی قطاریں تھیں جن کی وجہ سے سڑک خصوصاً
اور زیادہ تاریک ہو گئی تھی۔ لیکن ڈاکٹر شوکت آپریشن کے خیال میں مگن بے خوف چلا جا رہا تھا۔
اس سے تقریباً پچاس گز پیچھے ایک دوسرا آدمی جھاڑیوں سے لگا ہوا چل رہا تھا۔ شاید اس نے
ربڑ سول کے جوتے پہن رکھے تھے جس کی وجہ سے ڈاکٹر شوکت اس کے قدموں کی آواز نہیں
سن رہا تھا۔ ایک جگہ ڈاکٹر شوکت سگریٹ سلگانے کے لئے رکا ساتھ ہی وہ شخص بھی رک کر
جھاڑیوں کی اوٹ میں چلا گیا۔ جیسے ہی شوکت نے چلنا شروع کیا وہ پھر جھاڑیوں سے نکل کر
اسی طرح اس کا تعاقب کرنے لگا۔

سڑک زیادہ چلتی ہوئی نہ تھی۔ وجہ یہ تھی یہ سڑک محض کوٹھی کے لئے بنائی گئی تھی۔ اگر
نواب صاحب نے اپنی کوٹھی بستی کے باہر نہ بنوائی ہوتی تو پھر اس سڑک کا وجود بھی نہ ہوتا۔

شوکت کے وزنی جوتوں کی آواز اس سنسان سڑک پر اس طرح گونج رہی تھی جیسے وہ جھاڑیوں میں دبک کر ٹیں ٹیں ریں ریں کرنے والے جھینگروں کو ڈانٹ رہی ہو..... شوکت چلتے چلتے ہلکے سروں میں سیٹی بجانے لگا۔ اسے اپنے جوتوں کی آواز سیٹی کی دھن پر تال دیتی معلوم ہو رہی تھی۔ کسی درخت پر ایک بڑے پرندے نے چونک کر اپنے پر پھڑپھڑائے اور اڑ کر دوسری طرف چلا گیا۔ جھاڑیوں کے پیچھے قریب ہی گیدڑوں نے چیخنا شروع کر دیا۔ جو شخص ڈاکٹر شوکت کا پیچھا کر رہا تھا اس کا اب کہیں پتہ نہ تھا۔ کچھ آگے بڑھ کر بہت زیادہ گھنے درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں پر دونوں طرف کے درختوں کی شاخیں آپس میں مل کر اس طرح گنجان ہو گئی تھیں کہ آسمان نہیں دکھائی دیتا تھا۔ ڈاکٹر شوکت دنیا، مافیہا سے بے خبر اپنی دھن میں چلا جا رہا تھا۔ اچانک اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ اس کے گلے میں ایک موٹی سی رسی کا پھندا پڑا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ پھندے کی گرفت تنگ ہوتی گئی اور ساتھ ہی ساتھ وہ اوپر اٹھنے لگا۔ گلے کی رگیں پھول رہی تھیں۔ آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔ اس نے چیخنا چاہا لیکن آواز نہ نکلی۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا دل کنپٹیوں اور آنکھوں میں دھڑک رہا ہو۔ آہستہ آہستہ اسے تاریکی گہری ہوتی ہوئی معلوم ہوئی۔ جھینگروں اور گیدڑوں کا شور دور خلا میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ پھر بالکل خاموشی چھا گئی۔ وہ زمین سے دو فٹ کی بلندی پر جھول رہا تھا۔ کوئی اسی درخت پر سے کود کر جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ پھر ایک آدمی اس کی طرف دوڑ کر آتا دکھائی دیا۔ اس کے قریب پہنچ کر اس نے ہاتھ ملتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا..... دوسرے لمحے میں وہ پھرتی سے درخت پر چڑھ رہا تھا۔ ایک شاخ سے دوسری شاخ پر کودتا ہوا وہ اس شاخ پر پہنچ گیا جس سے رسی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے رسی ڈھیلی کر کے آہستہ آہستہ ڈاکٹر شوکت کے پیر زمین پر ٹکا دیئے پھر رسی کو اسی طرح باندھ کر نیچے اتر آیا۔ اب اس نے جیب سے چاقو نکال کر رسی کاٹی اور شوکت کو ہاتھوں پر سنبھالے ہوئے سڑک پر لٹا دیا۔ پھندا ڈھیلا ہوتے ہی بے ہوش ڈاکٹر گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ پراسرار اجنبی نے دیا سلائی جلا کر اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔ آنکھوں کے پپوٹوں میں جنبش پیدا ہو چکی تھی۔ ایسا

معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دس پانچ منٹ کے بعد ہوش میں آ جائے گا۔ دو تین منٹ گزر جانے پر اس کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اجنبی جلدی سے جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک کراہ کے ساتھ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ آہستہ آہستہ کچھ دیر قبل کے واقعات اس کے ذہن میں گونج اٹھے..... بے اختیار اس کا ہاتھ گردن کی طرف گیا۔ لیکن اب وہاں رسی کا پھندا نہ تھا۔ البتہ گردن بڑی بری طرح دکھ رہی تھی۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ وہ کس طرح بچ گیا۔ اب اسے فریدی مرحوم کے الفاظ بری طرح یاد آ رہے تھے اور ساتھ ہی سیتا دیوی کی خواب کی بڑبڑاہٹ بھی یاد آ گئی تھی۔ ”راج روپ نگر“ اس کے سارے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔ وہ سوچنے لگا وہ بھی کتنا احمق تھا کہ اس نے فریدی کے الفاظ بھلا دیئے اور خوفناک جگہ پر اندھیری رات میں تنہا چلا آیا۔ اس کی جان لینے کی یہ دوسری کوشش تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس نیپالی کا نقشہ پھر گیا جس نے اسے دھمکی دی تھی۔ پھر اچانک وہ زہریلی سوئی یاد آئی اور پروفیسر کا بھیانک چہرہ ..... جو اس نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور ٹھیک اسی جگہ کتا بھی اچھل کر گرا تھا۔ تو کیا پروفیسر..... پروفیسر..... لیکن آخر کیوں؟ یہ سب سوچتے سوچتے اسے اپنی موجودہ حالت کا خیال آیا اور وہ کپڑے جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ چسٹر قریب ہی پڑا تھا۔ اس نے جلدی سے چسٹر اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور تیزی سے کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ گھڑی میں وقت دیکھے لیکن پھر دیا سلائی جلا کر دیکھنے کی ہمت نہ پڑی۔

کوٹھی میں سب لوگ بے صبری سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اس نے سات بجے آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن اب آٹھ بج رہے تھے۔

”شوکت بہت ہی بااصول آدمی معلوم ہوتا ہے۔ نہ جانے کیا بات ہے۔“ ڈاکٹر توصیف نے باغ میں ٹہلتے ہوئے کہا۔

نجمہ بار بار اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھ رہی تھی۔

”کیا بات ہو سکتی ہے۔“ کنور سلیم نے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے ہوئے پیشانی پر

ہاتھ رکھ کر اندھیرے میں گھورتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ دیر میں گھر سے روانہ ہوا۔ میں تو کہہ رہا تھا کہ کار بھجوادوں گا۔ لیکن اس نے کہا کہ میں پیدل ہی آؤں گا۔ آں یہ کون آرہا ہے..... ہلو..... ڈاکٹر..... بھئی انتظار کرتے کرتے آنکھیں پتھرا گئیں۔"

ڈاکٹر شوکت برآمدے میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ راستہ بھر اپنے چہرے سے پریشانی کے آثار مٹانے کی کوشش کرتا آیا تھا۔

"مجھے افسوس ہے۔" ڈاکٹر شوکت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اپنی حماقت کی وجہ سے چلتے وقت ٹارچ لانا بھول گیا..... نتیجہ یہ ہوا کہ راستہ بھول گیا۔"

"لیکن آپ کے سر میں یہ اتنے سارے تنکے کہاں سے آگئے..... جی وہاں نہیں۔ پیچھے کی طرف.....!" نجمہ نے مسکرا کر کہا۔

"تنکے..... اوہ..... کچھ نہیں..... ہٹائیے بھی کوئی ایسی خاص بات نہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے کچھ بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں نہیں..... بتائیے نا..... آخر بات کیا ہے؟" کنور سلیم نے سنجیدگی سے کہا۔

"ارے وہ تو ایک پاگل کتا تھا..... راہ میں اس نے مجھے دوڑایا۔ اندھیرا کافی تھا..... میں ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ وہ تو کہئے ایک راہگیر ادھر آنکلا ورنہ.....!"

"آج کل دسمبر میں پاگل کتا۔" نجمہ نے حیرت سے کہا۔ "کتے تو عموماً گرمیوں میں پاگل ہوتے ہیں۔"

"نہیں..... یہ ضروری نہیں۔" کنور سلیم نے جواب دیا۔ "اکثر سردیوں میں بھی بعض کتوں کا دماغ خراب ہوجاتا ہے۔ خیر..... آپ خوش قسمت تھے ڈاکٹر شوکت..... پاگل کتوں کا زہر بہت خطرناک ہوتا ہے۔ آپ تو جانتے ہی ہوں گے۔"

"ہاں بھئی ڈاکٹر..... وہ آپ کے آدمیوں نے بیمار کے کمرے میں ساری تیاریاں مکمل کرلی ہیں۔"

"وہ لوگ اس وقت وہیں ہیں.....!" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

"آپ کے انتظار میں شاید ان لوگوں نے بھی ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔" نجمہ بولی۔

"میرا انتظار آپ لوگوں نے ناحق کیا۔ میں آپریشن سے قبل تھوڑا سا سوپ پیتا ہوں۔ کھانا کھا لینے کے بعد دماغ کسی کام کا نہیں رہ جاتا.....!"

"جی ہاں! میں نے بھی اکثر کتابوں میں یہی پڑھا ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے کہ دنیا کے بڑے آدمی نے یہ ضرور کہا ہوگا۔" نجمہ نے شوخی سے کہا۔ ڈاکٹر شوکت نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ نجمہ سے نگاہیں ملتے ہی وہ زمین کی طرف دیکھنے لگا۔

"خیر صاحب..... وہ کچھ بھی میں تو دن بھر میں پانچ سیر سے کم نہیں کھاتا۔" کنور سلیم نے ہنس کر کہا۔ "کھانا دیر سے منتظر ہے۔ ہر تندرست آدمی کا فرض ہے کہ اسے انتظار کی زحمت سے بچائے۔"

سب لوگ کھانے کے کمرے میں چلے گئے۔

پرانی کوٹھی کے باہر

پرانی کوٹھی کے پائیں باغ میں پروفیسر عمران کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ کبھی کبھی دونوں کی آوازیں بلند ہو کر خلاء میں ڈوب جاتیں۔

پروفیسر کہہ رہا تھا۔ "لیکن میں نہیں جاؤں گا۔"

"تو اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے میری جان۔" دوسری آواز سنائی دی۔ "نہ جانے میں تمہارا ہی نقصان ہے؟"

"میرا نقصان.....!" پروفیسر کی آواز آئی۔ "یونان اور روم کے دیوتاؤں کی قسم ہرگز نہ جاؤں گا۔"

"تمہیں چلنا پڑے گا۔" کسی نے کہا۔

"سنو اسے ابابیل کے بچے.....تم میں اتنی ہمت نہیں کہ مجھے میری مرضی کے خلاف کہیں لے جاسکو۔" پروفیسر چیخا۔

"خیر نہ جاؤ لیکن تمہیں اس کے لئے پچھتانا پڑے گا۔ دیکھنا ہے کہ تمہیں کل سے سفیدہ کیسے ملتا ہے۔" دوسرے آدمی نے کہا اور باغ سے نکلنے لگا۔

"ٹھہرو.....ٹھہرو.....تو ایسے بات کرو نا۔ تم نے پہلے ہی کیوں نہیں بتایا کہ تم بیر بہوٹی کے بچے ہو۔" پروفیسر ہنس کر بولا۔

"بیر بہوٹی.....ہاں بیر بہوٹی.....مگر اس کے لئے تمہیں میرے ساتھ مالی کے جھونپڑے تک چلنا ہوگا۔"

"اچھا تو آؤ پھر چلیں۔" پروفیسر نے کہا اور دونوں مالی کے جھونپڑے کی طرف چل پڑے۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد پروفیسر لنگڑاتا ہوا مالی کے جھونپڑے سے باہر نکلا۔ وہ اکیلا تھا اور اس کے کاندھے پر ایک وزنی گٹھڑی تھی۔ ایک جگہ رک کر اس نے ادھر اُدھر دیکھا، پھر مالی کے جھونپڑے کی طرف گھونسہ تان کر کہنے لگا۔

"ابے تو نے مجھے سمجھا کیا ہے۔ میں تجھے کتے کا گوشت کھلا دوں گا۔ چھچھوندر کی اولاد نہیں تو.....مریخ، زحل، مشتری، عطارد سب کے سب تیری جان کے دشمن ہوجائیں گے۔ ابے میں وہ ہوں جس نے سکندر اعظم کا مرغا چرایا تھا۔ چمگادڑ مجھے سلام کرنے آتے ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو اپنے دادا کا نطفہ ہے۔ چلا ہے وہاں سے مکھیاں مارنے.....بڑا آیا کہیں کا تیس مار خاں۔ تیس مار خاں کی ایسی کی تیسی.....نہیں جانتا کہ میں بھوتوں کا سردار ہوں۔ آؤ اے غرفوس اسے کھا جاؤ۔ آؤ اسے ارسلانوس اسے چبا جاؤ۔ چڑیلوں کی حرافہ نانی اشقلونیا تو کہاں ہے۔ دیکھ میں ناچ رہا ہوں۔ میں تیرا بھتیجا ہوں.....آجا پیاری.......!" یہ کہہ کر پروفیسر نے وہیں پر ناچنا شروع کردیا۔ پھر وہ سینہ پر ہاتھ مار کر کہنے لگا۔ "میں اس آگ کا پجاری ہوں

جو مریخ میں جل رہی ہے۔ ہزار ہا سال سے میں اس کی پوجا کرتا آرہا ہوں۔ میں پانچ ہزار سال سے انتظار کررہا ہوں لیکن ستارہ کبھی نہ ٹوٹے گا۔ اے کہ میں نے تیرے لئے خرگوش پالے۔ اے کہ میں تجھے گلہریوں کے کباب کھلاتا ہوں.....میں تتلیوں کے پروں سے سگریٹ بنا کر تجھے پلاتا ہوں۔ اے پیارے ابلیس تو کہاں ہے۔ میں تجھے اپنا کان کاٹ کر کھلا دوں گا.....!"

وہ اور نہ جانے کیا بڑبڑاتا اچھلتا کودتا ہوا پرانی کوٹھی کے باغ میں غائب ہوگیا۔

پروفیسر کی شرارت

مریض کے کمرے کا منظر حد درجہ متاثر کن تھا۔ نرس اور ڈاکٹر سب سفید کپڑوں میں ملبوس آہستہ آہستہ ادھر اُدھر آجا رہے تھے۔ آپریشن ٹیبل جو سول ہسپتال سے خاص اہتمام کے ساتھ یہاں لائی گئی تھی کمرے کے وسط میں پڑی تھی۔ مریض کو اس پر لٹایا جاچکا تھا۔ کمرے میں بہت زیادہ طاقت والے بلب روشن کردیئے گئے تھے۔ سلاچیوں میں گرم و سرد پانی رکھا ہوا تھا۔ اسی کے قریب ایک دوسری میز پر عجیب و غریب قسم کے آپریشن کے اوزار اور ربڑ کے دستانے پڑے ہوئے تھے۔

ڈاکٹر شوکت کچھ دیر قبل پیش آئے ہوئے حادثے کو قطعی بھلا چکا تھا۔ اب اس کا دھیان صرف آپریشن کی طرف تھا۔ ایک آدمی کی زندگی خطرے میں تھی۔ تمام تر کوششیں صرف کردینے کا تہیہ کرلیا تھا۔ نوجوان ماہر اسے بھی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر اسے اس کیس میں کامیابی ہوگئی تو اس کی شخصیت کہیں کی کہیں جا پہنچے گی۔ کامیابی اسے ترقی کے زینوں پر لے جائے گی.....اور ناکامی! لیکن.....نہیں.....اس کے ذہن میں ناکامی کے خیال کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ وہ ایک مشاق ماہر فن کی طرح مطمئن نظر آرہا تھا۔ ڈاکٹر توصیف بھی کمرے میں موجود تھا۔ لیکن اس کی حیثیت ایک تماشائی جیسی تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا اور متحیر تھا کہ یہ نوجوان لڑکا کس

طرح سکون و اطمینان کے ساتھ اپنی تیاریوں میں مصروف ہے۔ ایسے موقعوں پر اتنا اطمینان ا
اس نے اچھے اچھے معمر اور تجربہ کار ڈاکٹروں کے چہروں پر بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ دل ہی دل
میں اس کی تعریفیں کر رہا تھا۔

باہر برآمدے میں نواب صاحب کی بہن اور نجمہ بیٹھی تھیں۔ دونوں پریشان نظر آ رہی
تھیں۔ کنور سلیم ٹہل ٹہل کر سگریٹ پی رہا تھا۔

"ممی کیا وہ کامیاب ہو جائے گا۔" نجمہ نے بے تابی سے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور
کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن کتنی دیر لگے گی.....؟"

"پریشان مت ہو بیٹی۔" بیگم صاحبہ بولیں۔ "میرا خیال ہے کہ کافی عرصہ لگے گا۔ ممکن
ہے صبح ہو جائے۔ لہٰذا ہم لوگوں کا یہاں اس طرح بیٹھنا ٹھیک نہیں۔ کیوں نہ ہم ڈرائنگ روم
میں چل کر بیٹھیں۔ غالباً کافی اب تیار ہو گئی ہوگی۔ سلیم کیا آج تم کافی نہ پیو گے۔"

"کافی کا کسے ہوش ہے پھوپھی صاحبہ۔" سلیم نے سگریٹ کو برآمدے میں بچھے ہوئے
قالین پر گرا کر پیر سے رگڑتے ہوئے کہا۔ "میں نجمہ سے زیادہ پریشان ہوں۔ مجھے تعجب ہے کہ
آپ ایسے وقت میں بھی کافی نہیں بھولیں۔"

"تم ساری قالینوں کا ستیاناس کر دو گے۔" بیگم صاحبہ نے ناک بھوں سکوڑ کر کہا۔ "کیا
سگریٹ کو دوسری طرف نہیں پھینک سکتے۔"

"جہنم میں گئی قالین.....!" وہ ناخوشگوار لہجے میں بولا۔ "میرا دماغ اس وقت ٹھیک نہیں۔"

"عورت نہ بنو۔" بیگم صاحبہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ابھی کتنی دیر کی بات ہے کہ تم
میری مخالفت کے باوجود بھی آپریشن کی حمایت کر رہے تھے۔ اپنی حالت کو سنبھالو۔ تمہیں تو ا
لوگوں کو دلاسا دینا چاہئے۔"

"میں کوشش کرتا ہوں کہ خود کو سنبھالوں لیکن یہ ممکن نہیں۔ مجھے کرنل تیواری کے الفاظ یا
آ رہے ہیں جس نے کہا تھا کہ بچنے کی امید نہیں۔ آخر احمق لڑکا کس امید پر آپریشن کر رہا ہے؟
میرا مطلب یہ ہے کہ وہ خطرے کو جلد سے جلد قریب لانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"نہیں کنور صاحب.....!" ڈاکٹر توصیف نے بیمار کے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہوتا جا رہا ہے کہ وہ جلد سے جلد نواب صاحب کو خطرات سے دور کریگا۔"

"میں آپکا مطلب نہیں سمجھا۔" سلیم اسکی طرف گھوم کر بولا۔ "کیا آپریشن شروع ہو گیا۔"

"نہیں..... ابھی وہ لوگ تیاری کر رہے ہیں اور میرا وہاں کوئی کام بھی نہیں۔ میں اس
لئے یہاں چلا آیا کہ میں یہاں زیادہ کار آمد ثابت ہو سکوں گا۔" ڈاکٹر توصیف نے مسکراتے
ہوئے کہا۔

"آپ بہت اچھے ہیں ڈاکٹر..... ممی تو کافی ضبط و تحمل والی ہیں لیکن شاید مجھے اور سلیم کو
جلد از جلد طبی امداد کی ضرورت پیش آئے گی۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ اس نوجوان ڈاکٹر
کی کامیابی پر اس قدر یقین رکھتے ہیں۔ وہ کس قدر سنجیدہ اور مطمئن ہے۔"

"اور ساتھ ہی ساتھ کافی خوبصورت بھی۔" سلیم نے کسی قدر تلخی سے کہا۔

"تم کیا بک رہے ہو سلیم۔" بیگم صاحبہ تیزی سے بولیں اور نجمہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔

"معاف کیجئے گا پھوپھی صاحبہ میں بہت پریشان ہوں۔" سلیم یہ کہہ کر ٹہلتا ہوا برآمدے
کے دوسرے کنارے تک چلا گیا۔

"کنور صاحب میرے خیال سے بجلی کا انتظام بالکل ٹھیک ہوگا۔ شاید ڈائنا مو کی دیکھ
بھال آپ ہی کرتے ہیں۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

"جی ہاں..... کیوں..... ڈائنا مو بالکل ٹھیک چل رہا ہے لیکن اسکے پوچھنے کا
مطلب.....!" سلیم نے ڈاکٹر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"مطلب صاف ہے۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ "اگر خدانخواستہ ڈائنا مو فیل ہو گیا تو
اندھیرے میں آپریشن کس طرح ہوگا۔ ایک بڑے آپریشن کے لئے کافی احتیاط کی ضرورت
ہوتی ہے۔"

"بظاہر تو ڈائنا مو فیل ہونے کا کوئی امکان نہیں لیکن اگر فیل ہی ہو گیا تو میں کیا کرسکوں
گا۔ اُف یہ ایک خطرناک خیال ہے۔ اگر واقعی ایسا ہوا تو ڈاکٹر شوکت بڑی مصیبت میں

پڑ جائے گا۔ اوہ نہیں نہیں..... میرے خدا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا.....!'' کنور سلیم کے چہرے پر بے چینی کے آثار پیدا ہو گئے۔

اتنے میں ایک نوکر داخل ہوا۔

''کیوں کیا ہے.....!'' سلیم نے اس سے پوچھا۔

''پروفیسر صاحب نیچے کھڑے ہیں۔ آپ کو بلا رہے ہیں۔'' نوکر نے کہا۔

''پروفیسر..... مجھے..... اس وقت۔'' سلیم نے حیرت سے کہا۔

''جاؤ بھئی..... نیچے جاؤ.....!'' بیگم صاحبہ بیزاری سے بولیں۔ ''کہیں وہ پاگل یہاں نہ چلا آئے۔''

''مجھے حیرت ہے کہ وہ اس وقت یہاں کس لئے آیا ہے۔'' سلیم نے نوکر سے کہا۔

''کیا تم نے اسے آپریشن کے متعلق نہیں بتایا.....؟''

''حضور میں نے انہیں ہر طرح سمجھایا..... لیکن وہ سنتے ہی نہیں۔''

''خیر چلو دیکھوں کیا بکتا ہے۔'' سلیم نے کہا۔ ''اس پاگل سے تو میں تنگ آ گیا ہوں۔''

سلیم نیچے آیا..... پروفیسر باہر کھڑا تھا۔ اس نے سردی سے بچنے کے لئے سر پر مفلر لپیٹ رکھا تھا اور چسٹر کا کالر اس کے کانوں کے اوپر تک چڑھا تھا۔ ان سب باتوں کے باوجود سردی کی وجہ سے سکڑا جا رہا تھا۔

''کیوں پروفیسر کیا بات ہے؟'' سلیم نے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

''ایک غیر معمولی چمکدار ستارہ جنوب کی طرف نکلا ہے۔'' پروفیسر نے اشتیاق آمیز لہجے میں کہا۔ ''اگر تم اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ چلو۔''

''جہنم میں گئی معلومات.....!'' سلیم نے جھنجھلا کر کہا۔ ''کیا اتنی سی بات کے لئے تم دوڑے آئے ہو۔''

''بات تو کچھ دوسری ہے۔ میں تمہیں بہت ہی تعجب خیز چیز دکھانا چاہتا ہوں۔ ایسی چیز تم نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔'' اس نے سلیم کا بازو پکڑ کر اسے پرانی کوٹھی کیطرف لے جاتے ہوئے کہا۔

سلیم چلنے لگا لیکن اس نے لوہے کی موٹی سلاخ کو نہ دیکھا جو پروفیسر اپنی آستین میں چھپائے ہوئے تھا۔

''کھٹ.....!'' تھوڑی دور چلنے کے بعد پروفیسر نے وہ سلاخ سلیم کے سر پر دے ماری۔ سلیم بغیر آواز نکالے چکرا کر دھم سے زمین پر آ رہا۔ پروفیسر حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ جھکا اور بے ہوش سلیم کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر ڈال لیا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی ہلکے پھلکے بچے کو اٹھا لیتا ہے۔ وہ تیزی سے پرانی کوٹھی کی طرف جا رہا تھا۔ یہ سب اتنی جلدی اور خاموشی سے ہوا کہ وہ نوکر جو ہال میں سلیم کا انتظار کر رہا تھا وہ یہی سوچتا رہ گیا کہ اب سلیم پروفیسر کو اس کی کوٹھی میں دھکیل کر واپس آ رہا ہوگا۔

پرانی کوٹھی میں پہنچ کر پروفیسر نے بیہوش سلیم کو ایک کرسی پر ڈال دیا اور جھک کر سر کے اس حصے کو دیکھنے لگا جو چوٹ لگنے کی وجہ سے پھول گیا تھا۔ اس نے پُراطمینان انداز میں اس طرح سر ہلایا جیسے اسے یقین ہو کہ وہ ابھی کافی دیر تک بے ہوش رہے گا۔ پھر اس حیرت انگیز بوڑھے نے سلیم کو پیٹھ پر لاد کر مینار پر چڑھنا شروع کیا۔ بالائی کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے ٹٹول کر سلیم کو ایک بڑے صوفے پر ڈالا اور موم بتی جلا کر طاق پر رکھ دی۔

ہلکی روشنی میں چسٹر کے کالر کے سائے کی وجہ سے اس کا چہرہ اور زیادہ خوفناک معلوم ہونے لگا تھا۔ اس نے سلیم کو صوفے سے باندھ دیا پھر وہ دوربین کے قریب والی کرسی پر بیٹھ گیا اور دوربین کے ذریعہ نواب صاحب کے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ نواب صاحب کے کمرے کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر اور نرسوں نے اپنے چہروں پر سفید نقاب لگائے تھے۔

ڈاکٹر شوکت کھولتے ہوئے پانی سے ربڑ کے دستانے نکال کر پہن رہا تھا۔ وہ سب آپریشن کی میز کے گرد کھڑے ہوئے تھے۔ آپریشن شروع ہونے والا تھا۔

''بہت خوب.....!'' پروفیسر بڑبڑایا۔ ''میں ٹھیک وقت پر پہنچ گیا لیکن آخر اس سردی کے باوجود بھی انہوں نے کھڑکیاں کیوں نہیں بند کیں۔''

نواب صاحب کی کوٹھی کے گرد و پیش عجیب طرح کی پراسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

چھوٹے سے لے کر بڑے تک کو اچھی طرح معلوم تھا کہ بیمار کے کمرے میں کیا ہو رہا ہے۔ بڑے صاحب کا سخت حکم تھا کہ کسی قسم کا شور نہ ہونے پائے۔ لوگ اتنی خاموشی سے چل پھر رہے تھے جیسے وہ خواب میں چل رہے ہیں۔

کوٹھی میں نوکرانیاں پنجوں کے بل چل رہی تھیں۔ گھر کے سارے کتے باغ کے آخری کنارے پر ایک خالی جھونپڑے میں بند کر دیئے گئے تھے تا کہ وہ کوٹھی کے قریب شور نہ مچا سکیں۔

پروفیسر دوربین پر جھکا ہوا اپنے گرد و پیش سے بے خبر بیمار کے کمرے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ اتنا محو تھا کہ اس نے سلیم کے جسم کی حرکت کو بھی نہ محسوس کیا۔ سلیم آہستہ آہستہ ہوش میں آ رہا تھا۔ ایک عجیب قسم کی سنسناہٹ اس کے جسم میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے بازوؤں پر رسیوں کے تناؤ کو بھی نہ محسوس کیا۔ دو تین بار سر جھٹکنے کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اسے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلی نظر آ رہی تھی۔ پھر دور ایک ٹمٹماتا ہوا تارہ دکھائی دیا۔ تارے کے چاروں طرف ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ آہستہ آہستہ روشنی پھیلتی گئی۔ موم بتی کی لو تھرا رہی تھی۔ پروفیسر دوربین پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر یہ کیا..... وہ بندھا کیوں ہے۔ رفتہ رفتہ کچھ دیر قبل کے واقعات اسے یاد آ گئے۔

''پروفیسر آخر یہ کیا حرکت ہے۔'' اس نے بھرائی ہوئی نحیف آواز میں قہقہہ لگا کر کہا۔ ''آخر اس مذاق کی کیا ضرورت تھی۔''

''اچھا تم جاگ گئے۔'' پروفیسر نے سر اٹھا کر کہا۔ ''کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔ تم اس وقت اتنے ہی بے بس ہو جتنے کہ میرے دوسرے شکار..... تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں اب گلہریوں، خرگوشوں اور مینڈکوں کے ساتھ ہی ساتھ آدمیوں کا بھی شکار کرنے لگا ہوں۔ کیوں ہے نہ دلچسپ خبر.....!''

پہلے تو سلیم نہ سمجھ سکا۔ لیکن دوسرے لمحے میں اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے جسم کا سارا خون منجمد ہو گیا ہو۔ وہ لرز گیا..... وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ بوڑھے نے اپنے دوسرے شکاروں کا حوالہ کیوں دیا ہے..... تو..... کیا..... تو..... کیا..... اب وہ اپنی خونی پیاس بجھانے کے لئے

جانوروں کے بجائے آدمیوں کا شکار کرنے لگا۔

ارے!

سلیم نے شدید گھبراہٹ کے باوجود بھی لاپروائی کا انداز پیدا کر کے قہقہہ لگانے کی کوشش کی۔

''بہت اچھے پروفیسر..... لیکن مذاق کا وقت اور موقع ہوتا ہے۔ چلو..... شاباش یہ رسیاں کھول دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں.....!''

''صبر..... صبر..... میرے اچھے لڑکے۔'' اس نے اس کی طرف جھک کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اب میری باری آئی ہاہاہا۔''

''تمہاری باری..... کیا مطلب.....!'' سلیم نے چونک کر کہا۔

''کیا تم نہیں جانتے۔'' پروفیسر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''کہو کہو میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔'' سلیم نے بے پروائی سے کہا۔

''میرا مقصد یہ تھا کہ نوجوان ڈاکٹر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔'' پروفیسر نے پرسکون لہجے میں کہا ''اور اسے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم دوبارہ آزاد کر دیئے گئے تو ایسا نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ مجھے خوف ہے..... بہرحال میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ سکون و اطمینان کے ساتھ نواب صاحب کی جان بچا سکے۔ اسی لئے میں تمہیں یہاں لایا ہوں۔ میرے بھولے سلیم کیا سمجھے؟ میں..... کیا میں چالاک نہیں.....!''

''بہت چالاک ہو کیا کہنے.....!'' سلیم نے ہنس کر کہا۔

''تم یہاں بالکل بے بس ہو۔ یہاں میں تمہاری خبر گیری بھی کروں گا اور بیمار کے کمرے کا منظر بھی دیکھ سکوں گا۔'' پروفیسر نے دوربین کے شیشے میں آنکھ لگاتے ہوئے کہا۔ ''نہ تو میں احمق ہوں اور نہ میری دوربین..... محض مذاق ہے..... کیا سمجھے۔''

اچانک سلیم میں ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہوگئی۔ اس کی بھنویں تن گئیں۔ کچھ دیر قبل جو ہونٹ مسکرا رہے تھے بھینچ کر رہ گئے۔ آنکھوں کی شرارت آمیز شوخی ایک بہت ہی خوفناک قسم کی چمک میں تبدیل ہوگئی۔ وہ اب تک ہنس مکھ اور کھلنڈرا نوجوان رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے چہرے پر سے ایک گہری نقاب ہٹ گئی ہو۔ وہ ایک خونخوار بھیڑیئے کی طرح ہانپ رہا تھا۔

"ان رسیوں کو کھول دو سُوّر کے بچے۔" وہ چیخ کر بولا۔ "ورنہ میں تمہارا سر پھوڑ دوں گا۔"

"دھیرج..... دھیرج..... میرے پیارے بچے۔" پروفیسر نے مڑ کر پرسکون لہجے میں کہا۔ "کل تک میں یقیناً تم سے خائف تھا۔ مجھے اس کا اعتراف ہے لیکن تم اس وقت میری گرفت میں ہو..... قاتل..... سازشی..... تم بہت خطرناک ہوتے جا رہے ہو۔ ایسی صورت میں تمہاری نگرانی کی ضرورت ہے۔"

"تم دیوانے ہو..... قطعی دیوانے۔" سلیم نے تیزی سے کہا۔

"شاید ایسا ہی ہو.....!" پروفیسر نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن میں اتنا دیوانہ بھی نہیں کہ تمہاری سازشوں کو نہ سمجھ سکوں تم اب تک مجھے ایک بے جان مگر کارآمد اوزار کی طرح استعمال کرتے آئے ہو لیکن آج کی رات میری..... کیا سمجھے۔"

سلیم کے جسم سے پسینہ پھوٹ پڑا۔ غصے کی جگہ خوف نے لے لی۔ وہ اب تک پروفیسر کو پاگل سمجھتا تھا کہ وہ جدھر اسے لے جانا چاہتا ہے وہ بغیر سمجھے بوجھے چلا جاتا ہے لیکن پھر بھی وہ ہمیشہ محتاط رہا۔ اس نے آج تک اپنی اصلی سرگرمیوں کی بھنک بھی پروفیسر کے کان میں نہ پڑنے دی تھی۔ پھر اسے اسکی سرگرمیوں کا علم کیونکر ہوا۔ وہ خوفزدہ ضرور تھا لیکن ناامید نہیں۔ کیونکہ اسکی زندگی کے دوسرے پہلو کا علم پروفیسر کے علاوہ کسی اور کو نہ تھا۔ پروفیسر جو پاگل تھا۔"

"تم قتل کی بات کرتے ہو۔" سلیم نے سکون کے ساتھ کہا۔ "خدا کی قسم اگر تم نے یہ رسی فوراً ہی نہ کھول دی تو میں اپنی اس دھمکی کو پورا کر دکھاؤں گا۔ جو اکثر تمہیں دیتا رہا ہوں۔ میں پولیس کو اطلاع دے دوں گا کہ تم قاتل ہو۔ اپنے اسسٹنٹ کے قاتل.....!"

"میں.....!" پروفیسر نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔ "یہ میں آج ایک نئی اور دلچسپ خبر سن رہا ہوں۔ میں نے یہ قتل کب کیا تھا۔"

"کب کیا تھا.....!" سلیم نے کہا۔ "اتنی جلدی بھول گئے۔ کیا تم نے اپنے اسسٹنٹ نعیم کو اپنے بنائے ہوئے غبارے میں بٹھا کر نہیں اڑایا تھا۔ جس کا آج تک پتہ نہیں چل سکا۔"

پروفیسر خاموش ہوگیا۔ اس کے چہرے پر عجیب قسم کی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ "اور ہاں اسی حادثے کے بعد سے میرا دماغ خراب ہوگیا اور تمہیں اس واقعہ کا علم ہوگیا تھا۔ لہٰذا تم نے مجھے بلیک میل کرنا شروع کر دیا مجھ سے ناجائز کاموں میں مدد لیتے رہے۔ مجھ سے روپیہ اینٹھتے رہے۔ لیکن برخوردار شاید تمہیں اس کا علم نہیں کہ میں حال ہی میں ایک سرکاری جاسوس سے مل چکا ہوں۔ تم خوفزدہ کیوں ہو رہے ہو۔ میں نے تمہارے متعلق اس سے کچھ نہیں کہا۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ نعیم میرے غبارے کے ٹوٹنے سے مرا نہیں۔ بلکہ وہ اس وقت بھی مدراس کے کسی گھٹیا سے شراب خانے میں نشے سے چور اوندھا پڑا ہوگا اور مجھے اس کا بھی علم ہے کہ اس نے جو خطوط مجھے لکھے تھے تم نے راستے ہی سے غائب کر دیئے۔ بہت عرصہ ہوا تمہیں اس کے زندہ ہونے کا ثبوت مل گیا تھا۔ لیکن تم مجھے پاگل سمجھ کر روپے اینٹھنے کے لئے اندھیرے ہی میں رکھنا چاہتے تھے۔ کہو میاں سلیم کیسی رہی۔ کیا اب میں تمہیں وہ باتیں بھی بتاؤں جو میں تمہارے متعلق بھی جانتا ہوں۔"

کنور سلیم سہم کر رہ گیا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پروفیسر کا پاگل پن کسی نئے موڑ پر پہنچ گیا ہے جسے وہ اب تک ایک بے ضرر کیچوا سمجھتا رہا وہ آج پھن اٹھائے اس پر جھپٹنے کی کوشش کر رہا ہے۔

"خیر پروفیسر چھوڑو ان حماقت کی باتوں کو۔" سلیم نے کوشش کر کے ہنستے ہوئے کہا۔ "میری رسیاں کھول دو..... آدمی بنو۔ تم میری عزیز ترین دوست ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں اس سے بھی بڑی دوربین خرید دوں گا۔ اتنی بڑی کہ سچ مچ ایک شیشے کا گنبد معلوم ہوگی۔"

"ٹھہرو سلیم ٹھہرو.....!" پروفیسر نے دوربین کے شیشے پر جھک کر کہا۔ "میں ذرا پیار کے

کمرے میں دیکھ لوں۔ ہوں تو ابھی آپریشن شروع نہیں ہوا۔ ایسے خطرناک آپریشنوں میں کا
تیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ نوجوان ڈاکٹر نواب صاحب کی جان بچانے میں
کامیاب ہوجائے گا۔ لیکن سلیم یہ تو بڑی بُری بات ہے۔ اگر نواب صاحب دس بیس برس
زندہ رہے تو کیا ہوگا۔ تو تمہاری وراثت تم تک جلد نہ پہنچ سکے گی۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔" سلیم نے کہا۔ "میں بہر حال اُن کا وارث ہوں اور پھر مجھے ا
کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیا میں کم دولت مند ہوں۔"

"خیر..... تمہاری دولت کا حال تو میں اچھی طرح جانتا ہوں اسی لئے تو ایک
بس بوڑھے سے روپے اینٹھتے رہے سنو بیٹے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہاری تنگدستی ا
نواب صاحب کی موت کی خواہاں ہے اسی لئے میں نے تمہیں اس وقت تکلیف دی ہے مجھے
امید ہے کہ تم ایک سعادت مند بچے کی طرح اس کا کچھ خیال نہ کرو گے کیا تم نے آج ڈا
توصیف کو اسی لئے شہر نہیں بھیج دیا کہ نوجوان ڈاکٹر سچ مچ پیدل آنے پر مجبور ہوجائے۔"

"کیا فضول بکواس ہے۔" سلیم نے دوسری طرف منہ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اور پھر تم ایک رسی لے کر درخت پر چڑھ گئے۔" پروفیسر بولتا رہا۔

"کیا تم سمجھتے ہو کہ میں کچھ نہیں جانتا میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ڈاکٹر شوکت بچ کیسے گ
لیکن میں تمہیں نہیں بتاؤں گا۔ تم مجھے اندھیرے کی چمگادڑ سمجھتے ہو اور تمہارا خیال بھی درست
ہے۔ اندھیرا مجھ پر سورج کی طرح روشن رہتا ہے۔ میں اس سے بھی زیادہ جانتا ہوں۔ کیا م
نہیں جانتا۔"

"تم کچھ نہیں جانتے۔" سلیم نے مردہ آواز میں کہا۔ "یہ محض تمہارا قیاس ہے۔"

"تم اسے قیاس کہہ رہے ہو لیکن یہ سو فیصد سچ ہے۔ دیکھو سلیم ہم دونوں ایک دوسر
اچھی طرح جانتے ہیں۔ کیا میں یہ نہیں جانتا کہ ڈاکٹر شوکت کو قتل کر دینے کی ایک وجہ اور
ہے جس کا تعلق آپریشن سے نہیں۔"

"کیا.....!" سلیم بے اختیار چونک کر چیخا۔

"ٹھیک ٹھیک۔" پروفیسر نے سر ہلایا۔ "تمہاری چیخ ہی اقبال جرم ہے۔"

"کیا تم نے اس خنجر باز نیپالی کو روپیہ دے کر اس قتل پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ اس احمق نے دھوکے میں ایک بے گناہ عورت کو قتل کر دیا۔"

"یہ جھوٹ ہے..... یہ جھوٹ ہے۔" سلیم بے صبری سے بولا۔ "لیکن تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا۔ یہ محض قیاس ہے..... بالکل قیاس.....!"

"مجھے یہ سب کیسے معلوم ہوا۔ کیونکہ دنیا میں تمہیں ایک بڑے چالاک ہو۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس دن تم نے ایک رپورٹر پر گولی چلائی تھی اور وہ رائفل میرے ہاتھ میں دے کر خود بھاگ گئے تھے۔ محض اس لئے کہ مجھے پاگل تصور کرتے ہوئے اس واقعہ کو محض اتفاقیہ سمجھا جائے۔ اور کہو تو یہ بھی بتادوں گا کہ تم اس رپورٹر کو کیوں مارنا چاہتے ہو۔ تم اسے پہچان گئے تھے۔ تمہیں یقین ہوگیا تھا کہ اسے تمہاری حرکتوں کا علم ہوگیا ہے۔ اس وقت تو وہ بچ گیا تھا لیکن آخر کار اسے تمہاری ہی گولیوں سے ہلاک ہونا پڑا..... کیوں ہے نا سچ۔"

"نہ جانے تم کس کی باتیں کر رہے ہو۔" سلیم نے سنبھالا لے کر کہا۔

"انس..... پک..... ٹر..... فری..... دی کی۔" پروفیسر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے رک رک کر کہا۔

سلیم کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ یک لخت سست پڑ گیا۔

"تمہاری دھمکیاں میرا اب کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ میں اب تمہارے گال پر اس طرح چانٹا مار سکتا ہوں۔" پروفیسر نے اٹھ کر اس کے گال پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا۔ "کیوں نہ میں ان سب باتوں کی اطلاع نجمہ اور اس کی ماں کو دے دوں۔ پولیس کو تو میں اسی وقت مطلع کر دوں گا لیکن تم یہ سوچتے ہوگے کہ پولیس میری باتوں کا اعتبار نہ کرے گی کیونکہ میں پاگل ہوں۔"

"نہیں، نہیں پروفیسر تم جیت گئے۔ تم مجھ سے زیادہ چالاک ہو۔" سلیم نے آخری پانسہ پھینکا۔ "اس رسی کو کاٹ دو۔ میں تمہارے لئے ایک بڑی شاندار آبزرویٹری بنوا دوں گا۔"

"تمہارا ذہن کسی وقت بھی چالبازیوں سے باز نہیں آتا۔ اچھا میں تم سے صلح کرلوں گا
اس شرط پر کہ تم اس مینار میں کسی راز کو راز نہ رکھو گے۔ اس کے بعد یہ یقین رکھو کہ تمہار
سب راز مرتے دم تک میرے سینے میں دفن رہیں گے میں اسی لئے تم سے یہ سب اگلوا رہا
کہ تم نے مجھے بہت دنوں تک بلیک میل کیا ہے۔ اچھا پہلے یہ بتاؤ کہ واقعی تم نے اس نیپالی
ڈاکٹر شوکت کو قتل کرانے کی سازش کی تھی۔"

"میرے خیال سے تم بھی اتنا ہی جانتے ہو جتنا میں..... ہاں میں نے اس کے
روپیہ دیا تھا۔"

"پھر تمہی نے اسے قتل بھی کردیا۔ اس لئے کہ کہیں وہ نام نہ بتادے۔"

"ہاں..... لیکن ٹھہرو.....!"

"انسپکٹر فریدی پر قتل کی نیت سے تم نے ہی گولی یا گولیاں چلائی تھیں۔"

"ہاں..... لیکن تم تو اس طرح سوال کر رہے ہو جیسے جیسے.....!"

"تم نے ڈاکٹر شوکت کے گلے میں رسی کا پھندا بھی ڈالا تھا۔" پروفیسر نے ہاتھ اٹھا
اسے بولنے سے روک دیا۔

"پھر تمہارا دماغ خراب ہوچلا۔" سلیم نے کہا۔ "ہاں میں نے پھندا تو ڈالا تھا۔ لیکن
پھر اس نے کہا۔ "تم نے ابھی کہا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ ا
رسی کو کاٹ دو۔ میں تم سے قطعی خوف زدہ نہیں۔ اس لئے کہ اب ہم دونوں دوست ہیں۔"

"تمہارے ہوائی قلعے بہت زیادہ مضبوط معلوم نہیں ہوتے۔" پروفیسر نے کہا۔ لیکن
بار اس کی آواز بدلی ہوئی تھی۔ سلیم چونک پڑا..... سکڑا سکڑایا..... پروفیسر تن کر کھڑا ہوگیا۔
نے اپنے سر پر بندھا ہوا مفلر کھول دیا۔ چسٹر کے کالر نیچے گرا دیئے اور موم بتی طاق پر سے
کر اپنے چہرے کے قریب لاکر بولا۔

"لو بیٹا دیکھ لو میں ہوں تمہارا باپ انسپکٹر فریدی۔"

"ارے.....!" سلیم کے منہ سے بے اختیار نکلا اور اسے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہو

لیکن وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خود
پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہے۔

"تم کون ہو..... میں تمہیں نہیں جانتا اور اس حرکت کا کیا مطلب۔" سلیم نے گرج کر کہا۔

"شور نہیں، شور نہیں۔" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "تم سے زیادہ مجھے کون پہچان سکتا
ہے۔ جب کہ تم میرے جنازے میں بھی شریک تھے۔ اس کی تو میں تعریف کروں گا سلیم! تم
بہت محتاط ہو۔ اگر میں اپنے مکان سے ایک عدد جنازہ نکلوانے کا انتظام نہ کرتا تو تمہیں میری
موت کا ہرگز یقین نہ ہوتا۔ اخباروں میں میری موت کی خبر سن کر شاید تم رات ہی کو شہر آگئے
تھے۔ میرے لئے ہسپتال سے ایک مردہ حاصل کرلینا کوئی مشکل کام نہ تھا اور شاید تم نے
دوسرے دن قبرستان تک میری لاش کا پیچھا کیا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم ایک اچھے سازشی ضرور
ہو لیکن اچھے جاسوس نہیں۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ پانچ گولیاں کھانے کے بعد باہوش وحواس
پندرہ میل کی مسافت طے کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے اس رات تم نے سرجنٹ حمید
کے گھر کے بھی چکر کاٹے تھے لیکن شاید اس وقت تم وہاں موجود نہ تھے جب وہ نیپالی کے بھیس
میں راج روپ نگر اس لئے آیا تھا کہ ڈاکٹر توصیف کو اس بات کی اطلاع پولیس کو کرنے سے
روک دے کہ میں اس سے مل چکا ہوں اور راج روپ نگر سے واپسی پر یہ حادثہ پیش آیا۔ میں
نے ایک بار رپورٹر کے بھیس میں مل کر سخت غلطی کی تھی۔ اس لئے کہ تم مجھے پہچانتے تھے اور
کیوں نہ پہچانتے جب کہ میرا کوئی بار پیچھا کر چکے تھے۔ اس رات بھی تم نے میرا پیچھا کیا تھا۔
جب میں "نیپالی کے قتل" کے بعد گھر واپس آرہا تھا..... پھر تم نے کبڑے کے بھیس میں سرجنٹ
حمید کو غلط راہ پر لگانے کی کوشش کی۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ تمہیں شبہ ہوگیا کہ میں تمہیں مشتبہ
سمجھتا ہوں لہٰذا واپسی میں تم نے مجھ پر گولی چلائی اور رائفل پروفیسر کے ہاتھ میں دے کر فرار
ہوگئے۔ پروفیسر سے گفتگو کرتے وقت میں نے اچھی طرح اندازہ لگالیا تھا کہ گولی چلانا تو
درکنار وہ اس رائفل کے استعمال تک سے ناواقف تھے۔ تم نے مجھے قصبے کی طرف مڑتے
دیکھا، اس موقع کو غنیمت جان کر تم وہاں سے دو میل کے فاصلے پر جھاڑیوں میں جا چھپے اور تم

اسی تانگے پر گئے تھے جو سڑک پر کھڑا تھا۔ تم نے خود ہی مدد کے لئے چیخ کر مجھے اپنی طرف
متوجہ کیا۔ پھر تم نے گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ اسی وقت میرے ذہن میں یہ نئی تدبیر آئی
جسکے نتیجے میں آج تم ایک چوہے دان میں پھنسے ہوئے چوہے کی طرح بے بس نظر آ رہے ہو۔"
انسپکٹر فریدی اتنا کہہ کر سگریٹ سلگانے کے لئے رک گیا۔
"نہ جانے تم کون ہو اور کیا بک رہے ہو.....!" سلیم نے جھنجھلا کر کہا۔ "خیریت اسی میں
ہے کہ مجھے کھول دو.....ورنہ اچھا نہ ہوگا.....!"
"ابھی تک تو اچھا ہی ہو رہا ہے.....!" فریدی نے شانے ہلا کر کہا اور جھک کر دوربین
میں دیکھنے لگا۔

قاتل فرار

"تو تم نہیں کھولو گے مجھے.....دیکھو میں کہے دیتا ہوں.....!"
"بس بس زیادہ شور مچانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے ڈاکٹر شوکت کا کارنامہ دیکھنے دو.....!"
"دیکھو مسٹر.....!" سلیم تیزی سے بولا۔ "اول تو مجھے یقین نہیں کہ تم سرکاری جاسوس ہو
اور اگر ہو بھی تو مجھے اس سے کیا سروکار۔ آخر تم نے مجھے کس قانون کے تحت یہاں باندھ رکھا
ہے۔"
"اس لئے کہ تم ایک اقبالی مجرم ہو۔ ابھی ابھی تم نے اپنے جرموں کا اعتراف کیا ہے۔
کیا یہ تمہارے باندھ رکھنے کے لئے کافی نہیں۔"
"کیا احمقوں کی سی باتیں کرتے ہو۔" سلیم نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "کیا تم اسے سچ سمجھے ہو۔"
"جھوٹ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں۔" فریدی نے دوربین پر جھکتے ہوئے کہا۔
"ہوش کے ناخن لو مسٹر سراغ رساں.....!" سلیم بولا۔ "کچھ دیر قبل میں ایک پاگل آدمی

سے گفتگو کر رہا تھا۔ اگر میں اس کی ہاں میں ہاں نہ ملاتا تو وہ میرے ساتھ نہ جانے کیا برتاؤ
کرتا۔ میں اس کے ظالمانہ رجحانات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ لہٰذا جان بچانے کے لئے
اس کے علاوہ اور چارہ کیا تھا۔ واہ میری بھولے سراغ رساں واہ.....!"
فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ سلیم کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔
"خیر جو ہوا سو ہوا..... مجھے فوراً کھول دو۔ انسان ہی سے غلطی ہوتی ہے۔ میں وعدہ کرتا
ہوں کہ تمہارے افسروں سے تمہاری شکایت نہ کروں گا۔"
فریدی اسے بے بسی سے دیکھ رہا تھا اور سلیم کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ کھیل
رہی تھی۔
"خیر خیر کوئی بات نہیں۔" فریدی سنبھل کر بولا۔ "لیکن آج تم نے ڈاکٹر شوکت کو قتل
کرنے کی جو کوششیں کی ہیں وہ خود میں نے دیکھی ہیں۔ ڈاکٹر شوکت کی کار میں نے بگاڑی
تھی۔ میں یہ پہلے سے جانتا تھا کہ اس وقت کوٹھی میں کوئی کار موجود نہیں تھی۔ میں دراصل اسے
پیدل لے جانا چاہتا تھا۔ محض یہ دیکھنے کے لئے کہ حقیقتاً سازشی کون ہے۔ کیا تم کار کا بہانہ
کر کے وہاں سے نہیں ٹل گئے تھے..... کیا تم نے پروفیسر کو زہریلی سوئی دے کر اسے شوکت
سے ہاتھ ملانے کے بہانے چبھو دینے پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ جب تم نے اس کے گلے میں رسی کا
پھندا ڈالا تھا تب بھی میں تم سے تھوڑی ہی دور کے فاصلے پر موجود تھا اور میں نے ہی شوکت کو
بچایا تھا۔"
"نہ جانے تم کون سی داستان امیر حمزہ بیان کر رہے ہو۔" سلیم نے اکتا کر کہا۔ "عقل مند
آدمی ذرا سوچو تو آخر میں ڈاکٹر شوکت کی جان کیوں لینا چاہوں گا۔ جب کہ وہ میرے لئے
قطعی اجنبی ہے۔ تم کہو گے کہ میں نے ایسا محض اس لئے کیا کہ چچا جان جانبر نہ ہو سکیں لیکن ایسا
سوچنا حماقت ہوگی۔ اگر ایسا ہوتا تو میں پہلے ہی ان کا خاتمہ کر دیتا اور کسی کو خبر تک نہ ہوتی۔"
"کیا کہا شوکت تمہارے لئے اجنبی ہے۔" فریدی نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
"تم اس کے لئے اجنبی ہو سکتے ہو لیکن وہ تمہارے لئے نہیں۔ کیا بتاؤں کہ تم اس کی جان کیوں

لینا چاہتے ہو۔"

فریدی کے الفاظ کا اثر حیرت انگیز تھا۔ سلیم پھر سست پڑ گیا۔ اس کی آنکھوں سے خوف
اظہار ہو رہا تھا۔ اس کے ذہن میں خوف اور دلیری باہمی کش مکش میں مبتلا تھے۔ آخر کار ا
نے خوف پر قابو پالیا۔

"آخر تم کیا چاہتے ہو.....؟" اس نے فریدی سے کہا۔

"تم کو قانون کے حوالے کرنا۔"

"لیکن کس قانون کی رو سے۔"

"تم نے ابھی ابھی اپنے جرموں کا اعتراف کیا ہے۔"

"اچھا چلو یہی سہی۔" وہ فریدی کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوتا ہوا بولا۔ "لیـ
تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں نے اقبال جرم کیا ہے۔ عدالت میں تم کسے گواہ کی حیثیـ
سے پیش کرو گے جب کہ یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی تیسرا نہیں ہے۔ دیکھو مسٹر فریـ
مجھے جھانسا دینا آسان کام نہیں۔ تم اس طرح عدالت میں میرے خلاف مقدمہ چلا کر کامیا
نہیں ہو سکتے۔"

"تب تو مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔" فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے بے بسی سے کہا۔ "کا
میں سرجنٹ حمید کو بھی یہاں لایا ہوتا۔"

سلیم نے زور دار قہقہہ لگایا اور بولا۔ "ابھی کچے ہو مسٹر جاسوس۔"

"اُف میرے خدایا۔" فریدی نے بوکھلا کر کہنا شروع کیا۔ "لیکن تم نے ابھی میر
سامنے اقبال جرم کیا ہے کہ.....تم.....قق.....قاتل ہو.....!"

"ہکلاؤ نہیں پیارے۔" سلیم بے ساختہ ہنستا ہوا بولا۔ "لو میں ایک بار پھر اقبال جرم
ہوں کہ میں نے ہی شوکت کو قتل کرنے یا کرانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے ہی نیپالی کو بھ
کیا تھا۔ میں نے تم پر بھی گولیاں برسائی تھیں۔ لیکن پھر کیا؟ تم میرا کیا کر سکتے ہو۔ میں
خطاب یافتہ خاندان کا فرد ہوں۔ راج روپ نگر کا ہونے والا نواب .....تمہاری بکواس

یقین آئے گا۔"

"بہت اچھے برخوردار.....!" فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بہت عقل مند ہو لیکن واضح
رہے کہ اب تم نے جو اقبال جرم کیا ہے وہ پاگل پروفیسر کے سامنے نہیں بلکہ محکمہ سراغ رسانی
کے انسپکٹر فریدی کے سامنے کیا ہے۔"

"تو پھر اس سے کیا..... میں ہزار مرتبہ اقبال جرم کر سکتا ہوں۔ کیونکہ یہاں ہم دونوں
کے سوا اور کون ہے۔ کہو تو ایک بار پھر دہرا دوں۔" سلیم نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بس بس کافی ہے۔" فریدی نے جلی ہوئی سگریٹ کا ٹکڑا پھینکتے ہوئے کہا۔ "تم فریدی
کو نہیں جانتے۔ ادھر دیکھو اس الماری میں..... لیکن نہیں تمہیں نہیں دکھائی دیتا۔ ٹھہرو میں موم بتی
اٹھاتا ہوں۔ دیکھو بیٹا سلیم..... یہ ایک بہت زیادہ طاقت ور ٹرانسمیٹر ہے اور ابھی حال ہی کی
ایجاد ہے۔ ایک مختصر سی بیٹری اُسے چلانے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ کیا سمجھے اس کے ذریعہ
میری اور تمہاری آوازیں محکمہ سراغ رسانی کے دفتر تک پہنچ رہی ہوں گی اور ان کا باقاعدہ ریکار
ڈ لیا جا رہا ہے۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ تم معمولی ذہانت کے مجرم نہیں ہو۔ اس لئے میں
نے پہلے ہی اس کا انتظام کر لیا تھا۔ اب کہو کون جیتا.....؟" فریدی نے قہقہہ لگایا اور سلیم نڈھال
ہو کر رہ گیا۔ اس کے چہرے پر پسینے کی بوندیں تھیں۔ اسے اپنا دل سر کے اس حصے میں دھڑکتا
محسوس ہو رہا تھا جہاں چوٹ لگی تھی۔ لیکن اس کے ذہن نے ابھی تک شکست قبول نہ کی تھی۔
سگریٹ کا جلتا ہوا ٹکڑا اس کے قریب ہی پڑا تھا۔ اس نے فریدی کی نظر بچا کر جو نہایت اطمینان
سے دوربین پر جھکا ہوا تھا اسے پیر سے آہستہ آہستہ اپنی طرف کھسکانا شروع کیا۔ اب سگریٹ
کا جلتا ہوا حصہ رسی کے ایک بل سے لگا ہوا اسے آہستہ آہستہ جلا رہا تھا۔ سلیم نے اپنے دونوں
پیر سمیٹ کر رسی کے سامنے کر لئے۔ رسی خشک تھی یا سلیم کی تقدیر یاور۔ آگ اپنا کام کر رہی
تھی۔ فریدی بدستور دوربین پر جھکا ہوا تھا۔ دفعتاً سلیم صوفے سمیت دوسری طرف پلٹ گیا۔
فریدی چونک کر اس کی طرف جھپٹا۔ لیکن قبل اس کے کہ حیرت زدہ فریدی کچھ کر سکے سلیم رسی
کے بلوں سے آزاد ہو چکا تھا۔

فریدی اس پر ٹوٹ پڑا لیکن سلیم کو زیر کرنا آسان کام نہ تھا..... تھوڑی دیر بعد دونوں گرے ہوئے ہانپ رہے تھے۔ سلیم کو ست پا کر فریدی کو جیب سے پستول نکالنے کا موقع مل گیا۔ لیکن سلیم نے اس پھرتی کے ساتھ اس سے پستول چھین لیا جیسے وہ اس کا منتظر تھا۔ اسی کشمکش پر پستول چل گیا۔ فریدی نے چیخ ماری اور گرتے گرتے اس کا سر دوربین سے ٹکرا گیا۔ وہ بالکل بے حس و حرکت زمین پر اوندھا پڑا تھا۔

سلیم کھڑا ہانپ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ دفعتاً وہ ٹرانسمیٹر کے سامنے کھڑا ہو کر بُری طرح کھانسنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس پر کھانسیوں کا دورہ ہو۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولنے لگا۔

”میں انسپکٹر فریدی بول رہا ہوں۔ ابھی سلیم میری گرفت سے نکل گیا تھا۔ کافی جدوجہد کے بعد میں نے اس کے پیر میں گولی مار دی۔ اب وہ پھر میری قید میں ہے۔ میں اسے مقامی پولیس کے سپرد کرنے جا رہا ہوں۔ بقیہ رپورٹ کل آٹھ بجے صبح۔“

اب سلیم نے ٹرانسمیٹر کا تار بیٹری سے الگ کر دیا۔ اس کے پرزے پرزے ادھر اُدھر بکھر گئے۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں طے کرتا ہوا نیچے اتر رہا تھا۔

خوفناک لمحے

انسپکٹر فریدی نے اپنی موت کی خبر شائع کرانے میں بڑی احتیاط سے کام لیا تھا۔ راج روپ نگر کے جنگلوں میں دشمن سے مقابلہ کرتے وقت اچانک اس کے ذہن میں یہ تدبیر آئی تھی۔ وہ خواہ مخواہ اس طرح چیخ کر بھاگا تھا جیسے وہ زخمی ہو گیا ہو۔ وہ ہسپتال گیا وہاں چیف انسپکٹر کو بلوا کر اسے سارے حالات بتائے اور اس سے مدد مانگی۔ یہ چیز مشکل تھی۔ چیف انسپکٹر نے پولیس کمشنر سے مشورہ کرکے پولیس ہسپتال کے انچارج کرنل

سے سب معاملے طے کر لئے لیکن اسے یہ نہ بتایا گیا کہ ڈرامہ کھیلنے کا مقصد کیا ہے۔ سول ہسپتال سے خفیہ طریقہ پر ایک لاش حاصل کی گئی۔ پھر اس پر انسپکٹر فریدی کا میک اپ کیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ سلیم آسانی سے دھوکا کھا گیا۔ ان سب باتوں سے فرصت پانے کے بعد انسپکٹر فریدی نے بھیس بدل کر اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں۔

تیسرے دن اچانک کرنل تیواری کے تبادلے کا حکم آ گیا اور اسے صرف اتنی ہی مہلت مل سکی کہ اس نے ڈاکٹر توصیف کو ایک خط لکھ دیا انسپکٹر فریدی کو اب تک سلیم پر محض شبہ ہی شبہ تھا۔ اس کی تحقیقات کا رخ زیادہ تر پروفیسر ہی کی طرف رہا۔ اس سلسلے میں اسے اس بات کا علم ہوا کہ سلیم پروفیسر کو دھوکے میں رکھ کر اپنے آلہ کار بنائے ہوئے ہے۔ پروفیسر کے متعلق اس نے ایک بالکل ہی نئی بات معلوم کی جس کی اطلاع سلیم کو بھی نہ تھی۔ وہ یہ کہ پروفیسر ناجائز طور پر کوکین حاصل کیا کرتا تھا..... جس طریقہ سے کوکین اس تک پہنچا کرتی تھی وہ انتہائی دلچسپ تھا۔ اسے ایک ہفتہ کے استعمال کے لئے کوکین ملا کرتی تھی۔ کوکین فروشوں کے گروہ کا ایک آدمی ہر ہفتہ ایک پیکٹ کوکین اس کے لئے لا کر پرانی کوٹھی کے باغیچے میں چھپا دیا کرتا تھا۔ وہیں اس کے دام بھی رکھے ہوئے مل جاتے تھے۔ دو ایک بار اسے مالیوں نے ٹوکا بھی لیکن اس نے انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ دوا کے لئے بیر بہوٹی تلاش کر رہا ہے۔ فریدی نے فی الحال اس گروہ کو پکڑانے کی کوشش نہ کی کیونکہ اس کے سامنے اس سے بھی زیادہ اہم معاملہ تھا۔ ڈاکٹر شوکت کے راج روپ نگر جانے سے ایک دن قبل ہی اس نے کوٹھی کے ایک مالی کو بھاری رقم دے کر ملا لیا تھا۔ اس لئے کوٹھی کے افراد کے متعلق سب کچھ جان لینے میں کوئی خاص دقت نہ ہوئی۔ آپریشن والی رات کو سرجنٹ حمید بھی وہاں آ گیا..... فریدی نے اسے پروفیسر کو بہلا پھسلا کر مالی کے جھونپڑے تک لانے کے لئے تعینات کر دیا۔ اس کے لئے پوری اسکیم پہلے ہی مرتب ہو چکی تھی۔ حمید نے پروفیسر سے کوکین فروشوں کے گروہ کے ایک نمائندے کی حیثیت سے ملاقات کی اور اسے کوکین دینے کا لالچ دلا کر مالی کے جھونپڑے تک لایا۔ یہاں اسے کوکین میں کوئی تیز قسم کی منشی چیز دی گئی جس کے اثر سے پروفیسر بہت جلد بے ہوش ہو گیا۔

اس کے بعد انسپکٹر فریدی نے اس کے کپڑے خود پہن لئے اور ٹرانسمیٹر کو گٹھڑی میں باندھ کر جھونپڑے سے نکل گیا۔ جھونپڑے سے باہر جس نے اچھل کود مچائی تھی وہ انسپکٹر فریدی ہی تھا۔

جب فریدی کو گئے ہوئے کافی عرصہ ہوگیا تو حمید کا دل گھبرانے لگا۔ اس نے سوچا کہ کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو۔ ہر چند کہ فریدی نے اسے بے ہوش پروفیسر کو سوتا چھوڑ کر کہیں جانے کی اجازت نہ دی تھی لیکن اس کا دل نہ مانا۔ وہ پروفیسر کو سوتا چھوڑ کر پرانی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا۔ مینار میں وہ اس وقت داخل ہوا جب سلیم جا چکا تھا۔ ٹرانسمیٹر چور چور ہو کر فرش پر بکھرا ہوا پڑا تھا اور فریدی ابھی تک اسی طرح پڑا تھا۔ حمید بدقت تمام اپنی چیخ روک سکا۔ اس نے دوڑ کر فریدی کو اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ بے ہوش تھا...... بظاہر کہیں کوئی چوٹ نہ معلوم ہوتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد کراہ کر اس نے کروٹ بدلی۔ حمید اسے ہلانے لگا...... وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔

’’تم.....!‘‘ اس نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ ’’وہ مردود کہاں گیا.....؟‘‘

’’کون.....؟‘‘

’’وہی سلیم.....!‘‘ فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ’’افسوس ہاتھ آ کر نکل گیا۔‘‘ پھر اس نے جلدی جلدی سارے واقعات بتا دیئے۔

’’اس نے تو اپنی دانست میں مار ہی ڈالا تھا۔‘‘ فریدی نے کہا۔ ’’لیکن جیسے ہی اس نے گولی چلائی..... میں نے پھر ایک بار اسے دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ لیکن بُرا ہوا اس دوربین کا کہ سب کیا دھرا خاک میں مل گیا۔ اگر میرا سر اس سے نہ ٹکرا جاتا تو پھر میں نے پالا مار لیا تھا۔ ارے اس ٹرانسمیٹر کو کیا ہوا..... توڑ دیا کم بخت نے۔ ایسا دلیر مجرم آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا.....!‘‘

’’آیئے..... تو چلئے اُسے تلاش کریں۔‘‘ حمید نے کہا۔

’’پاگل ہوئے ہو..... اب تم اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔ وہ معمولی ذہانت کا آدمی نہیں۔‘‘ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ’’دیکھوں تو آپریشن کا کیا رہا.....!‘‘

اس نے دوربین کے شیشے سے آنکھ لگا دی۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔

’’ارے.....!‘‘ وہ چونک کر بولا۔ ’’یہ پائپ کے سہارے دیوار پر کون چڑھ رہا ہے۔‘‘

’’سلیم..... اس کا کیا مطلب..... ارے وہ تو کھڑکی کے قریب پہنچ گیا..... یہ اس نے جیب سے کیا چیز نکالی..... ہیں..... یہ نلکی کیسی..... ارے لو غضب وہ نلکی کو ہونٹوں میں دبا رہا ہے..... قتل قتل..... حمید اب ڈاکٹر شوکت اتنی خاموشی سے قتل ہو جائے گا کہ اس کے قریب کھڑی نرس کو بھی اس کی خبر نہ ہوگی۔ اُف کیا کیا جائے..... جتنی دیر میں ہم وہاں پہنچیں گے وہ اپنا کام کر چکا ہوگا۔ کم بخت پستول بھی تو اپنے ساتھ لیتا گیا۔‘‘

’’پستول میرے پاس ہے.....!‘‘ حمید نے کہا۔

’’لیکن بے کار..... اتنی دور سے پستول کس کام کا..... اوہ کیا کیا جائے۔ اس کی نلکی میں وہ زہریلی سوئی ہے۔ ابھی وہ ایک پھونک مارے گا اور سوئی نلکی سے نکل کر ڈاکٹر شوکت کے جا لگے گی۔ اُف میرے خدا..... اب کیا ہوگا۔ وہ شاید نشانہ لے رہا ہے۔ اوہ ٹھیک یاد آ گیا..... میں نے وہ رائفل نیچے دیکھی تھی۔ ٹھہرو..... میں ابھی آیا!‘‘ فریدی یہ کہہ کر دوڑتا ہوا نیچے چلا گیا۔ واپسی پر اس کے ہاتھ میں وہی چھوٹی سی ہوائی رائفل تھی جو اس نے پروفیسر کے ہاتھ میں دیکھی تھی۔ اس نے اسے کھول کر دیکھا۔ اس کی میگزین میں کئی کارتوس باقی تھے۔

’’ہٹو..... ہٹو..... کھڑکی سے جلدی ہٹو۔ اس نے کھڑکی سے نشانہ لیا۔ بیمار کے کمرے سے آتی ہوئی روشنی میں سلیم کا نشانہ صاف نظر آ رہا تھا۔ فریدی نے رائفل چلا دی۔ سلیم اچھل کر ایک دھماکے کے ساتھ زمین پر آ رہا.....!‘‘

’’وہ مارا.....!‘‘ اس نے رائفل پھینک کر زینے کی طرف دوڑتے ہوئے کہا۔ حمید بھی اس کے پیچھے تھا۔ یہ لوگ اس وقت پہنچے جب بیگم صاحبہ، نجمہ، ڈاکٹر توصیف اور کئی ملازمین وہاں اکٹھے ہو چکے تھے۔ عورتوں کی چیخ و پکار سن کر ڈاکٹر شوکت بھی نیچے آ گیا تھا۔

فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ ’’کہو ڈاکٹر آپریشن کا کیا رہا.....‘‘ شوکت چونک کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"تم.....!" اس نے منہ پھاڑے ہوئے حیرت سے کہا۔

"ہاں ہاں میں بھوت نہیں۔ بتاؤ آپریشن کا کیا رہا۔"

"کامیاب.....!" شوکت نے بوکھلا کر کہا۔ "لیکن.....لیکن.....!"

"میں محض تمہارے لئے مرا تھا.....میرے دوست اور یہ دیکھو آج جس نے تمہار
گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالا تھا تمہارے سامنے مردہ پڑا ہے۔"

اب سارے لوگ فریدی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"آپ لوگ براہِ کرم لاش کے قریب سے ہٹ جایئے۔" فریدی نے کہا۔ "اور حمی
ڈاکٹر شوکت کی کار پر تھانے چلے جاؤ۔"

"تم کون ہو.....!" بیگم صاحبہ گرج کر بولیں۔

"محترمہ میں محکمہ سراغ رسانی کا انسپکٹر ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "میں سرکس والے نیا
کے قاتل اور ڈاکٹر شوکت کی جان لینے کی کوشش کرنیوالے کی لاش تھانے میں لے جانا چاہتا ہوں
"نہ جانے تم کیا بک رہے ہو۔" نجمہ نے آنسو پونچھتے ہوئے تیزی سے کہا۔

"جو کچھ میں بک رہا ہوں اس کی وضاحت قانون کرے گا۔"

انکشاف

ایک ہفتے کے بعد نجمہ اور ڈاکٹر شوکت کوٹھی کے پائیں باغ میں چہل قدمی کر رہے تھے۔

"اُف فوہ کس قدر شریر ہو تم نجمہ.....!" شوکت نے کہا۔ "آخر بیچارے مالیوں کو تنگ
کرنے سے کیا فائدہ؟ یہ کیاریاں جو تم نے بگاڑ دی ہیں۔ مالی اسکا غصہ کسی کے اوپر اتاریں گے۔"

"میں نے اس لئے بگاڑی ہیں یہ کیاریاں کہ میں تمہارا امتحان لینا چاہتی ہوں۔"

"کیا مطلب.....!" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"یہی کہ تم ان کا آپریشن کر کے انہیں پھر ٹھیک کر دو گے۔" نجمہ نے شوخی سے کہا۔

"انہیں تو نہیں.....لیکن شادی ہو جانے کے بعد تمہارا آپریشن کر کے تمہیں بندریا ضرور
دوں گا۔"

"شادی.....بہت خوب.....غالباً تم یہ سمجھتے ہو کہ میں سچ مچ تم سے شادی کر لوں گی۔"

"تم کرو یا نہ کرو لیکن میں تو کر ہی لوں گا۔"

"تو مجھے بندریا بنانے سے کیا فائدہ.....کیوں نہ تمہارے لئے ایک بندریا پکڑ والی
جائے۔ آپریشن کی زحمت سے بچ جاؤ گے۔"

"اچھا ٹھہرو بتاتا ہوں.....ہلو بھائی فریدی۔ آؤ آؤ ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔"

فریدی اور حمید کار سے اتر رہے تھے۔

"نواب صاحب کا کیا حال ہے۔" فریدی نے شوکت سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"اچھے ہیں.....تمہیں یاد کر رہے تھے۔ آؤ چلو اندر چلیں۔"

نواب صاحب گاؤ تکیئے سے ٹیک لگائے انگور کھا رہے تھے۔ فریدی کو دیکھ کر بولے۔

"آؤ آؤ میاں فریدی..... میں آج تمہیں یاد ہی کر رہا تھا۔ میں نے اس وقت تمہیں
دیکھا تھا جب مجھے بولنے کی اجازت نہ تھی۔ آج کل تو میرے بیٹے کا حکم مجھ پر چل رہا ہے۔"

نواب صاحب نے شوکت کی طرف پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کو اچھا دیکھ کر مجھے انتہائی مسرت ہے۔" فریدی نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد نواب صاحب نے کہا۔ "فریدی میاں تمہیں
اس بات کا علم کیونکر ہوا تھا کہ شوکت میرا بیٹا ہے۔"

"میں داستان کا بقیہ حصہ آپ کی زبانی سننا چاہتا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں بھئی..... پہلے تم بتاؤ۔" نواب صاحب بولے۔

"میری کہانی زیادہ لمبی نہیں.....صرف دو لفظوں میں ختم ہو جائے گی۔ جب میں پہلی بار
سلیم سے رپورٹر کے بھیس میں ملا تھا.....اس وقت میں نے آپ کے والد ماجد کی تصویر دیکھ کر

اندازہ لگالیا تھا کہ اس کوٹھی کا کوئی فرد ڈاکٹر شوکت کو کیوں قتل کرنا چاہتا ہے۔ شوکت کی شکل ہو بہو نواب صاحب مرحوم کے ملتی ہے لیکن مجھے حیرت ہے کہ جس بات کا علم ڈاکٹر شوکت کو نہیں تھا اس کا علم سلیم کو کیونکر ہوا۔"

"غالباً میں بیہوشی کے دوران میں کچھ بک گیا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سلیم زیادہ میرے قریب ہی رہتا تھا۔ فریدی میاں یہ ایک بہت ہی پر درد داستان ہے۔ میں تمہیں شروع سے سناتا ہوں۔ شوکت کی ماں ہمارے خاندان کی نہ تھی۔ لیکن وہ کسی نچلے طبقے سے بھی تعلق نہ رکھتی تھی۔ ان میں صرف اتنی خرابی تھی کہ ان کے والدین ہماری طرح دولت مند نہ تھے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو بے حد چاہتے تھے لیکن والد صاحب مرحوم کے ڈر سے کھلم کھلا شادی نہ کر سکتے تھے۔ لہٰذا ہم نے چھپ کر شادی کر لی۔ ایک سال کے بعد شوکت پیدا ہوا لیکن اس کی پیدائش کے چھ ماہ بعد ہی وہ ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو گئیں۔ اسی حالت میں وہ دو سال تک زندہ رہیں۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو جاگیردارانہ ماحول سے الگ رکھ کر اعلیٰ تعلیم دلائیں۔ وہ ایک رحم دل خاتون تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ ان کا بیٹا ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر کے خدمت خلق کرے۔ یہ ان کا خیال تھا اور بالکل درست تھا۔ کہ جاگیردارانہ ماحول میں پلے ہوئے بچے کے دل میں غریبوں کا درد قطعی نہیں ہو سکتا۔ جب وہ دم توڑ رہی تھی تو انہوں نے مجھ سے وعدہ لے لیا تھا کہ اس وقت تک میں شوکت پر یہ بات ظاہر نہ کروں گا جب تک وہ ان کی خواہش کے مطابق ایک اچھے کردار کا مالک نہ ہو جائے گا۔ پھر انہوں نے شوکت کو سیتا دیوی کے سپرد کر دیا۔ میں خفیہ طور پر سیتا دیوی کی مدد کیا کرتا تھا۔ خدا جنت نصیب کرے اسے بڑی خوبیوں کی مالک تھی۔ آخر کار اس نے شوکت کے لئے جان دے دی۔ شوکت کی ماں کے انتقال کے بعد میرا دل ٹوٹ گیا اور پھر میں نے دوسری شادی نہیں کی اور دنیا یہی سمجھتی رہی کہ میں ساری زندگی کنوارا ہی رہا۔"

نواب صاحب نے پھر شوکت اور نجمہ کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "اب میری زندگی میں پھر سے بہار آ گئی ہے..... اے خدا..... اے خدا.....!" ان کی آواز گلوگیر ہو گئی

اور ان کی آنکھوں میں آنسو چھلک پڑے۔

"فریدی میاں.....!" نواب صاحب بولے۔ "اس سلسلے میں تمہیں جو پریشانیاں اٹھانی پڑی ہیں ان کا حال مجھے معلوم ہے۔ بخدا میں تمہیں شوکت سے کم نہیں سمجھتا۔ تم بھی مجھے اتنے ہی عزیز ہو جتنے کہ شوکت اور نجمہ.....!"

"بزرگانہ شفقت ہے آپ کی.....!" فریدی نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا۔

"ہاں بھئی..... وہ بیچارے پروفیسر کا کیا ہوا۔ کیا وہ کسی طرح رہا نہیں ہو سکتا۔" نواب صاحب بولے۔

"تاوقتیکہ کوکین فروشوں کا گروہ گرفتار نہ ہو جائے۔ ضمانت بھی نہیں ہو سکتی۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن میں اسے بچانے کی حتیٰ الامکان کوشش کروں گا۔"

"اچھا بھئی اب تم لوگ جا کر چائے پیو۔ ارے ہاں ایک بات تو بھول ہی گیا۔ اگلے مہینے شوکت اور نجمہ کی شادی ہو رہی ہے۔" نواب صاحب نے نجمہ اور شوکت کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی سے کہے دیتا ہوں فریدی میاں کہ تمہیں اور حمید صاحب کو شادی سے ایک ہفتہ قبل ہی چھٹی لے کر یہاں آ جانا پڑے گا۔"

"ضرور ضرور.....!" فریدی نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مبارک ہو.....!"

نجمہ اور شوکت نے شرما کر سر جھکا لیا۔

تھوڑی دیر کے بعد چاروں ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"بھئی فریدی تم کب شادی کر رہے ہو؟" ڈاکٹر شوکت نے چائے کا گھونٹ لے کر پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"کس کی شادی.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اپنی بھئی.....!"

"اوہ..... میری شادی.....!" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "سنو میاں شوکت اگر میری شادی ہوتی تو تمہاری شادی کی نوبت نہ آتی۔"

''وہ کیسے.....؟''

''سیدھی سی بات ہے۔ اگر میری شادی ہوگئی ہوتی تو میں بچوں کو دودھ پلاتا یا رسائی کرتا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ کوئی شادی شدہ شخص کامیاب جاسوس ہو ہی نہیں سکتا۔''

''تب تو مجھے ابھی سے استعفیٰ دینا چاہئے۔ میں شادی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔'' حمید نے اتنی معصومیت سے کہا کہ سب ہنسنے لگے۔

''تو پھر کیا تم ساری زندگی کنوارے ہی رہو گے۔'' شوکت نے کہا۔

''ارادہ تو یہی ہے۔'' فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

''بھئی تم بُری طرح سگار پیتے ہو۔ تمہارا پھیپھڑا بالکل سیاہ ہوگیا ہوگا۔'' ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

''اگر سگار بھی نہ پیئوں تو پھر زندگی میں رہ ہی کیا جائے گا۔''

''تو یہ کہئے کہ سگار ہی شریک زندگی ہے۔'' نجمہ ہنس کر بولی۔

حمید قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔ بقیہ لوگ صرف مسکرا کر رہ گئے۔ حالانکہ یہ کوئی ایسا پر مذاق جملہ نہیں تھا۔ لیکن فریدی حمید کی عادت سے واقف تھا۔ وہ عورتوں کے پھوہڑ جملوں پر خوب محظوظ ہوا کرتا تھا۔

''ہاں بھئی فریدی یہ بتاؤ کہ تم مرے کس طرح تھے۔ مجھے یہ آج تک معلوم نہ ہو سکا۔'' ڈاکٹر شوکت نے پوچھا۔

''یہ ایک لمبی داستان ہے لیکن میں مختصراً بتاؤں گا۔ مجھے شروع ہی سے سلیم پر شبہ تھا لیکن میں نے شروع ہی میں ایک بنیادی غلطی کی تھی۔ جس کی بناء پر مجھے مرنا پڑا۔ حالانکہ میں پہلے سے جانتا تھا کہ نیپالی کا قاتل ہم لوگوں کا پیچھا کر رہا ہے اور وہ ہم لوگوں کو اچھی طرح پہچانتا ہے۔ اس سلسلے میں مجھ سے جو غلطی ہوئی وہ یہ تھی کہ میں سلیم سے رپورٹر کے بھیس میں ملا تھا۔ وہ مجھے پہچان گیا اور اس نے واپسی پر مجھ پر ہوائی رائفل سے فائر کیا۔ لیکن ناکام رہا۔ اس نے رائفل پروفیسر کے ہاتھ میں تھما دی اور خود غائب ہوگیا۔ پروفیسر کے متعلق تو تم جانتے ہو کہ

کچھ خبطی سا واقع ہوا ہے۔ سلیم اسے اپنا آلہ کار بنائے ہوئے تھا۔ کئی سال کی بات ہے جب پروفیسر یہاں نہیں آیا تھا اچھا خاصا تھا وہ ان دنوں ایک تجربہ کر رہا تھا۔ اس نے چاند کا سفر کرنے کے لئے ایک غبارہ بنایا تھا۔ تجربہ کے لئے اس نے پہلی بار اپنے اسسٹنٹ نعیم کو اس غبارے میں بٹھا کر اڑایا، شاید نعیم غبارے کو اتارنے کی تدبیر بھول گیا تھا یا یہ کہ اس کی مشین خراب ہوگئی تھی۔ غبارہ پھر پروفیسر کی دانست میں زمین کی جانب نہ لوٹا حالانکہ اس کا خیال غلط تھا۔ نعیم غبارے سمیت مدراس کے ایک گاؤں میں گرا حالانکہ اسے کافی چوٹیں آئی تھیں لیکن گاؤں والوں کی تیمارداری اور دیکھ بھال کی بناء پر بچ گیا۔ اسی دوران اسے ایک بازاری لڑکی سے عشق ہوگیا اور وہ وہیں رہ گیا۔ پروفیسر ان سب باتوں سے ناواقف تھا۔ وہ خود کو مجرم سمجھ رہا تھا۔ اس پریشانی میں وہ قریب قریب پاگل ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے شہر کی سکونت ترک کردی اور راج روپ نگر میں آ گیا۔ نعیم نے اسے خط لکھے جو اس کی پرانی قیام گاہ سے پھرتے پھراتے یہاں راج روپ نگر پہنچے۔ وہ خطوط کسی طرح سلیم کے ہاتھ لگ گئے اور اس طرح اسے ان واقعات کا علم ہوگیا۔ اب اس نے پروفیسر پر اپنی واقفیت کی دھونس جما کر بلیک میل کرنا شروع کیا۔ مجھے ان سب باتوں کا علم اس وقت ہوا جب میں ایک رات چوروں کی طرح اس کوٹھی میں داخل ہوا اور سلیم کے کمرے کی تلاشی لی۔ نعیم کے لکھے ہوئے خطوط اچانک مل گئے۔ اس طرح میں معاملات کی تہہ تک پہنچ گیا اور اسی وقت میں اس نتیجہ پر بھی پہنچا کہ مجھ پر گولی سلیم ہی نے چلائی تھی۔ کیونکہ پروفیسر تو اس رائفل کے استعمال سے ناواقف تھا۔

میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ ہاں تو بات میرے مرنے کی تھی۔ جب میں سلیم اور ڈاکٹر توصیف سے مل کر واپس جا رہا تھا۔ سلیم نے راستے میں دھوکا دے کر مجھے روکا اور جھاڑیوں کی آڑ سے مجھ پر گولیاں چلانے لگا۔ میں نے بھی فائر کرنے شروع کر دیئے۔ اسی دوران میں اچانک مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور میں نے تہیہ کرلیا کہ مجھے کسی نہ کسی طرح یہ ثابت کرنا چاہئے کہ اب میرا وجود اس دنیا میں نہیں، ورنہ ہوشیار مجرم ہاتھ آنے سے رہا۔ لہٰذا میں نے ایک چیخ ماری اور بھاگ کر اپنی کار میں آیا اور شہر کی طرف چل پڑا۔ میں سیدھا ہسپتال پہنچا اور

وہاں کمپاؤنڈ میں موٹر سے اترتے وقت غش کھا کر گر پڑا۔ لوگوں نے مجھے اندر پہنچایا۔ میں
ڈاکٹر کو اپنی ساری اسکیم سے آگاہ کر دیا اور اپنے چیف کو بلوا بھیجا۔ اسے بھی میں نے سب
بتایا۔ پھر وہاں سے میرے جنازے کا انتظام شروع ہوا۔ قسمت میرے ساتھ تھی اس دن اتفا
سے ہسپتال میں ایک لاوارث مریض مر گیا تھا۔ میرے محکمہ کے لوگ اسے اسٹریچر پر ڈال
اچھی طرح ڈھانک کر میرے گھر لے آئے۔ پڑوسی اور دوسرے جاننے والے اسے میری لا
ہی سمجھے۔ میری موت کی خبر اسی دن شام کے اخبارات میں شائع ہو گئی تھی۔ پھر میں نے ا
رات حمید کو ایک نیپالی کے بھیس میں ڈاکٹر توصیف کے پاس بھیجا اور اسے تاکید کر دی کہ
میری راج روپ نگر میں آمد کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہے۔ لہٰذا یہ بات چھپی ہی رہی
اس دن میں راج روپ نگر گیا تھا۔ اس طرح سلیم دھوکا کھا گیا۔ اسے اطمینان ہو گیا کہ اس
شبہ کرنیوالا اب اس دنیا سے چل بسا اور اب وہ نہایت آسانی کیساتھ اپنا کام انجام دے سکےگا۔
میں چاہتا تھا کہ تمہیں کسی طرح راج روپ نگر لے جاؤں۔ لہٰذا میں نے ڈاکٹر توصی
سے دوبارہ کہلوا بھیجا کہ ذرا جلد از جلد تمہیں راج روپ نگر لے جائے۔ جب تم وہاں پہنچ
میں سائے کی طرح تمہارے پیچھے لگا رہا۔ تمہاری کار میں نے ہی خراب کی تھی۔ مجھے یہ پہلے
معلوم تھا کہ اس وقت کوٹھی میں کوئی کار موجود نہیں ہے لہٰذا میں نے یقین کر لیا کہ تم اس صورت
میں پیدل ہی جاؤ گے۔ مجھے یہ بھی یقین تھا کہ سلیم تمہیں نواب صاحب کے آپریشن سے پہلے
ہی ختم کرنے کی کوشش کرے گا لہٰذا میں نے اسے موقع واردات ہی پر گرفتار کرنے کے لئے
تمہیں لے جانا چاہتا تھا لیکن اس کم بخت نے وہ حربہ استعمال کیا جس کا مجھے گمان تک نہ تھا۔
واقعی قسمت کے اچھے تھے کہ وہ سوئی پروفیسر کے ہاتھ سے گر گئی ورنہ تم ختم ہو جاتے اور مجھے
بھی نہ چلتا۔ اس کے بعد تم قصبے میں چلے گئے اور میں ایک مالی کے خالی جھونپڑے میں بیٹھ
پلان بناتا رہا۔ یہ تو مجھے تمہاری زبانی معلوم ہو گیا تھا کہ تم شام کو بھی پیدل ہی آؤ گے۔
دوران مجھے پروفیسر کے بارے میں کچھ اور باتیں بھی معلوم ہوئیں۔ مثلاً ایک تو یہی کہ وہ کوکی
کھانے کا عادی ہے اور غیر قانونی طریقہ پر اسے حاصل کرتا ہے لو بھلا دیکھو باتوں ہی باتوں

میں بہکتا چلا جا رہا ہوں۔ باقی حالات بتانے سے کیا فائدہ..... وہ تو تم جانتے ہی ہو گے۔
بہر حال یہ تھی میرے مرنے کی داستان۔"

"خدا تمہاری مغفرت کرے۔" ڈاکٹر شوکت نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو فریدی بھائی.....اب تو آپ کی ترقی ہو جائے گی۔ دعوت میں ہمیں نہ بھولئے گا۔"
نجمہ نے مسکرا کر کہا۔

"میں ترقی کب چاہتا ہوں۔ اگر ترقی ہو گئی تب تو مجھے شادی کرنی پڑے گی۔ کیونکہ اس
صورت میں مجھے آفس ہی میں بیٹھ کر مکھیاں مارنی پڑیں گی۔ پھر دن بھر مکھیاں مارنے کے بعد گھر
پر تو مجھ سے مکھیاں نہ ماری جائیں گی اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گھر پر مکھیاں مارنے کے لئے مجھے
ایک عدد بیوی کا انتظام کرنا ہی پڑے گا جو میرے بس کا روگ نہیں۔"

"نجمہ شاید تم یہ نہیں جانتیں کہ ہمارے فریدی صاحب سراغ رسانی کا شوق پورا کرنے
کے لئے اس محکمے میں آئے ہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ "ورنہ یہ خود کافی مالدار آدمی ہیں اور
اتنے کنجوس ہیں کہ خدا کی پناہ۔"

"اچھا..... یہ میں آج ایک نئی خبر سن رہا ہوں کہ میں کنجوس ہوں۔ کیوں بھائی میں کنجوس
کیسے ہوں۔"

"شادی نہ کرنا کنجوسی نہیں تو اور کیا ہے۔" نجمہ نے کہا۔

"اچھا بھائی حمید اب چلنا چاہئے ورنہ کہیں یہ لوگ سچ مچ میری شادی نہ کرا دیں۔"
فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ابھی بیٹھئے نا..... ایسی جلدی کیا ہے۔" نجمہ بولی۔

"نہیں بہن اب چلوں گا۔ کئی ضروری کام ابھی تک ادھورے پڑے ہیں۔"

نجمہ اور شوکت دونوں کو کار تک پہنچانے آئے۔ دونوں کے چلے جانے کے بعد شوکت
بولا۔ "ایسا حیرت انگیز آدمی میری نظروں سے نہیں گزرا۔ پتہ نہیں پتھر کا بنا ہے یا لوہے کا.....
میں نے آج تک اسے یہ کہتے نہیں سنا کہ آج میں بہت تھکا ہوا ہوں۔"

''اس کے برخلاف سرجنٹ حمید بالکل مرغی کا بچہ معلوم ہوتا ہے۔'' نجمہ ہنس کر بولی۔

''کیوں.....؟''

''نہ جانے کیوں مجھے اس کی ناک دیکھ کر مرغی کے بچے یاد آجاتے ہیں۔''

''بہرحال آدمی خوش مزاج ہے۔ اچھا آؤ اب اندر چلیں..... سردی تیز ہوتی جارہی ہے۔''

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 2

خوفناک جنگل

(مکمل ناول)

پبلشرز

جاسوسی دنیا کا دوسرا ناول ''خوفناک جنگل'' ملاحظہ فرمائیے۔ جس کے اب ت
بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

کہانی جنگل میں ایک عورت کی لاش سے شروع ہوتی ہے اور پھر محیر العقول سنسنی خیز واقعات کے جھرمٹ میں آگے بڑھتی ہوئی اپنے منطقی انجام کو پہنچتی ہے۔

یہ فریدی اور حمید کے ابتدائی دور کی کہانی ہے۔ جب انہیں موجودہ دور کی سہو
اور وسائل میسر نہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ فریدی کی ذہانت اور اس کی بھر
شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ وہ کس ہوشیاری اور نفسیاتی طر
سے مجرم پر ہاتھ ڈالتا ہے اسے دیکھ کر آپ حیران رہ جائیں گے۔

تفریحی ادب میں ابن صفی کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔ ان
تحریروں میں قانون کی بالا دستی مجرموں کی بیخ کنی اور ہلکے پھلکے طنز و مزاح کی چا
آپ کو ہر جگہ ملے گی۔ یہ بات بلا کسی خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اردو میں ابن
سے زیادہ کوئی اور مصنف نہیں پڑھا گیا اور نہ ہی تعداد کے اعتبار سے ان کی تصا
کے ہدف کو کوئی دوسرا عبور کرسکا ہے۔

اب ''خوفناک جنگل'' پڑھیے اور ابن صفی کے فن کو داد دیجیے۔

پبلشر

جنگل میں فائر

گرمیوں کی ایک تاریک رات تھی۔ کوتوالی انچارج انسپکٹر سدھیر گھنٹوں کروٹیں بدلنے کے بعد بمشکل آدھا گھنٹہ سوئے ہوں گے کہ ایک سب انسپکٹر نے آکر جگا دیا۔

''کیا ہے بھئی، کیا آفت آ گئی'' وہ جھلاتے ہوئے بولے۔

''کیا بتاؤں صاحب عجیب مصیبت میں جان ہے۔ شاید پھر کوئی قتل ہو گیا ہے۔'' سب انسپکٹر نے کہا۔

''شاید قتل ہو گیا ہے......؟ کیا مطلب......؟''

''ایک آدمی دھرم پور کے جنگلوں میں ایک لاش دیکھ کر اطلاع دینے آیا ہے۔''

''اس وقت دھرم پور کے جنگلوں میں اس آدمی کو کیا کام، میرے خیال سے دو بج رہے ہوں گے۔'' انسپکٹر سدھیر نے شب خوابی کا لبادہ اتارتے ہوئے کہا۔

''میں نے اس سے سوالات نہیں کیے۔ سیدھا یہاں چلا آیا۔'' سب انسپکٹر نے جواب دیا۔

دونوں تیز قدموں سے چلتے ہوئے دفتر پہنچے۔ انسپکٹر سدھیر نے اطلاع لانے والے اجنبی کو گھور کر دیکھا۔ وہ ایک خوش پوش نوجوان تھا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نظر آرہے تھے۔ ٹائی کی گرہ ڈھیلی ہو کر کالر کے نیچے لٹک آئی تھی۔ بالوں پر جمی ہوئی گرد سے ظاہر ہو رہا تھا

کہ وہ بہت دور کا سفر کر کے آ رہا ہے۔ اس کی سانس ابھی تک پھول رہی تھی۔

''کیوں صاحب...... کیا بات ہے؟'' سدھیر نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

''میں ابھی ابھی...... دھرم پور کے جنگل میں ایک عورت کی لاش دیکھ کر آ رہا ہوں
نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

''لیکن آپ اس وقت دھرم پور کے جنگل میں کیا کر رہے تھے۔'' سدھیر نے کہا۔

''میں دراصل جلال پور سے واپس آ رہا تھا۔''

''جلال پور سے......؟ جلال پور یہاں سے تقریباً بیس میل کے فاصلے پر ہے۔ آپ
سواری پر آ رہے تھے؟''

''موٹر سائیکل پر...... جب میں جوزف روڈ سے پیٹر روڈ کی طرف مڑنے لگا تو میں
سڑک کے کنارے ایک عورت کی لاش دیکھی۔ اس کا بلاؤز خون سے تر تھا۔ اُف
خدا...... کتنا بھیانک منظر تھا...... میں زندگی بھر نہ بھلا سکوں گا۔''

''تو آپ جلال پور میں رہتے ہیں۔''

''جی نہیں...... میں یہیں اسی شہر میں رہتا ہوں۔ ایک دوست سے ملنے جلال پور گیا

''تو اتنی رات گئے وہاں سے واپسی کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔''

''جناب والا! میں یہ قتل خود کر کے آپ کو اطلاع دینے نہیں آیا۔'' اجنبی نے
جھنجھلا کر کہا۔

''میں نے ایک لاش دیکھی اور ایک شہری ہونے کی حیثیت سے اپنا فرض سمجھا کہ
کو اطلاع دے دوں۔''

''ناراض ہونے کی ضرورت نہیں......!'' سدھیر نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں بھی اپنا
ہی ادا کر رہا ہوں...... آپ کا کیا نام ہے؟''

''مجھے رندھیر سنگھ کہتے ہیں۔''

''آپ کیا کام کرتے ہیں؟''

''اُف میرے خدا! میں نے یہاں آ کر سخت غلطی کی۔'' اجنبی نے قدرے پریشانی کے
لہجہ میں کہا۔ ''ارے صاحب میں آپ کے ساتھ ہی چلوں گا۔''

''چلنا تو پڑے گا ہی...... خیر اچھا آپ بہت زیادہ پریشان معلوم ہوتے ہیں، پھر سہی......
داروغہ جی ذرا جلدی سے تین کانسٹیبلوں کو تیار کر لیجئے اور اس وقت ڈیوٹی پر جو ڈرائیور ہو اسے
بھی بلوا لیجئے۔''

تھوڑی دیر بعد پولیس کی لاری پیٹر روڈ پر دھرم پور کی طرف جا رہی تھی۔ رات حد درجہ
تاریک تھی۔ سناٹے میں لاری کی آواز ایسی معلوم ہو رہی تھی جیسے بے شمار خبیث ارواح ایک
ساتھ مل کر چیخ رہی ہوں۔ لاری کے برقی لیمپوں کی روشنی دور تک سڑک پر پھیل رہی تھی۔
سڑک کے موڑ سے تقریباً دو فرلانگ ادھر ہی ایک بڑا سا درخت سڑک پر گرا ہوا نظر آیا۔

''ارے یہ کیا......؟'' اجنبی چونک کر بولا۔

لاری درخت کے پاس آ کر رک گئی۔

''میں آپ سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ابھی آدھ گھنٹہ قبل جب میں ادھر سے گزرا ہوں تو
یہ درخت یہاں نہیں تھا۔'' اجنبی نے پریشان لہجے میں کہا۔

سب لوگ لاری سے اتر آئے۔

''آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ آپ کی بات پر کسے یقین آئے گا۔ ظاہر ہے آج آندھی
بھی نہیں آئی۔ یہ بھی صاف ہے کہ درخت کاٹا گیا ہے اور آدھ گھنٹے میں اتنے موٹے تنے
والے درخت کا کاٹ ڈالنا آسان کام نہیں۔''

''اب میں آپ سے کیا عرض کروں۔'' اجنبی نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے
ہوئے کہا۔

''خیر یہ بعد میں سوچا جائے گا۔'' کوتوالی انچارج تیز لہجے میں بولا۔ ''اب وہ جگہ یہاں
سے کتنی دور ہے؟''

''زیادہ سے زیادہ دو ڈھائی فرلانگ......!'' اجنبی نے جواب دیا۔

لاری وہیں چھوڑ کر یہ پارٹی ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھی۔ تاریک سڑک پولیس والوں کے بھاری بھرکم جوتوں کی آواز سے گونج رہی تھی۔

''اُف میرے خدا......!'' اجنبی نے چلتے چلتے رک کر کہا۔

''کیوں کیا بات ہے۔'' کوتوالی انچارج بولا۔

''کہیں میں پاگل نہ ہوجاؤں۔'' اجنبی نے بے چینی میں اپنی ناک رگڑتے ہوئے کہا۔

''اے مسٹر! تمہارا مطلب کیا ہے۔'' کوتوالی انچارج نے گرج کر کہا۔

''میں نے وہ لاش یہیں دیکھی تھی......مگر......مگر......!''

''مگر مگر کیا کررہے ہو...... یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔''

''یہی تو حیرت ہے۔''

''سرکار یہاں بھوت پریت بھی بکثرت رہتے ہیں۔'' ایک کانسٹیبل منمناتی ہوئی آواز میں بولا۔

''بکومت!'' کوتوالی انچارج چیخ کر بولا۔ ''اسکا غصہ اپنی انتہائی منزلیں طے کررہا تھا۔

''میں تو بڑی مشکل میں پھنس گیا۔'' اجنبی گلوگیر آواز میں بولا۔

''ابھی کہاں...... اب پھنسیں گے آپ مشکل میں۔'' کوتوالی انچارج نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''خواہ مخواہ پریشان کیا، کیا تم نے رک کر قریب سے لاش دیکھی تھی۔''

''جی ہاں......اس کے سینے سے خون ابل رہا تھا۔''

''عجیب لاش تھی کہیں زمین پر خون کا دھبہ تک دکھائی نہیں دیتا۔'' کوتوالی انچارج جھک کر ٹارچ کی روشنی میں زمین کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں قسم کھا کر......!''

''بس بس...... رہنے دو۔ خواہ مخواہ وقت برباد کرایا۔'' کوتوالی انچارج نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''میں کہتا ہوں سرکار بھوت......!''

''ٹھائیں......!'' اچانک فائر کی آواز نے سب کو بوکھلا دیا۔ کوتوالی انچارج کا ہاتھ پستول کے کیس ہی پر تھا کہ دوسرا فائر ہوا۔ پھر تیسرا...... چوتھا...... اب ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے بہت سے آدمی بیک وقت بندوقیں چلا رہے ہوں۔ کوتوالی انچارج اور سب انسپکٹر نے اپنے پستول نکال کر درختوں کی آڑ لے لی۔ لیکن انہیں جلدی وہاں سے بھاگنا پڑا کیونکہ ان کے پیچھے سے بھی فائر ہونے شروع ہوگئے تھے۔ دفعتاً ایک چیخ سنائی دی...... پھر دوسری اور ایک سپاہی لڑکھڑا کر گر پڑا۔ پھر اٹھ کر بھاگا۔ یہ لوگ بدقت تمام لاری تک پہنچ گئے۔ جس وقت ڈرائیور لاری بیک کررہا تھا قریب ہی سے دوبارہ فائر ہونے شروع ہوگئے۔

لاری تیز رفتاری سے شہر کی طرف جارہی تھی۔ فائر اب تک سنائی دے رہے تھے۔ ایک سپاہی کے بازو پر گولی لگی تھی۔ وہ سیٹ پر پڑا کراہ رہا تھا۔

''لیکن......وہ......وہ کہاں گیا۔'' سب انسپکٹر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''جہنم میں......!'' کوتوالی انچارج نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''مجھ سے زیادہ احمق شاید روئے زمین پر نہ ملے۔ آخر میں اچھی طرح اطمینان کئے بغیر اس کے ساتھ چلا کیوں آیا۔ کم بخت کا پتہ بھی تو معلوم نہ ہوسکا۔ ہم لوگوں کی جان لینے کی ایک بہتری سازش تھی۔''

''مگر صاحب......وہ کسی طرح بھی جھوٹا نہیں معلوم ہوتا تھا۔'' سب انسپکٹر نے کہا۔

''بائیس سال سے اس محکمے میں جھک نہیں مارتا رہا داروغہ جی۔'' کوتوالی انچارج نے خشک لہجے میں کہا۔ ''ابھی آپ کا تجربہ ہی کتنا ہے۔ میں ایک میل سے مجرم کی بو سونگھ لیتا ہوں۔ وہ شروع ہی سے مشکوک تھا۔ آخر وہی ہوا جس کا کھٹکا تھا۔ مگر یہ کسی بہت بڑے اور منظم گروہ کا کام معلوم ہوتا ہے۔''

''ارے اس کا تو مجھے خیال ہی نہ آیا تھا۔'' سب انسپکٹر جلدی سے بولا۔ ''واللہ بال بال بچ گئے۔''

''البتہ بیچارہ کرن سنگھ بُری طرح زخمی ہوگیا۔'' کوتوالی انچارج نے کہا۔ ''اب میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں سپرنٹنڈنٹ صاحب کو اپنی اس حماقت کا کیا جواب دوں گا۔''

تھوڑی دیر بعد وہ سب چپ ہو گئے۔ البتہ کرن سنگھ کی کراہیں اب تک جاری تھ
غنیمت یہی تھا کہ گولی ہڈی کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر بازو کے گوشت کو چھیدتی ہوئی نکل
تھی۔

"کیوں نہ ہم لوگ پھر وہیں چلیں، اسطرح بھاگ نکلنا تو ٹھیک نہیں۔" سب انسپکٹر نے

"پاگل ہوئے ہو۔" انچارج بولا۔ "ہمارے پاس دو پستولوں کے علاوہ اور ہے ہی
ادھر نہ جانے کتنے ہوں۔ میرا خیال ہے کہ پندرہ بیس سے کم نہ ہوں گے۔"

"عجیب حماقت ہوئی۔" سب انسپکٹر آہستہ سے بولا۔

سڑک پر جوتا

دوسرے دن صبح چھ بجے دھرم پورہ کا جنگل مسلح پولیس کے جوتوں کی آوازوں سے گ
رہا تھا۔ قرب و جوار کے دیہاتوں سے تقریباً تین سو آدمی شبہے میں گرفتار کئے گئے جن پر
میں بے تحاشہ لاٹھیاں اور جوتے برس رہے تھے۔ ان میں سے کئی تو اتنی شدت سے پٹے
کہ انہیں غش آ گیا۔ لیکن نتیجہ صفر...... کوئی خاص سراغ نہ مل سکا۔ آخر چار پانچ گھنٹوں کی مسل
جانفشانی کے بعد معاملہ محکمہ سراغ رسانی کے سپرد کر دیا گیا۔

راج روپ نگر کیس کے شہرت یافتہ انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید کوتوالی پہنچ چکے
واقعات کا علم انہیں پہلے ہی سے تھا لیکن انہوں نے کوتوالی انچارج وغیرہ کے بیانات د
سنے اور ایک چکر دھرم پور کے جنگلوں کا بھی لگا آئے۔ دن بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد جب
کوتوالی واپس آئے تو کئی چہرے طنزیہ انداز میں ان پر مسکرا رہے تھے۔ فریدی تو اس قسم
واقعات کو ہنس کر ٹال دیتا تھا۔ سرجنٹ حمید نے ناک بھوں چڑھائی۔ اسے امید تھی کہ
جلد ہی کوئی سراغ لگا کر اس خفت سے پیچھا چھڑائے گا۔ خود اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا

سوچتے سوچتے دفعتاً اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"انسپکٹر صاحب......!" اس نے فریدی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ بھی کتنے
بدھو ہیں۔"

"کیا مطلب ہے۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"مطلب کیا؟ وہی مثل ہے...... بچہ بغل میں، ڈھنڈورا شہر میں۔ ارے لاحول ولا......
کہنے کا مطلب یہ کہ ملزم کا سراغ مل گیا۔" حمید نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہیں مجھ پر شبہ ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"خیر وہ تو پرانی چیز ہے۔ میری پیٹھ ٹھوکئے...... کہئے تو بتاؤں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ اس وقت ٹھوکنے کی کوئی چیز میرے ہاتھ میں نہیں خیر تم بتاؤ۔"

"موٹر سائیکل...... ملزم نے اپنی موٹر سائیکل رات یہیں چھوڑی تھی نا۔" حمید نے کہا۔

"بہت دیر میں پہنچے...... مجھے صبح ہی کو خیال آیا تھا لیکن اس کی موٹر سائیکل قطعی ایسی نہیں
ہو سکتی جو اس کا پتہ نشان بتا دے۔ فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔"

"پھر بھی دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دونوں کوتوالی انچارج کے ہمراہ وہاں پہنچے جہاں رات ملزم نے اپنی موٹر سائیکل چھوڑی
تھی۔ موٹر سائیکل ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔

"دیکھو...... میں نہ کہتا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "نمبر کی پلیٹ نکال لی گئی ہے۔"

"لیکن کمپنی کا نمبر تو ضرور ہوگا۔" حمید نے جھک کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور یہ بھی ریت
دیا گیا ہے۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔ حمید بھی کھسیانہ ہو کر ہنسنے لگا۔

"ہم لوگ نرے گھامڑ نہیں ہیں...... فریدی صاحب!" کوتوالی انچارج نے ہنس کر کہا۔
"پہلے ہی دیکھ کر اطمینان کر چکے ہیں۔"

"لیکن ٹھہرئیے......!" فریدی نے زمین پر کچھ دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے ایک بات
نہ دیکھی ہوگی۔"

''کیا......؟''

''یہی کہ کمپنی کا نمبر یہیں کوتوالی میں اسی جگہ آج ہی کسی وقت صاف کیا گیا ہے۔''

''جی......!'' کوتوالی انچارج نے حیرت سے دیدے پھاڑتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں...... یہ دیکھئے۔ کیا آپ زمین پر لوہے کی ریت نہیں دیکھ رہے ہیں۔''

''افوہ...... بڑی غفلت ہوئی۔'' کوتوالی انچارج نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''انہیں باریکیوں کے لئے تو ہم خاکساروں کو تکلیف دی جاتی ہے۔'' سرجنٹ حمید نے تن کر سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''لیکن اس سے کیا...... ملزم بہرحال ابھی تک پردہ راز ہی میں ہے۔'' کوتوالی انچارج نے جھنجھلا کر کہا۔

''جی نہیں بس یہ سمجھئے کہ اب وہ ہماری جیب میں رکھا ہوا ہے۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

''خیر دیکھا جائے گا۔ نہ گھوڑا دور نہ میدان۔'' کوتوالی انچارج نے جانے کے لئے مڑتے ہوئے کہا۔

سرجنٹ حمید فاکس ٹراٹ کی دھن میں سیٹی بجانے لگا۔

فریدی کا ذہن مختلف قسم کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف تھا۔ آخر کار وہ کوتوالی انچارج کو مخاطب کر کے بولا۔

''داروغہ جی...... اب یہ بات تو اچھی طرح واضح ہوگئی کہ ملزم یا ملزموں کا نشانہ آپ ہی تھے۔''

''کیوں...... میں ہی تھا۔'' کوتوال چونک کر بولا۔

''آپ کے بیان کے مطابق رات پانچ سب انسپکٹر اور چالیس سپاہی ڈیوٹی پر تھے۔ ان میں سے آپ کسی کو بھی منتخب کر سکتے تھے۔ اس لئے ان میں سے کسی ایک کو مار ڈالنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور ظاہر ہے کہ دھرم پور کوتوالی ہی کے حلقے میں ہے اس لئے قتل وغیرہ کے سلسلے میں موقع واردات پر آپ ہی کا پہنچنا یقینی ہو سکتا ہے۔''

''اوہ...... اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا تھا۔'' کوتوالی انچارج نے بے چینی سے کہا۔

''اب آپ یہ بتائیے کہ آپ کا شبہ کس پر ہے۔''

''بھلا میں کیسے بتاؤں...... شہر کا ہر بدمعاش میرا دشمن ہو سکتا ہے۔'' کوتوالی انچارج نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''بہرحال آپ ہمیں کوئی مدد نہیں دے سکتے۔'' حمید نے ہنس کر کہا۔

''حمید صاحب میں آپ سے استدعا کروں گا......!''

''حمید تم چپ رہو۔'' انسپکٹر فریدی نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''ہاں داروغہ جی کیا پیٹر روڈ کے چوراہے کے قریب کوئی بستی بھی ہے؟''

''ہاں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، پچھمن پور لیکن اس کا فاصلہ وہاں سے تقریباً چار فرلانگ ہوگا۔''

''میرا خیال ہے کہ میں اس وقت وہاں جا کر تفتیش کروں۔'' انسپکٹر فریدی نے کہا۔

''لیکن آپ کو وہاں اس وقت صرف عورتیں اور بچے ملیں گے۔ وہاں کے سارے مرد تو یہیں حوالات میں ہیں۔''

''تب تو اور بھی اچھا ہے۔'' حمید نے اپنا نچلا ہونٹ چاٹتے ہوئے کہا۔ فریدی نے اسے پھر گھور کر دیکھا اور وہ یک بیک سنجیدہ ہوگیا۔ لیکن یہ سنجیدگی اتنی مضحکہ خیز تھی کہ جھلایا ہوا کوتوالی انچارج بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ حمید کی بے وقت کی ظریفانہ حرکتیں فریدی کو اکثر بُری کھل جاتی تھیں۔ اس کی اسی عادت کی بناء پر فریدی عموماً کہا کرتا تھا کہ وہ زندگی بھر ایک اچھا جاسوس نہیں بن سکتا۔

فریدی کو اس کی اس وقت کی بے تکی باتوں پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ لیکن چند لمحوں کے بعد اس کا ذہن پھر اصل مقصد کی طرف آ گیا۔

پچھمن پور کی طرف روانہ ہوتے وقت فریدی نے اس سب انسپکٹر کو بھی ساتھ لے لیا جو رات والے حادثے میں کوتوالی انچارج کے ساتھ تھا۔ آہستہ آہستہ تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ انسپکٹر فریدی کی کار سڑک چھوڑ کر کچے راستے پر چلی جا رہی تھی۔

''انسپکٹر فریدی صاحب! ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ سب انسپکٹر بولا۔ ''خود آپ

بھی ہوتے تو اس کی حالت دیکھتے ہوئے اس کے بیان کی صداقت میں شبہ نہ کرتے۔"

"یہ سب کچھ درست ہے۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں ا
کا صحیح پتہ نشان دریافت کئے بغیر ہرگز اس کے ساتھ نہ جاتا۔ حیرت تو اس بات پہ ہے کہ سرا
صاحب نے روانگی لکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔"

"نہیں صاحب...... روانگی تو لکھی گئی تھی۔" سب انسپکٹر نے جلدی سے کہا۔

"داروغہ جی میں کوئی بچہ تو ہوں نہیں۔ کیا میں اتنا بھی نہیں سمجھ سکتا کہ روانگی حادثے کے
بعد لکھی گئی ہے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"خیر یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آپ ہی نہیں ...... آپ کا محکمہ یوں بھی ہم لوگوں کے متعلق
کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔ لیکن یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ روانگی حادثے کے بعد لکھی
گئی ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے کہ روزنامچے میں اس نمبر کا کوئی کمرہ ہے ہی نہیں اور سرتا
ہوٹل کا ایک ایک چپہ پولیس کا دیکھا ہوا ہے اس جیسے بدنام ہوٹل کا نقشہ تو میرے خیال ے
معمولی سے معمولی کانسٹیبل کے ذہن میں بھی ہوگا کیونکہ پولیس متعدد بار اس پر چھاپہ مار چکی
ہے۔ اصل واقعہ مجھ سے سنئے۔ آپ لوگ بغیر پوچھ گچھ کئے ملزم کے ساتھ چل پڑے تھے۔ بعد
میں سدھیر صاحب کو اس غلطی کا احساس ہوا۔ واپسی پر جب وہ روانگی لکھنے بیٹھے تو گھبراہٹ م
کمرے کا نمبر لکھ گئے۔ میں نے کیس ہاتھ میں لینے کے بعد سب سے پہلے روانگی ہی دیکھی
تھی۔ اس وقت سدھیر صاحب بھی موجود تھے۔ غالباً اسی وقت انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا
اس کے بعد ابھی تھوڑی دیر قبل ملزم کے حلیہ کے لئے مجھے دوبارہ روانگی دیکھنی پڑی۔ آپ کو
سن کر حیرت ہوگی کہ کمرے کا پہلا نمبر بلیڈ سے کھرچ کر اس کی جگہ دوسرا نمبر لکھ دیا گیا تھا
جس کی سیاہی کاغذ کھردرا ہوجانے کی وجہ سے پھیل گئی تھی۔" فریدی خاموش ہو گیا اور سرجنٹ
حمید ہنسنے لگا۔

"صاحب یہ بات میری سمجھ میں تو آئی نہیں۔ واقعی آپ لوگ ہم لوگوں کے بارے میں
بہت بُرے خیالات رکھتے ہیں۔" سب انسپکٹر نے جھینپ مٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہم لوگ آپ لوگوں کے بارے میں بُرے خیالات رکھنے پر مجبور ہیں۔ آخر کوئی حد
بھی ہے۔ کوتوالی میں رکھی ہوئی موٹر سائیکل کا نمبر کوئی ریت کر چلا جائے اور آپ لوگوں کو خبر
بھی نہ ہو۔"

"واقعی یہ چیز ضرور حیرت انگیز ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"اور اسی بناء پر میرا خیال ہے کہ کوتوالی کا کوئی فرد سدھیر صاحب کی جان کا دشمن ہے یا
پھر ان کے دشمنوں سے ملا ہے۔ کوئی باہر کا آدمی اتنی ہمت نہیں کر سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "آپ
کا خیال درست ہے لیکن وہ کون ہوسکتا ہے۔"

"یہی تو دیکھنا ہے۔"

کار پچھن پور میں داخل ہو رہی تھی۔ وہاں تقریباً دو گھنٹے تک چھان بین کرنے کے بعد
بھی کوئی سراغ نہ مل سکا۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوا کہ وہاں کے لوگوں نے فائروں کی آوازیں
سنی تھیں۔ لیکن یہ ان کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی کیونکہ وہاں آئے دن شکاریوں کی بندوقیں چلا
ہی کرتی تھیں۔

واپسی میں سب انسپکٹر نے فریدی سے کہا۔

"انسپکٹر صاحب کیا بتاؤں...... واقعی ہم لوگوں نے سخت غلطی کی کہ ملزم کا پتہ معلوم کئے
بغیر اس کے ساتھ چلے گئے اور یہ بھی صحیح ہے کہ روانگی حادثے سے بعد لکھی گئی تھی۔"

"لیکن مجھے امید ہے کہ آپ لوگ یہ بات اپنے ہی تک رکھیں گے۔"

"مگر یہ کیسے ممکن ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔

فریدی خاموش تھا۔ اس کی نگاہیں باہر اندھیرے میں بھٹک رہی تھیں۔ انگلیوں میں دبا
ہوا سگار بجھ چکا تھا۔ دن بھر کی دوڑ دھوپ کے باوجود بھی کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ یہ
شاید پہلا موقع تھا کہ اس کی تفتیش کا ایک دن اس طرح ضائع ہو رہا تھا۔

"اگر میں نے اس کی کوئی خاص ضرورت نہ سمجھی تو اسے راز ہی رکھوں گا۔" فریدی نے
آہستہ سے کہا اور سگار سلگانے لگ گیا۔

"شکریہ......!" سب انسپکٹر نے اطمینان کا سانس لیا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔

کار کی برقی روشنی تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ یکلخت کے بائیں کنارے کی جھاڑیوں سے تین چار گیدڑ نکل کر سڑک پار کرتے ہوئے دائیں ک کی جھاڑیوں میں گھس گئے۔ انہیں سے ایک کے منہ میں دبی ہوئی کوئی چیز سڑک پر گر پڑی تیزی میں اسے روندتی ہوئی آگے نکلی جارہی تھی کہ دفعتاً فریدی چیخا۔ "حمید......روکو......"

کار ایک جھٹکے سے رک گئی۔

"کیا بات ہے۔" انسپکٹر حیرت زدہ لہجے میں بولا۔

"آیئے......آیئے حمید ذرا مجھے ٹارچ دینا۔" فریدی نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔

ٹارچ کی روشنی سڑک پر پڑے ہوئے جوتے کے گرد دائرہ بنا رہی تھی۔

فریدی نے جوتے کو اٹھا کر ٹارچ کی روشنی میں دیکھنا شروع کیا۔

"جوتا تو نیا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ یہاں کیسے آیا۔" حمید نے کہا۔

"یہ انہیں گیدڑوں میں سے ایک کے منہ میں دبا ہوا تھا۔" فریدی جوتے پر نظ جمائے آہستہ سے بولا۔ اس کے ذہن میں خیالات کا تار سا بندھ کر رہ گیا تھا۔ اس تھو سے وقفے میں یکے بعد دیگرے نہ جانے کتنے خیالات آئے تھے۔ ٹارچ کی روشنی جھاڑیوں سے الجھتا ہوا وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ حمید اور سب انسپکٹر بھی اس کے پیچھے پیچھے رہے تھے۔ انہیں اس کے اس رویہ پر سخت حیرت تھی، لیکن وہ خاموش تھے۔

دفعتاً فریدی رک گیا۔ جھاڑیاں ہٹا کر وہ دوسری طرف کچھ دیکھ رہا تھا۔ سب انسپ حمید بھی رک گئے۔ تھوڑی دیر بعد فریدی مڑ کر بولا۔ "داروغہ جی آپ بھوتوں پر یقین رکھ یا نہیں؟"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس طاری ہوگئی۔

"مطلب یہ کہ اگر آپ اس وقت اس جنگل میں کسی جگہ ایک آدمی کی ٹانگ زمین کے اندر سے نکلی ہوئی دیکھ لیں تو آپ کا کیا حال ہو۔"

"غالباً روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"اچھا تو پہلے تم ہی آؤ......!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید آگے بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اسے پیچھے دھکیل دیا ہو۔ وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"صص......ضرور......بھھو......ت......!" حمید ہکلانے لگا۔

"بس رخصت ہوگئی ساری شرارت......!" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "آیئے داروغہ جی آپ بھی دیکھئے۔"

"جی......جی......میں......!" داروغہ جی حمید کی حالت دیکھ کر آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکے۔

"بھئی کمال کر دیا آپ لوگوں نے۔ آیئے میرے ساتھ۔" فریدی کہتا ہوا جھاڑیوں میں گھس گیا۔ حمید اور سب انسپکٹر کو بھی طوعاً و کرہاً ساتھ دینا ہی پڑا۔ ایک جگہ تھوڑی کھدی ہوئی زمین سے ایک انسانی پیر باہر نکلا ہوا تھا۔ پتلون کا پائینچا کئی جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور ننگے پاؤں میں لمبی لمبی خراشیں تھیں۔

"کیا سمجھے۔" فریدی اپنے دونوں خوفزدہ ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔

دونوں خاموشی سے اس کا منہ تکتے رہے۔

"یہ جوتا اسی پیر کا ہے۔ گیدڑوں نے یہاں کی زمین کھودی ہے۔ وہ لاش کی ایک ٹانگ نکال پائے تھے کہ موٹر کے شور کی وجہ سے انہیں بھاگنا پڑا۔ غالباً وہ اس کی ٹانگ کھینچ کر باہر نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسی جدوجہد میں اس کا جوتا اتر گیا اور ایک گیدڑ لے بھاگا۔"

"ارے بھئی......یوں کھڑے میری صورت کیوں دیکھ رہے ہو۔"

"جو بتایئے وہ کیا جائے۔" سب انسپکٹر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔

"آؤ مٹی ہٹا کر اسے نکالیں۔" فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "حمید تم ٹارچ دکھاؤ۔"

فریدی اور سب انسپکٹر نے مٹی ہٹانی شروع کی۔ ایک گھنٹے کی محنت کے بعد وہ لاش نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔

"ارے......!" سب انسپکٹر چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔

"کیا بات ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"یہ وہی ہے، خدا کی قسم وہی ہے۔" سب انسپکٹر بے اختیار چیخ اٹھا۔ "وہی جو ہمیں کل رات یہاں لایا تھا۔"

"بہر حال......!" فریدی نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ "بعض اوقات میرے ہوائی قلعے بھی سچے ہو جاتے ہیں۔ مجھے شروع ہی سے اس کی اُمید تھی۔"

"بڑا عجیب واقعہ ہے۔ میری تو عقل چکر کھا رہی ہے۔" سب انسپکٹر پریشانی کے لہجے میں بولا۔ تقریباً آدھ گھنٹے تک تینوں مختلف زاویوں سے لاش کے متعلق اظہار خیال کرتے رہے۔

"خیر اب یہاں اس طرح کھڑے رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ آیئے اسے اٹھا کر کار تک لے چلیں۔" فریدی نے سگار ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

پُراسرار ضلع دار

اس نئے انکشاف پر دوسرے دن سارے شہر میں ہلچل مچ گئی۔ اب معاملہ حد درجہ پیچیدہ ہو گیا تھا۔ وہ شخص جسے لوگ مجرم سمجھ رہے تھے خود کسی کا شکار ثابت ہوا۔ لاش ابھی تک کوتوالی ہی میں تھی۔ فریدی اور چند دوسرے جاسوس لاش کا معائنہ کر رہے تھے۔ مقتول ایک قبول صورت اور نوعمر آدمی تھا۔ لباس کی عمدگی سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کوئی متمول آدمی ہے۔ لیکن اس کے پاس سے کوئی چیز برآمد نہ ہوئی جس سے اس کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔ موٹر سائیکل کا لائسنس

نمبر اور کمپنی کا نمبر...... دونوں پہلے ہی غائب ہو چکے تھے۔ فریدی سخت الجھن میں پڑ گیا تھا۔

"کیوں بھئی حمید کیا خیال ہے۔" فریدی نے سرجنٹ حمید سے کہا۔

"ابھی تک تو خیال کا خیال بھی ندارد ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن یہ آپ کس طرح سمجھے کہ یہ آدمی مجرموں کا ساتھی نہیں تھا۔"

"تمہارے اس سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارا ذہن کسی خاص لائن پر کام کر رہا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ کوتوالی انچارج کے بچ نکلنے پر مجرموں نے اپنے ساتھی کو اس لئے موت کے گھاٹ اتار دیا ہو کہ کہیں وہ پولیس کے ہتھے چڑھ کر سارا راز بتا نہ دے۔" سرجنٹ حمید نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" فریدی بولا۔ "اندھیرے میں سہواً بھی گولی لگ جانے کا امکان ہے۔ ہاں یہ بھی درست ہو سکتا ہے لیکن یہ کیونکر مان لیا جائے کہ مجرموں کا ساتھی ہی تھا۔ محض اس لئے کہ ایسی صورت میں اسے دفن کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر انہیں اس بات کا اندیشہ ہوتا تو وہ اس کی وجہ سے پہچان لئے جائیں گے تو وہ اسے کبھی کوتوالی نہ بھیجتے اور اگر انہیں اس کا خدشہ نہیں تھا تو پھر لاش کے دفن کرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ دیکھو ایک لاش کا دفن کرنا آسان کام نہیں۔ اس کے تمام انتظامات مکمل ہونے کے باوجود بھی اس کے لئے کم از کم ایک گھنٹہ چاہئے۔ اگر وہ ان کا ساتھی تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خود بھی اپنی جان دینا چاہتے تھے۔ یا بالکل ہی احمق تھے کیونکہ انہیں اس کا بھی خیال نہ آیا کہ اتنی دیر میں اگر پولیس والے کسی قریب کے گاؤں میں سے کچھ آدمی لے کر واپس آ گئے تو کیا ہوگا۔ اس کی لاش دفن کر دینا ان کے لئے یقیناً بچاؤ کی صورت رکھتا تھا۔ جبھی انہوں نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا۔ جیسا کہ تمہارا خیال ہے کہ یہ حرکت کسی منظم گروہ کی ہے۔ تو یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ ایسا گروہ اپنے کسی پرانے یا آسانی سے پہچان لئے جانے والے آدمی کو ایسے کاموں کیلئے نہیں منتخب کرتا۔ اس کیلئے وہ ہمیشہ کسی نئے آدمی کو پھانستا ہے تاکہ اگر وہ پکڑ لیا جائے تو کسی قسم کا کوئی راز ظاہر نہ ہو سکے۔"

"چلئے میں نے مان لیا" حمید نے کہا۔ "لیکن اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر
خاص طور سے اسی آدمی کو قتل کرنا تھا تو آخر اس قدر ہنگامہ برپا کرنے کی کیا ضرورت
کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے پولیس کو باقاعدہ چیلنج کر کے ایک آدمی کو قتل کیا۔ اس طرح
نے باقاعدہ اپنے گلے ایک مصیبت ڈال لی۔ اگر اسے مارنا ہی مقصود تھا تو یوں ہی
کر دیتے۔"

"تمہاری ذہانت کا میں عرصہ سے قائل ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا یہ ممکن
اس طرح انہوں نے پولیس کو غلط راستے پر لگانے کی کوشش کی ہو۔ فرض کرو کہ میں تمہیں
چاہتا ہوں۔ اگر میں نے تمہیں قتل کر کے دفن کر بھی دیا تو تمہاری گمشدگی یقیناً کچھ دنوں
لوگوں کو تمہارے متعلق سوچنے پر مجبور کر دے گی اور میرے قتل کر دینے کی وجہ اگر ایسی
کچھ لوگ جانتے ہیں تو یہ قتل میرے لئے یقیناً بڑی مصیبت کا باعث ہو جائے گا۔ لیکن
میں ذرا سی بھی ذہانت ہے تو میں تمہیں چھپا کر قتل کرنے کی بجائے کھلم کھلا قتل کر دوں
اس کا طریقہ سنو۔ فرض کرو تم دو بجے رات کو دھرم پور کے جنگلوں سے گزر رہے ہو اور
سمجھ کر یقیناً پولیس کو اس کی اطلاع دینے جاؤ گے اور یہ بھی سمجھ رکھو کہ تمہاری قبر بھی میں
تیار کر رکھوں گا۔ جیسے ہی تم پولیس کو ساتھ لے کر آؤ گے تم لوگوں پر گولیوں کی بوچھاڑ
ہو جائے گی اور دوسروں کو بچاتے ہوئے صرف تم نشانہ بنا لئے جاؤ گے۔ گولیوں کی اندھا
بوچھاڑ سے گھبرا کر دوسرے لوگ بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اس کے بعد میں تمہاری لاش
سے کھدے ہوئے گڑھے میں دفن کر دوں گا۔ واپسی میں جب پولیس والے تمہیں سا
پائیں گے تو تمہارے متعلق ان کا شبہ یقین میں تبدیل ہو جائے گا اور وہ تمہیں مجرم سمجھ کر تم
تلاش شروع کر دیں گے۔ اس طرح ایک طرف تو میں تمہیں قتل بھی کر دوں گا اور تمہیں ہی
بھی بنوا دوں گا اور خود مطمئن ہو کر مزے کروں گا۔ کیا سمجھے......! اور پھر اگر میں زیادہ ذہا
تو پولیس کے شبہے کو مزید تقویت دینے کے لئے تمہاری موٹر سائیکل کے نمبر بھی غائب کر
گا۔ وہ بھی پیچ کوتوالی سے...... لیکن افسوس صد افسوس کہ میں ان کم بخت گیدڑوں کا کچھ نہ

ں گا اور آخرکار انہی کی بدولت میری گرفتاری بھی عمل میں آ جائے گی۔"

"مگر صاحب! نہ جانے کیوں میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ شخص مجرموں کا ساتھی ہے۔" حمید
کہا۔

"بھئی یہ ہے جاسوسی کا معاملہ...... عشق کا مسئلہ تو ہے نہیں کہ دل کے فرمان پر عمل کیا
ئے۔ یہاں تو صرف دماغ کی باتیں تسلیم کی جاتی ہیں۔" فریدی نے بجھے ہوئے سگار کو
تے ہوئے کہا۔

"خیر چلئے! اگر میں اسے مان بھی لوں گا تو درخت والا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔ آدھے
نٹے میں اتنے تناور درخت کو کاٹ گرانا قطعی ناممکن ہے۔"

"تو میں کب کہتا ہوں کہ یہ ممکن ہے کہ درخت کے کاٹنے کا کام صبح ہی سے شروع کر دیا
ہو اور اس کا اتنا حصہ کاٹ کر چھوڑ دیا گیا ہو کہ بقیہ حصہ تھوڑی دیر کی محنت سے کاٹ کر
خت گرایا جا سکے۔ تم نے شاید غور نہیں کیا...... اسی لائن کے کئی اور درخت بھی کاٹے گئے ہیں۔
مجھے لگا یہ کام ڈسٹرکٹ بورڈ کی طرف سے ہو رہا ہے۔ حالانکہ مجھے اس میں شبہ ہے۔ بظاہر
ٹرکٹ بورڈ کے علاوہ کوئی اور ان درختوں کو قانوناً کٹوا بھی نہیں سکتا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ
ئی سرکاری ادارہ اپنی ذمہ داری پر اتنے بڑے درخت کو ایسی خطرناک حالت میں چھوڑ جائے
آدھے گھنٹے کی محنت سے گرایا جا سکے۔ کیونکہ اتنا بھاری بھرکم درخت ایسی حالت میں تیز ہوا کا
جھونکا بھی نہیں برداشت کر سکتا۔"

"واقعی مانتا ہوں۔" حمید نے حیرت سے فریدی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "واللہ آپ کو تو
کاٹ لینڈ یارڈ میں ہونا چاہئے تھا۔ یہ تو میں کہوں گا کہ ماہروں کی کوئی قدر نہیں۔ اب اسی کو
لیجئے کہ آپ آج تک چیف انسپکٹر نہ ہو سکے۔"

"تو میں چیف انسپکٹر ہونا کب چاہتا ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "چیف انسپکٹر ہونے
ے بعد میری حیثیت ایک کلرک کی سی ہو جائے گی اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ میں اس لائن میں
ہ پیدا کرنے نہیں آیا اور نہ مجھے عہدوں ہی کا لالچ ہے۔ میرے پاس اتنا سرمایہ موجود ہے کہ

بیکار رہ کر بھی فارغ البالی کی زندگی بسر کرسکتا ہوں۔ اگر ہندوستان میں پرائیویٹ جا
کے لئے قانوناً کوئی جگہ ہوتی تو مجھے اتنی دردسری مول لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پ
حیثیت سے اپنی کھوجی طبیعت کو تسکین دے لیتا۔''

''آپ کہیں گے میں چاپلوسی کررہا ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''لیکن میں کہے بغیر نہیں
کہ آپ جیسا آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ بعض اوقات تو میں یہ سو
ہوں کہ شاید آپ لوہے کے بنے ہیں۔''

''اور بہت سے لوگ مجھے لوہے کا چنا بھی سمجھتے ہیں۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔

''لیکن یہ آج تک میری سمجھ میں نہ آیا کہ آخر آپ عورتوں سے کیوں دور بھاگ
شادی کیوں نہیں کرتے......؟''

''پھر وہی عورت......!'' فریدی نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''آخر تمہارے
عورت کیوں سوار ہے۔ کہیں سے بات شروع ہو، آپ کی تان ہمیشہ عورت ہی پر ٹوٹتی
کیا حماقت ہے۔''

''آپ اسے حماقت کہتے ہیں۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

''اچھا بکومت......ابھی بہت کام کرنا ہے۔ چلو ڈسٹرکٹ بورڈ کے دفتر چلیں۔''

ڈسٹرکٹ بورڈ کے دفتر میں ان دونوں کی آمد سے بھونچال سا آ گیا۔ معمولی
سے لے کر چیئرمین تک خود کو چور محسوس کرنے لگے۔ لوکل سیلفگورنمنٹ کے کسی بھی
دفتر میں کسی جاسوس کی غیر متوقع آمد وہاں کے کارکنوں کے لئے بڑی معنی خیز ہوتی
کے سارے گزشتہ جرائم اور دھاندلی بازیاں ان کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگتی ہیں اور
غیر شعوری طور پر ہتھکڑیوں کے جوڑے کا انتظام کرنے لگتا ہے۔ لیکن یہاں فریدی کی
نوعیت ہی کچھ اور تھی۔ دفتر کے عملے کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ ان مزدوروں سے ملنا چاہ
دھرم پور کے جنگلوں میں درخت کاٹ رہے تھے تو انکی جان میں جان آئی۔ دھرم پور کے
حادثہ کافی مشہور ہو چکا تھا۔ اسلئے وہ یہی سمجھے کہ یہ لوگ ضمنی تفتیش کے سلسلے میں آئے ہیں

وہاں کے مزدوروں میں سے صرف دو اس وقت موجود تھے۔ فریدی انہیں الگ لے گیا۔

''تم لوگوں نے ایک خطرناک غلطی کی ہے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

''دونوں کے چہرے فق ہوگئے اور وہ ایک دوسرے کیطرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔''

''تم نے وہ درخت سڑک کی طرف کیوں گرایا تھا......؟''

''صاحب! سڑک کیطرف تو ہم لوگوں نے کوئی درخت نہیں گرایا۔'' انمیں سے ایک بولا۔

''یاد کرو وہ پیپل کا درخت جو چوراہے سے کچھ دور ہٹ کر تھا۔''

''نہیں صاحب! ہم ایسی غلطی نہیں کرسکتے۔''

''خیر اگر تم نے گرایا نہیں تھا تو اسے ایسی حالت میں چھوڑ دیا تھا کہ درخت تیز ہوا چلنے پر
خود بخود گر جائے۔''

''نہیں تو......مگر صاحب۔''

''صاف صاف بتاؤ۔'' فریدی تیز لہجہ میں بولا۔

''مجھ سے سنئے صاحب......!'' دوسرا بولا۔ ''اب تو غلطی ہو ہی گئی ہے۔ جو کچھ بھی پڑے
گی بھگتنی ہی ہوگی۔''

''ہاں ہاں ڈرو نہیں......ہمیں غریبوں کا خاص طور پر خیال رہتا ہے۔ مگر سچائی شرط ہے۔''
فریدی اس کا شانہ تھپکتے ہوئے بولا۔

''خدا آپ کو خوش رکھے......ہم لوگ بالکل بے قصور ہیں۔ ہماری غلطی بس......!''

''ہاں ہاں کہو۔''

''صاحب ہوا یہ کہ ہم چار آدمی اس درخت کو کاٹ رہے تھے۔ شام ہوگئی تھی اور درخت
اتنا کٹ گیا تھا کہ اس کی ڈالوں سے رسی پھنسا کر اسے آسانی سے دوسری طرف گرایا جاسکتا
تھا۔ ہم لوگ ستانے لگ گئے تھے اور ارادہ تھا کہ اب اسے دوسری طرف گرادیں کہ اچانک کسی
کے چیخنے کی آواز آئی۔ ہم لوگ چونک پڑے۔ ایک آدمی ہمیں اپنی طرف دوڑتا ہوا دکھائی دیا۔
وہ ''ہائے مار ڈالا...... ہائے لوٹ لیا۔'' کہتا ہوا ہمارے قریب گر پڑا۔ ہم لوگوں کے پوچھنے پر

اس نے بتایا کہ وہ کوٹ آف وارڈ کا ضلع دار ہے۔ گاؤں سے روپیہ وصول کر کے لارہا تھا
اچانک دو آدمیوں نے اسے مار پیٹ کر روپیہ چھین لیا۔ اس کے بیان کے مطابق حادثہ قر
ہی اسی وقت ہوا تھا۔ اس لئے ہم چاروں غل مچاتے ہوئے اس کے بتائے ہوئے راستے
دوڑنے لگے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ تھا۔ ایک جگہ وہ رک گیا اور ایک جھاڑی سے ایک تھیلی
کر ہمیں دکھائی اور کہا کہ اسی تھیلی میں روپے ہیں۔ شاید گھبراہٹ میں یہ ان بدمعاشوں
ہاتھ سے گر گئی۔ اس نے وہ تھیلی زمین پر الٹ دی اور بیٹھ کر روپے گننے لگا۔ واقعی اس تھیلی
سینکڑوں روپے تھے۔ اس نے ہم لوگوں سے کہا کہ ہم اس کے ساتھ شہر چلیں کیونکہ وہ پولیس
میں رپورٹ کرنا چاہتا ہے اور اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں راہ میں وہ بدمعاش پھر نہ مل جائیں۔
لوگوں نے انکار کیا لیکن اس نے ہمیں سو روپے دینے کا وعدہ کر کے راضی کر لیا۔ ہم لوٹ آ
اور کلہاڑے وغیرہ سنبھال کر شہر کی طرف چل پڑے۔ سو روپوں کے لالچ نے ہمیں یہ بھی ن
سوچنے دیا کہ درخت کو خطرناک حالت میں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ شہر پہنچ کر اس نے کہا کہ اب
پولیس میں رپورٹ کرنا بیکار ہی ہے۔ کیونکہ روپے تو مل گئے ہیں پھر وہ ہمیں ایک شراب خا
میں لے گیا۔ ہم لوگ کبھی کبھی دیسی شراب پی لیتے ہیں وہاں انگریزی شراب دیکھ کر ہمارے
منہ میں پانی بھر آیا۔ ہم میں ایک ایسا بھی تھا جو شراب نہیں پیتا تھا، لیکن اور دوسری کھانے
کی عمدہ چیزیں دیکھ کر وہ بھی پینے پر راضی ہو گیا۔ ہمیں کچھ اچھی طرح یاد نہیں کہ ہم نے کتنی پی
بہر حال جب ہمیں ہوش آیا تو ہم نے خود کو ایک ویران قبرستان میں پایا۔ غالباً اس وقت رات
کے تین بج رہے ہوں گے۔ یہ ہے سرکار ہماری رام کہانی۔ اب آپ جو سزا چاہیں دیں۔"

"بہر حال......!" فریدی لمبی سانس لیکر بولا۔ "میں کوشش تو کروں گا کہ تم لوگوں پر کوئی
آنچ نہ آنے پائے۔ اچھا یہ تو بتایئے کہ تم نے اس ضلع دار کو اس سے پہلے بھی کبھی دیکھا تھا"

"جی نہیں...... ہم نے اس سے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا۔"

"اگر تم اسے دیکھو تو پہچان لو گے۔"

"اچھی طرح سرکار...... اچھی طرح۔" دونوں بیک وقت بولے۔

"اچھا اس کا حلیہ تو بتاؤ۔"

"حلیہ کیا بتاؤں سرکار...... اچھا خاصا لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ بڑی بڑی چڑھی ہوئی سیاہ
مونچھیں تھیں۔ آنکھوں پر نیلا چشمہ لگائے تھا۔ رنگ گورا تھا۔ انگریزی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔
بات بات پر بچوں کی طرح ٹھٹھا مار کر ہنستا تھا۔ مگر صاحب اس کے دانت بڑے چمکیلے تھے۔
اس کے دانت بالکل بھیڑیئے کے دانتوں کی طرح معلوم ہو رہے تھے۔ ہنس مکھ آدمی ضرور
لیکن ان دانتوں کی وجہ سے اس کی ہنسی بھی بڑی خوفناک معلوم ہوتی تھی۔"

"تم اسے دیکھ کر پہچان لو گے۔"

"برابر سرکار......!"

"اچھا دیکھو...... ابھی تم نے جو کچھ مجھے بتایا ہے اس کا تذکرہ کسی اور سے نہ کرنا ورنہ پھر
تمہیں نہ بچا سکوں گا۔ اپنے ان دونوں ساتھیوں کو سمجھا دینا کہ اس کے متعلق کسی سے کوئی
بات نہ کریں۔"

"مجال ہے سرکار کہ آپ کے حکم کے خلاف ہو جائے۔ ہم لوگ بالکل چپ رہیں گے۔"

اس کے بعد فریدی اور حمید وہاں سے روانہ ہو گئے۔

"کہو بھئی اب کیا خیال ہے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"بھلا آپ سے غلطی ہو سکتی ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن اب کیا کرنا چاہیئے۔"

"بس دیکھتے رہو...... اب چٹکی بجاتے مجرم ہماری گرفت میں ہوں گے۔" فریدی نے
سگار کیس سے سگار نکالتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ عورت کی لاش والا معاملہ ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا......!" حمید نے سر کھجاتے
ہوئے کہا۔

"یہ کوئی مشکل کام نہیں...... ایک عورت کی لاش تم نہایت آسانی سے تیار کر سکتے ہو۔ وہ
لاش یقیناً نقلی ہوگی۔"

"موٹر سائیکل کے نمبر والا معاملہ بھی عجیب ہے۔ خیر لائسنس کا نکال لینا تو مشکل کام نہیں۔

کمپنی کا نمبر ریتنے کے لئے کافی وقت درکار ہوتا ہے اور حیرت تو اس پر ہے کہ کسی نے ر
کی آواز بھی نہ سنی۔"

فریدی کچھ سوچتے سوچتے چونک پڑا۔

"حمید! میں دراصل اسی لئے تمہیں اپنے ساتھ رکھتا ہوں، تمہارے اس سوال نے
یہ مسئلہ بھی حل کردیا۔ لو سنو کیا تمہیں یاد نہیں کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کی کار بگڑ گئی تھی اور
بار بار انجن اسٹارٹ کر رہا تھا۔ اس انجن کے شور میں بھلا ریتی کی آواز کیسے سنی جا
تقریباً دو گھنٹے کے بعد کار بن سکی تھی۔ اب میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ موٹر سائیکل کا
دوران میں ریتا گیا تھا لیکن ریتنے والا کون ہوسکتا ہے۔ کسی باہری آدمی کی ہمت نہیں پڑ

"تو پھر آپ کا شک کس پر ہے۔"

"ابھی فی الحال یہ بتانا ذرا مشکل ہے۔" فریدی نے سگار منہ سے نکالتے ہو
"کیوں نہ ہم لوگ دھرم پور کے جنگل کا ایک چکر اور لگا آئیں۔ مجھ سے ایک زبردس
ہوئی ہے۔ مجھے اس گڑھے کا جس سے لاش برآمد ہوئی تھی بغور جائزہ لینا چاہئے تھا۔ بہ
تھا کہ کوئی کام کی بات معلوم ہوجاتی۔"

شرابی گیدڑ

لاش برآمد ہونے کے بعد ہی سے دھرم پور کے جنگل میں مسلح پولیس کے ایک د
اپنے خیمے گاڑ دیئے تھے جس وقت انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید وہاں پہنچے تو انہوں نے
جنگل میں گشت کرتے ہوئے پایا۔ ایک نے انہیں ٹوکا بھی لیکن دوسرا شاید ان دونوں کو
اس نے انہیں سلام کیا۔

"کیوں بھئی کوئی خاص بات......!" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں حضور ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔" کانسٹیبل نے جواب دیا۔

"اس گڑھے کی طرف کوئی دکھائی تو نہیں دیا تھا......؟"

"گڑھا ملا ہی نہیں۔" کانسٹیبل نے گھبرا کر کہا۔

"کیا مطلب......؟" فریدی نے اسے کڑی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کیا
ہدایت دی گئی تھی۔"

"حضور! ہم سے ایک گڑھے کے بارے میں کہا ضرور گیا تھا لیکن یہاں پہنچنے پر ہمیں
کوئی گڑھا نہیں دکھائی دیا۔"

فریدی اور حمید تیزی سے جھاڑیوں کی طرف بڑھے۔ واقعی وہاں گڑھے کا نام ونشان تک
نہ تھا۔ کسی نے گڑھے کو پاٹ کر زمین برابر کردی تھی۔

"لیجئے...... یہ دوسری رہی۔" فریدی ہاتھ ملتے ہوئے مضطربانہ انداز میں بولا۔ پھر وہ
دونوں کانسٹیبلوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "ذرا اپنے انچارج کو تو بلاؤ۔" دونوں چلے گئے۔

"مجرم حماقت پر حماقت کرتے چلے جارہے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "بھلا اس کی کیا
ضرورت تھی۔"

"جی نہیں...... وہ ہماری حماقتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ کل رات ہم میں سے کسی
ایک کو اس وقت تک یہاں موجود رہنا چاہئے تھا جب تک کہ مسلح پولیس یہاں نہ پہنچ جاتی۔"
فریدی نے کہا۔ "جانتے ہو کہ گڑھا پاٹ دینے کا کیا مطلب ہے؟"

حمید نے سر ہلایا۔

"مجرم کسی ایسے نشان کو مٹا گئے جس سے سراغ لگ جانے کا اندیشہ تھا۔"

"تب تو بہت بُرا ہوا۔" حمید نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد پولیس کا انچارج آ گیا۔

"کیوں صاحب! آپکو کیا ہدایت دی گئی تھی۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"جناب والا ہم رات سے اس گڑھے کو تلاش کر رہے ہیں۔"

"چیز ہی ایسی ہے کہ دھوکا کھانے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔" فریدی نے حمید کی
طرف مڑتے ہوئے کہا۔ "سرسری طور پر دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے یہاں
کوئی گڑھا تھا ہی نہیں۔ اس جگہ سوکھی گھاس اس خوش اسلوبی سے بچھائی گئی ہے کہ اچھے اچھے
دھوکا کھا جائیں۔"

"اس گھاس کو پھیلاتے وقت وہ یہ بھول گئے تھے کہ اس طرح ان کی انگلیوں
نشانات قطعی محفوظ ہو جائیں گے۔" حمید نے کہا۔

"حمید صاحب اتنی جلدی خوش فہمیوں میں مبتلا نہ ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "
مرتبہ بہت ہی چالاک آدمیوں سے سابقہ پڑا ہے۔ ارے میاں ایسے موقعوں پر بڑا سے بڑا
بھی دستانے استعمال کرتا ہے۔"

"بہر حال مجرم کی یہ دوسری حماقت اس کے سراغ کے لئے کافی ہوگی۔ اگر کافی نہ بھی
تو کوئی نہ کوئی بات ضرور ہی معلوم ہو جائے گی۔" حمید نے جھک کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"سب سے پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ لاش کا پتہ لگ جانے کے بعد گڑھے کو پاٹنے کی
ضرورت ہو سکتی ہے۔" فریدی نے سگار کا دھواں چھلوں کی شکل میں نکالتے ہوئے کہا۔ "
ممکن ہے کہ گڑھے میں کوئی ایسی چیز رہ گئی ہو جس سے مجرم کا سراغ مل جائے یا مقتول
شخصیت پر روشنی پڑنے کا اندیشہ رہا ہو۔"

"لیکن ایسی صورت میں بھی گڑھے کو پاٹنے کی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ کام پولیس
کے پہنچ جانے کے بعد ناممکن سا ہو جاتا ہے۔ غالباً ہم لوگوں کے چلے جانے کے بعد یہ
حرکت کی گئی۔ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ مجرم ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔"

"جی ہاں! ہم لوگوں کے آنے سے پہلے ہی یہ سب کچھ کیا گیا۔ ورنہ ہم لوگ تو......!"

"جی ہاں...... ورنہ آپ لوگ تو کافی مستعد رہے۔" فریدی نے انچارج کی بات کاٹتے
ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اچھا اب اسے دوبارہ کھودنے کا انتظام کرنا چاہئے۔"

انچارج نے تین چار کانسٹیبلوں کو بلا کر گڑھا کھودنے کے لئے کہا لیکن ان لوگوں کے

پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے زمین کھودی جا سکتی۔ آخر کار یہ طے پایا کہ جھن پور سے کچھ
مزدور بلا لئے جائیں۔

"کیا اسے کھودنے کے لئے آپ لوگوں کی سنگینیں کافی نہیں۔" حمید نے کہا۔

"بعض اوقات معمولی باتیں بھی دیر میں سوجھتی ہیں۔" انچارج نے کھسیانی ہنسی ہنستے
ہوئے کہا۔

کانسٹیبلوں نے اپنی سنگینوں سے زمین کھودنی شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک کانسٹیبل
کی سنگین نے کسی چیز سے ٹکرا کر چھناکا پیدا کیا۔

"ٹھہرو...... ٹھہرو......!" فریدی جھکتے ہوئے چیخا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے جلدی جلدی مٹی ہٹانی شروع کر دی۔

"یہ لیجئے...... کوئی اور نئی مصیبت......!" فریدی نے گڑھے میں سے ایک وزنی تھیلا باہر
کھینچتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ کیا......!" سب نے بیک وقت کہا۔

فریدی نے تھیلے کا منہ جو رسی سے بندھا ہوا تھا کھول کر اسے زمین پر الٹ دیا۔ "یا مظہر
العجائب......!" کہتا ہوا حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

یہ ایک گیدڑ کی لاش تھی جس کے منہ میں تمباکو پینے کا پائپ دبا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ
شراب کی دو خالی بوتلیں بھی برآمد ہوئیں جن میں سے ایک سنگین لگنے سے ٹوٹ گئی تھی۔ گیدڑ
کے سینے پر ایک کاغذ بندھا ہوا تھا جس پر غالب کا یہ قطع لکھا تھا۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

فریدی پر ہنسی کا دورہ پڑا۔ بقیہ لوگ حیرت سے کبھی اسے دیکھتے اور کبھی گیدڑ کی لاش کو۔
فریدی برابر ہنسے جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی ہنسی اتنی بھیانک معلوم ہونے لگی کہ کئی ضعیف
الاعتقاد کانسٹیبل وہاں سے چپکے سے کھسک گئے۔ ان میں بہتیروں کا یہ خیال تھا بلکہ قرب و جوار
میں مشہور بھی تھا کہ جنگل کا مخصوص حصہ بھوتوں کا اڈہ ہے۔ فریدی پر ایک طرح کی نشہ آور

کیفیت طاری تھی جسکے تحت وہ ہنسے ہی جارہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے قہقہے مضمحل ہوئے اور آخر کار وہ چکرا کر گر پڑا۔ حمید اور انچارج دوڑ کر اس کے قریب پہنچے۔ وہ بیہوش ہو چکا

''ارے یہ معاملہ کیا ہے؟'' انچارج نے گھبراہٹ میں کہا۔

''نہ جانے کیا بات ہے۔ میں خود چکر میں ہوں۔'' حمید نے فریدی کو جھنجھوڑتے ہو کہا۔ ''لیکن فریدی کے چہرے پر ہوش کے کوئی آثار پیدا نہ ہوئے۔''

''اب کیا کیا جائے۔'' حمید نے انچارج کی طرف دیکھ کر کہا۔

''حمید صاحب! اب تو میرا بھی یہی خیال ہے کہ یہ ضرور کوئی شیطانی کارخانہ ہے'' انچارج نے لرزتے ہوئے کہا۔ ''گیدڑ کی لاش کا کیا مطلب اور پھر اسکے ساتھ شراب کی بوتل اور منہ میں دبا ہوا پائپ اور وہ شعر...... ایسی عجیب باتیں آج تک دیکھنے میں نہیں آئیں۔''

''وہ تو سب کچھ ہے لیکن یہ بتاؤ کہ انسپکٹر صاحب کو ہوش میں کس طرح لایا جائے'' حمید نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''سرکار یہ تو کوئی پھونک جھاڑ کرنے والا ہی کرسکتا ہے۔'' ایک کانسٹیبل بولا۔

''لغو......!'' حمید نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''اچھا انچارج صاحب آپ دو آدمی میرے ساتھ کردیجئے۔ میں انہیں اسی حالت میں شہر لے جاؤں گا۔''

حمید نے گیدڑ کی لاش اور بقیہ دو چیزیں وہیں پڑی رہنے دیں اور بیہوش فریدی کو کار ڈال کر شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ خود کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ راستے میں ہی فریدی کو ہوش آ گیا وہ پچھلی سیٹ پر لیٹے ہی لیٹے بولا۔ ''حمید ہم کہاں جارہے ہیں۔''

''اوہ...... آپ ہوش میں آ گئے۔'' حمید نے جلدی سے کار روکتے ہوئے مڑ کر کہا۔ اٹھ کر بیٹھ گیا اور طویل انگڑائی لیتے ہوئے بولا۔

''بڑا بھیانک پلاٹ تھا...... وہ گیدڑ اور بوتلیں کہاں۔''

''وہ تو میں وہیں چھوڑ آیا۔''

''ارے......!'' فریدی سیٹ پر اچھلتے ہوئے بولا۔ ''بڑے احمق ہو تم۔ چلو فوراً کار واپس

لے چلو، جلدی کرو۔''

کار دوبارہ واپس جارہی تھی۔

''کہو بھئی کچھ اس کا مطلب سمجھ میں آیا'' فریدی نے کہا۔

''سمجھ میں سب کچھ آ گیا، لیکن اگر کہوں گا تو خواہ مخواہ مجھے ہی احمق بننا پڑے گا۔''

''آخر کچھ تو۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ جگہ ضرور بھوتوں سے بھری پڑی ہے۔''

''پھر وہی حماقت کی بات۔''

''میں نے پہلے ہی عرض کردیا تھا۔''

''تمہارا قصور نہیں ہر شخص یہی سمجھے گا۔ مجرم نے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ دوسری چال چلی تھی۔ مگر افسوس کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام رہا۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''اپنی اس حرکت سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ حقیقتاً اس قتل میں بھوتوں کا ہاتھ ہے۔''

''لیکن آپ کے اس طرح قہقہے مار کر بیہوش ہوجانے کا کیا مطلب تھا۔''

''اسی چیز نے تو مجھے اس نتیجے پر پہنچنے میں مدد دی ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ جب سنگین نے بوتل سے ٹکرا کر چھناکا پیدا کیا تھا اس وقت سب سے پہلے میں ہی اسے دیکھنے کے لئے جھکا تھا۔ جیسے ہی میں جھکا، ایک تیز قسم کی بو نے میرا دماغ پراگندہ کردیا۔ لیکن اس وقت میں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ لیکن اس کا اثر آہستہ آہستہ میرے دماغ پر ہو رہا تھا۔ جیسے ہی گیدڑ کی لاش برآمد ہوئی میں نے اس کی ہیئت کذائی دیکھ کر ہنسنا شروع کردیا۔ مجھے سخت حیرت تھی کہ آخر میں ہنسی کیوں نہ روک سکا۔ جبکہ اور لوگ خاموش تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے آپ کو بالکل بے بس محسوس کرنے لگا۔ انتہائی کوشش کے باوجود بھی میری ہنسی نہ رک سکی۔ اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ تم جانتے ہی ہو۔ ہاں تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان بوتلوں میں کسی قسم کی گیس تھی جس کے اثر سے میری یہ حالت ہوئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ دوسری بوتل کے منہ پر

ایک مضبوط کارک لگا ہوا تھا۔ خدا کرے ان احمقوں نے اسے کھولا نہ ہو۔ ورنہ ایک
اہم چیز ضائع ہو جائے گی۔"

"اف میرے خدا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"اور اب مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ بدمعاشوں کا اڈہ یہیں کہیں قریب ہی ہے
جلدی اتنا مکمل پلان بنا لینا آسان کام نہیں۔ بھئی ذرا کار کی رفتار اور تیز کرو۔ کہیں ان
کوئی اس بوتل کو کھول نہ ڈالے۔"

حمید نے کار کی رفتار اور تیز کر دی۔

لیکن وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ ان دونوں کی روانگی کے بعد ہی ایک کانسٹیبل نے
اٹھالی اور اس کا کارک نکال کر سونگھنے لگا۔ اچانک اس پر بھی ہنسی کا دورہ پڑا اور تھوڑی
بھی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ فریدی اور حمید اس وقت وہاں پہنچے جب دوسرے کانسٹیبل
میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ سب بُری طرح خوفزدہ تھے۔ ان دونوں کو د
انہوں نے بیک وقت جلدی جلدی سارا واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا۔ کئی نے تو یہاں تک
کہ "چاہے نوکری رہے چاہے جائے...... وہ اب کسی قیمت پر وہاں نہ ٹھہریں گے۔"

"تم لوگ ڈرو نہیں۔" فریدی نے انہیں دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ بوتل ان
کبھی اس حال کو نہ پہنچتا۔ اب تم میں سے کوئی بے ہوش نہ ہوگا۔ لیکن اس کا افسوس ہے
نے اپنی بیوقوفی سے میرا بہت نقصان کر دیا۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں۔" انچارج نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

"ان بوتلوں میں کوئی نشہ آور اور ہنسانے والی گیس بند تھی۔" فریدی نے سنجیدگی

"ہنسانے والی گیس......" انچارج نے کہا۔ "رلانے والی گیس تو میں نے دیکھی
ہنسانے والی گیس کا آج تک نام بھی نہیں سنا۔"

"اگر رلانے والی گیس بن سکتی ہے تو ہنسانے والی گیس بنانے میں کیا دشواری
ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مجرم کے علاوہ اور کسی نے اب تک اس طرف دھیان نہ دیا ہو۔"

"مگر صاحب آپ کی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" انچارج نے کہا۔

"افسوس تو اس بات کا ہے کہ وہ چیز ضائع ہی ہو گئی ورنہ میں سمجھا دیتا۔"

گیڈر کی لاش اب تک اسی حال میں پڑی ہوئی تھی۔ فریدی نے آتشی شیشہ نکال کر بوتل
کا جائزہ لینا شروع کیا۔

"افسوس کہ اس کانسٹیبل کی انگلیوں کے نشانات کے علاوہ کوئی اور نشان اس بوتل پر نہیں
اور یہ ٹوٹی ہوئی بوتل کے ٹکڑے...... ان پر بھی کچھ نہیں......!"

"مگر وہ شعر......!" حمید جلدی سے بولا۔ "کم از کم مجرم کی تحریر تو ہمارے ہاتھ آ گئی۔"

"بہت اچھے۔" فریدی اس کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "مگر حیرت
ہے کہ مجرم اتنی احتیاط برتنے کے باوجود بھی یہاں کیسے چوک گیا۔ ذرا لپک کر وہ کاغذ کھولنا۔"

گیڈر کی لاش سے وہ کاغذ کھول کر جب حمید پلٹا تو اس کا منہ بُری طرح لٹکا ہوا تھا۔

"اس پر تو میں نے دھیان ہی نہیں دیا۔" اس نے کہا۔

"کیا......؟"

"یہ شعر کسی کتاب سے کاٹ کر اس کاغذ پر چپکا دیا گیا ہے۔"

"یہی تو میں نے کہا کہ اتنے چالاک آدمی نے بھلا ایسی حماقت کیسے کی۔" فریدی نے
کہا۔ "حمید صاحب اس مرتبہ اچھا خاصہ معمہ ہاتھ آیا ہے۔"

عجیب و غریب چڑیا

فریدی رومال بچھا کر زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ سگار کے لمبے لمبے کش لے رہا تھا۔ اس کی
آنکھیں نیم خوابی کی سی حالت میں گیڈر کی لاش پر جمی ہوئی تھیں۔ کانسٹیبل آپس میں سرگوشیاں
کر رہے تھے۔ حمید گڑھے کی بقیہ مٹی نکال نکال کر ایک طرف ڈھیر کر رہا تھا۔ اسے اب بھی امید

تھی کہ جلد ہی کوئی چیز مل جائیگی۔ جس سے سراغ لگانے میں آسانی ہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ تھک کر
پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔ فریدی کی نگاہیں اب قرب و جوار کی زمین کا طواف کر رہی تھیں۔
دفعتاً وہ چونک پڑا اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ اٹھ کر گڑھے کے پاس گیا اور
وہاں جھک کر کچھ دیکھتے ہوئے مغرب کی طرف بڑھنے لگا۔ کچھ دور جا کر وہ سیدھا کھڑا ہوا
اور بلند آواز میں بولا۔

"حمید...... حمید یہاں آؤ۔ تمہیں ایک دلچسپ چیز دکھاؤں۔"

حمید ہاتھ کی مٹی جھاڑتا ہوا اس کی طرف لپکا۔

"یہ دیکھو......" فریدی نے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا......! مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔"

"ارے بھئی۔" فریدی نے زمین پر بیٹھتے ہوئے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا۔

"جی ہاں یہ کسی چڑیا کے پنجوں کے نشان ہیں۔"

"تو کیا یہ عجیب بات نہیں۔"

"عجیب بات۔" حمید قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ "مجھے تو اس میں کوئی عجیب بات نظر نہیں
آتی۔ بھلا کسی چڑیا کے پنجوں کے نشانات میں کیا عجیب بات ہو سکتی ہے۔"

"بھئی مان گیا۔" فریدی ہنستے ہوئے بولا۔

"کیا......؟"

"یہی کہ تم زندگی بھر ایک کامیاب جاسوس نہیں ہو سکتے۔"

"چلئے میں اسے مانے لیتا ہوں۔ لیکن آخر یہ تو بتائیے کہ ان نشانات میں عجیب بات
کون سی ہے۔"

"زمین دیکھ رہے ہو کتنی سخت ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ابھی تک بارش بھی
نہیں ہوئی۔ ایسی صورت میں کسی معمولی چڑیا کے پنجے اتنے گہرے نشانات نہیں بنا سکتے۔ تو پھر
اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کا وزن ڈھائی تین من سے کسی طرح کم نہ ہوگا اور اتنے وزن کی

چڑیا کے ساتھ اتنے چھوٹے چھوٹے پنجوں کا تصور انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ فوراً سوچو تو
بالکل ایسا ہی لگتا ہے نا جیسے کسی اونٹ کو گوریا کے پنجے عطا کر دیئے گئے ہوں اور دوسری بات
دیکھو، یہاں چار نشانوں کا درمیانی فاصلہ چار چار انگل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس جگہ چڑیا
کے دو قدم پورے ہوئے۔ پہلی چیز یہ کہ اتنی وزن دار چڑیا اتنے چھوٹے پیر رکھتی ہے کہ وہ چار
انگل سے زیادہ نہیں پھیل سکتے۔ یہ چاروں نشان یہاں ختم ہو گئے۔ اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ
فٹ کے فاصلے پر پھر ویسے ہی چار نشانات ملتے ہیں لہٰذا دوسری مضحکہ خیز بات یہ ہوئی کہ یہ چڑیا
ہر دو قدم چلنے کے بعد ڈیڑھ فٹ کی جست لگاتی ہے آگے بڑھتے آؤ۔ یہ دیکھو کہیں بھی اس
کے معمول میں فرق نہیں آیا۔ دو قدم چلنے کے بعد اس کے لئے ڈیڑھ فٹ اچھلنا ضروری ہے۔
کہو کبھی ایسی چڑیا خواب میں بھی دیکھی تھی۔ اب بتاؤ کیسی رہی۔"

"فریدی صاحب میں پھر کہتا ہوں کہ یہ بھوت......!"

"لاحول ولاقوۃ......!" فریدی حمید کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "پھر وہی چغد پن کی باتیں۔"

"تو پھر اور کیا کیا جائے۔"

"ابھی کچھ کیا ہی کیوں جائے۔" فریدی نے کہا۔ "اور دوسری بات یہ دیکھو یہ چڑیا اس
طرف سے آئی، گڑھے تک گئی اور پھر اسی طرف واپس چلی گئی۔"

"واقعی بڑی عجیب بات ہے۔" حمید نے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور دلچسپ بھی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ایسی عجیب و غریب چڑیا کا شکار دلچسپی سے
خالی نہ ہوگا۔ کیا تم اپنا پستول ساتھ لائے ہو۔"

"پستول تو ہے میرے پاس...... مگر...... مگر......!"

"گھبراؤ نہیں...... میری موجودگی میں یہاں کے بھوت تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ آؤ
میرے ساتھ چلو۔" فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ان لوگوں کو ساتھ لے چلئے گا۔" حمید نے کانسٹیبلوں کیطرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"عجیب ڈرپوک آدمی ہو...... اتنے آدمی دیکھ کر اگر چڑیا اڑ گئی تو...... تمہیں تو کوئی

کہانیاں سنانے والی دادی اماں ہونا چاہئے تھا۔ مرد بنو برخوردار......!''

''چلئے صاحب۔'' حمید مردہ سی آواز میں بولا۔

دونوں ان عجیب وغریب نشانات کو دیکھ کر آگے بڑھنے لگے۔ آگے چل کر پھر جھا
کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ جھاڑیوں کے درمیان ایک بل کھاتی ہوئی پگڈنڈی دور تک چلی گ

''دیکھو میاں حمید یہ چڑیا ہم لوگوں کی طرح عقلمند معلوم ہوتی ہے کہ جھاڑیوں میں گ
بجائے پگڈنڈیوں ہی پر چلتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ کافی پڑھی لکھی بھی ہو...... کیا خیال

''میں کیا بتاؤں...... آپ روحانیت وغیرہ کے تو قائل ہی نہیں۔ خیر کبھی نہ کبھی تو
ہونا ہی پڑے گا۔ ممکن ہے کہ اسی کیس کے سلسلے میں آپکو اپنے خیالات تبدیل کرنے پڑیں

''بھئی تمہیں اس محکمے میں آنے کے لئے کس نے کہا تھا۔ تمہارے لئے تو کسی خا
سجادہ نشینی ہی بہتر ہے۔ میں تمہیں تمہارے ساتھیوں میں سب سے زیادہ ذہین سمجھتا تھا۔ ل
نکلے نرے گاؤدی۔ لاحول ولاقوۃ۔''

''آپ جو چاہیں کہیں مگر مجھے پورا یقین ہے کہ یہ سب کسی انسان کا کام نہیں۔''

''اچھا چلو وہ بھوت ہی سہی۔ لیکن واضح رہے کہ میں اپنے علاقے میں ایسے نامع
بھوت کا وجود بھی برداشت نہیں کرسکتا۔''

''دیکھئے ایسا نہ کہئے......!'' حمید جلدی سے بولا۔

''کیوں...... کیا بھوت تمہارے کوئی رشتہ دار ہیں۔ اگر ایسا ہے تو میں اپنے الفاظ وا
لیتا ہوں۔''

''آپ تو سمجھتے نہیں۔'' حمید بُرا مان کر بولا۔

''کیا نہیں سمجھتا......؟''

''خیر ہوگا...... ہٹائیے...... مجھے کیا۔''

''آخر کچھ کہو بھی تو۔''

''اب زیادہ احمق نہیں بننا چاہتا۔''

''کیا تم بُرا مان گئے۔ ارے بھائی راستہ کٹنے کے لئے بھی تو کچھ ہونا چاہئے۔ معلوم نہیں
ابھی اور کتنی دور چلنا ہوگا۔''

''میرا خیال ہے کہ کیوں نہ اس کیس کو معمولی تفتیش کے بعد ٹال ہی دیا جائے۔ میں آپ
کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

''بھئی بہت اچھے! کیا بات کہی آپ نے۔'' فریدی نے حمید کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔
''لیکن حمید صاحب یہ پہلا کیس ہے جس میں مجھے صحیح معنوں میں لطف آرہا ہے۔''

یہ دونوں اب چڑیا کے پنجوں کے نشانات پر چلتے ہوئے تقریباً ایک میل نکل آئے تھے۔
یہاں آکر وہ پگڈنڈی ایک کچی سڑک سے مل گئی تھی۔ سڑک کے اس پار پھر گھنیری جھاڑیوں کا
سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ یہاں وہ نشانات بھی مٹ گئے تھے۔ سڑک کے دوسری طرف بھی
نشانات نہ ملے۔ فریدی کچھ دیر تک کھڑا سوچتا رہا پھر چٹکی بجا کر بولا۔

''تو حمید صاحب وہ چڑیا یہاں تک پیدل آئی۔ اس کے بعد پھر موٹر پر بیٹھ کر شمال کی
طرف روانہ ہوگئی۔''

حمید بے ساختہ ہنسنے لگا۔

''اس وقت مجھے اپنا بچپن یاد آرہا ہے۔'' حمید ہنسی روکتے ہوئے بولا۔

''تم شاید مذاق سمجھ رہے ہو۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ دیکھو موٹر کے پہیوں کے
نشانات جنوب کے طرف کہیں نظر نہ آتے۔ کوئی موٹر یہاں تک لے آیا۔ اس کے بعد پھر
جنوب کی طرف سے شمال کی طرف گھمایا گیا۔ یہیں سے چڑیا کے پنجوں کے نشانات بھی
غائب ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ چڑیا موٹر کی آواز سن کر اڑ گئی ہو۔''

''پھر وہی بچپنے کی باتیں۔ ارے میاں اگر وہ ڈھائی تین من کی چڑیا اڑ سکتی ہوتی تو اتنی
دور پیدل کیوں آتی۔''

''یہ کہی رہی بے پر کی۔'' حمید قہقہہ لگا کر بولا

''خیر خدا کا شکر ہے کہ تم ہنسے تو۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''اچھا آؤ...... اب اس موٹر

کے پیچھے چلیں۔"

"تو گویا وہ سانپ نکل جانے کے بعد لکیر پیٹنے کی مثل صادق آیا چاہتی ہے۔"
زمین پر بیٹھتے ہوئے بولا۔"اب تو چلا نہیں جاتا۔ پہلے آپ یہ تو بتائیے کہ آپ کس پلان پر
کرر ہے ہیں۔تب ہی چل سکوں گا۔"

"بچے مت بنو...... چلو اٹھو...... گرمی کے مارے بُرا حال ہو رہا ہے۔ غنیمت یہی ہے
آج لو نہیں چل رہی ہے۔"

"تو کیوں نہ ہم لوگ اپنی کار یہاں لے آئیں......اور پھر......!"

"اچھا بکو مت ہمیں پیدل ہی چلنا ہے۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

"تو میں کب کہتا ہوں کہ پیدل نہ چلوں گا۔" حمید نے ایسے معصومانہ لہجے میں کہا
فریدی کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

دونوں پھر موٹر کے پہیوں کے نشانات دیکھتے ہوئے شمال کی طرف روانہ ہوگئے۔ آ
چل کر جھاڑیوں کے سلسلے کم ہوگئے تھے۔ تقریباً چار فرلانگ چلنے کے بعد ایک چھوٹا سا گا
دکھائی دیا۔ کچی سڑک اس گاؤں کے باہر سے ہوتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ دونوں ب
رہے۔ ایک پختہ اور نئی وضع کی عمارت دور سے ہی دکھائی دے رہی تھی۔

"یہ غالباً اس گاؤں کے زمیندار کا مکان معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

دونوں عمارت کے قریب پہنچ چکے تھے۔ یہ نئے طرز کی ایک بڑی عمارت تھی جس
آگے چار دیواری میں گھرا ہوا پائیں باغ تھا۔

"دیکھئے یہ موٹر کے پہیوں کے نشانات میدان حشر میں لے جاتے ہیں یا......!"

"ٹھہرو......!" فریدی حمید کی بات کاٹتا ہوا زمین پر جھک گیا۔

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"یہ دیکھو...... شاید وہ چڑیا یہیں پر موٹر سے اتری ہے۔" فریدی نے چڑیا کے پنجوں
نشانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو کہیں کہیں نظر آ رہے تھے۔ فریدی نشانات کو

پائیں باغ کے پھاٹک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ دونوں باغ میں داخل ہوگئے۔"

اچانک ایک بڑا کتا غراتا ہوا ان کی طرف جھپٹا۔

"جیک...... جیک......!" ایک نسوانی آواز آئی اور کتا دم ہلاتا ہوا لوٹ گیا۔

"آپ لوگ کون ہیں اور یہاں کیا کرر ہے ہیں؟" عورت قریب آ کر تیز لہجے میں
بولی۔ یہ ایک قبول صورت جوان عورت تھی۔ لباس کا رکھ رکھاؤ اور انداز گفتگو ظاہر کر رہا تھا کہ وہ
اس گھر کی مالکہ ہے۔ اس نے پیازی رنگ کی جارجٹ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ بال پشت پر
بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی کشش تھی۔ سرجنٹ حمید ایک خوبصورت اور
جوان عورت کو اپنے قریب دیکھ کر کچھ بوکھلا سا گیا۔ لیکن فریدی کے انداز میں کسی قسم کی تبدیلی نہ
ہوئی۔ وہ نہایت پرسکون لہجے میں بولا۔"محترمہ! ہم لوگ محکمہ سراغرسانی سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"خیر خدا کا شکر ہے کہ آپ لوگ چونکے تو۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے متحیر ہو کر کہا۔

"بہت خوب......تو گویا آپ لوگ اس باغ میں بغرض تفریح تشریف لائے ہیں۔"

"جی نہیں...... ہم لوگ تو......!"

"خیر چھوڑیئے ان باتوں کو...... کچھ سراغ ملا...... میں بہت پریشان ہوں۔" وہ بولی۔

فریدی اور حمید حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

"محترمہ! بخدا میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔" فریدی نے کہا۔

"تو...آپ لوگ یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔" وہ غصہ سے بولی۔

"دیکھئے صاف صاف بات کیجئے۔ ہم لوگ ایک قتل کی تفتیش کرر ہے ہیں۔" فریدی نے
بے ساختہ کہا۔

"قتل......!" وہ چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئی بولی۔"کس کا قتل......!"

"ایک گمنام آدمی کا۔"

"دیکھئے صاحب بیکار وقت ضائع نہ کیجئے۔ آپ کو ایک عورت سے مذاق کرنے کی اچھی

خاصی سزا مل سکتی ہے۔"

"لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔" فریدی نے اپنا ملاقاتی کارڈ دیتے ہوئے کہا۔

"انسپکٹر اے کے فریدی۔" عورت نے آہستہ سے کہا۔ "فریدی صاحب! معاف کیجئے گا میں بہت پریشان ہوں۔ پرسوں رات سے میری سہیلی بملا غائب ہے۔ وہ دو ماہ کے لئے یہاں آئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس کے والدین کو کیا جواب دوں گی۔ میں نے پولیس میں رپورٹ درج کرائی تھی۔ اس وقت سمجھی کہ شاید آپ لوگ اسی کے متعلق کوئی اطلاع دینے آئے ہیں۔"

"محترمہ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔ ہم تو اس وقت ایک عجیب و غریب چڑیا کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ہمیں آپ کی سہیلی کے متعلق کوئی اطلاع نہیں۔"

"مجھے سخت تشویش ہے...... اگر شام کو یہاں کی پولیس نے کوئی خبر نہ دی تو میں یقیناً اس معاملے کو آگے بڑھا دوں گی۔"

"اگر آپ مجھے اس چڑیا کی تلاش میں مدد دے سکیں تو شکر گزار ہوں گا۔ آپ اطمینان رکھئے۔ میں آپ کی سہیلی کا پتہ لگانے کی کوشش کروں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتی ہوں۔ اس باغ میں دن بھر بے شمار پرندے آتے ہوں گے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"نہیں یہ پرندہ اپنی نوعیت کا ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"یہی کہ اس کا وزن دو ڈھائی من سے کسی طرح کم نہ ہوگا۔" حمید نے جلدی سے کہا۔

"آپ تو طلسم ہوشربا کی باتیں کر رہے ہیں۔" وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"یہ سرجنٹ حمید ہیں۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بہت دلچسپ آدمی ہیں۔ آپ ان کی باتوں کا کچھ خیال نہ کیجئے گا۔"

"اوہ کوئی بات نہیں۔" عورت مسکرا کر بولی۔

فریدی کو اپنی حماقت پر افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے چڑیا کا راز اتنی جلدی کیوں اگل دیا۔ گرمیوں کی دوپہر میں اتنی مسافت پیدل طے کر کے ذہنی توازن برقرار رکھنا آسان کام نہیں۔ بہرحال اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ فوراً سنبھل کر بولا۔

"محترمہ بات دراصل یہ ہے کہ ہم لوگ آپ ہی کے معاملے کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ ابھی ابھی ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہاں سے تین میل کے فاصلے پر کسی گڑھے سے ایک لاش برآمد ہوئی ہے۔ لیکن وہ کسی مرد کی ہے آپ پریشان نہ ہوں۔"

"آپ کی تو کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ ابھی تو آپ چڑیا......!"

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے۔" وہ اس کی بات کاٹتا ہوا بولا۔ "ہم سراغ رسانوں کے کام کرنے کے طریقے عوام کی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ بہرحال اگر تکلیف نہ ہو تو پہلے ہمیں تھوڑا سا پانی پلائیے۔ اس کے بعد ہم لوگ کسی قاعدے کی بات کے قابل ہو سکیں گے۔ آپ دیکھتی ہیں کتنی سخت دھوپ ہے۔"

"ضرور...... ضرور...... اندر تشریف لے چلئے۔" وہ برآمدے کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔

برآمدے میں پہنچ کر دونوں نے اپنے کوٹ اتار کر کرسیوں پر ڈال دیئے اور رومال سے چہروں کا پسینہ پونچھتے آرام کرسیوں پر گر گئے۔

"یہاں بھی کافی تپش ہے۔" عورت بولی۔ "میرے خیال سے اندر ٹھیک رہے گا۔"

لاش کی شناخت

ڈرائنگ روم میں پہنچ کر وہ صوفوں پر بیٹھ گئے۔ عورت نے ملازم کو بلا کر پانی لانے کو کہا۔ ڈرائنگ روم کو بہت ہی خوش سلیقگی کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ فرش پر ایک دبیز اور قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ صوفوں پر پھولدار ریشمی کپڑے کے غلاف چڑھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر بڑے

فریموں میں آرٹ کے عمدہ نمونے نظر آ رہے تھے۔ فریدی اس دیہی علاقے میں یہ
شوکت دیکھ کر متحیر ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ملازم شیشے کے جگ میں ٹھنڈا پانی لایا۔

"میرے خیال سے کچھ کھا بھی لیجئے۔" عورت بولی۔

"جی نہیں شکریہ۔" فریدی نے پانی کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

دونوں نے جی بھر کر پانی پیا۔ کچھ دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔

"واقعی بملا دیوی کا اس طرح غائب ہو جانا حیرت انگیز ہے۔" فریدی بولا۔

حمید چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ یہ حضرت چمپا
دیوی تک کیوں کر جا پہنچے۔

"کیا بتاؤں انسپکٹر صاحب کہ مجھے کتنی پریشانی ہے۔"

"قدرتی بات ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے والدین کو کیا جواب دوں گی۔"

"کیا آپ نے انہیں اس کی کوئی اطلاع دی۔"

"اب تک تو نہیں...... سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں کیا لکھوں۔"

"تو کیا وہ کہیں دور رہتے ہیں؟" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں...... کان پور میں...... اس کے والدین وہاں روئی کے بہت بڑے تاجر ہیں
شاید آپ نے نام سنا ہوگا۔ سیٹھ کرم چند۔"

"اوہ اچھا...... تو وہ یہاں اپنے شوہر سے لڑ کر آئی تھیں۔" فریدی بولا۔

"نہیں صاحب...... ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی۔ وہ میری کلاس فیلو رہ چکی ہیں۔ یہ
تبدیلی آب و ہوا کے لئے یہاں آئی تھی۔ تقریباً ایک ماہ کی بات ہے۔"

"اور ابھی ایک ماہ اور رہنے کا ارادہ تھا۔"

"جی ہاں۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی وجہ سے آپ کو اطلاع دیئے بغیر کانپور چلی گئی ہوں۔"

"ایسی تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ وہ ننگے پیر بغیر سامان لئے یہاں سے چلی جائے۔"

"ننگے پیر...... کیا مطلب۔"

"جی ہاں...... سارے سینڈل اس کے کمرے میں موجود ہیں اور وہ سارا سامان بھی جو وہ
اپنے ساتھ لائی تھی۔"

"حیرت کی بات ہے۔" فریدی حمید کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اچھا یہ بتایئے اس
دوران میں ان کے پاس باہر سے کچھ خطوط بھی آئے تھے۔"

"جی ہاں...... یہ زیادہ تر ان کے والدین یا منگیتر کے ہوتے تھے۔"

"ہوں......!" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ کو ان خطوط کے دیکھنے کا بھی
اتفاق ہوا۔"

"جی نہیں۔"

"ان کے منگیتر کا کیا نام ہے؟"

"رندھیر سنگھ۔"

"رندھیر سنگھ......!" فریدی تقریباً اچھلتے ہوئے بولا۔ "کیا آپ نے اسے دیکھا بھی ہے۔"

"کئی بار......!"

"کیا وہ کبھی یہاں آیا تھا۔"

"نہیں میں اس سے کان پور میں مل چکی ہوں۔"

"تب آپ کو میرے ساتھ کوتوالی تک چلنے کی زحمت کرنی پڑے گی۔"

"کیوں......!" عورت متحیر ہو کر بولی۔

"آج جس شخص کی لاش دھرم پور کے جنگل میں ملی ہے اس نے بھی اپنا نام رندھیر سنگھ
ہی بتایا تھا۔"

"ارے...... تو گویا...... تو گویا۔" عورت کانپنے لگی۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔" فریدی اٹھتے ہوئے بولا۔ "جلدی کیجئے۔"

دفعتاً دروازے پر کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی اور ایک ادھیڑ عمر کا مضبوط آد
میں داخل ہو کر کھڑا ہو گیا۔ وہ خلاء میں تاک رہا تھا۔

اس نے پتلون قمیض پہن رکھی تھی۔ بڑے سے لمبوترے چہرے پر اس کی بے
ویران آنکھیں بہت ہی خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔ دہانہ کافی پھیلا ہوا تھا اور دونوں
گھنے بالوں کی لکیریں تھیں چہرہ اس طرح صاف تھا جیسے اس نے ابھی ابھی شیو کیا ہو۔
کے ساتھ ساتھ اس کی پھولی ہوئی ناک کے نتھنے پھول پچک رہے تھے۔

بازوؤں کی ابھری مچھلیاں آستین کے اوپر سے صاف ظاہر ہو رہی تھیں۔

"یہاں کون ہے۔" وہ گرج کر بولا۔

عورت گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"جی یہ محکمہ سراغ رسانی کے انسپکٹر فریدی صاحب ہیں۔ بملا والے کیس کی تحقیقات
سلسلے میں آئے ہیں۔" وہ بولی۔

"اچھا......!" وہ چھڑی سے زمین ٹٹولتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر ایک م
پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "کہئے انسپکٹر صاحب کچھ پتہ چلا۔"

"ابھی تک تو کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ مجھے اپنے ساتھ کوتوالی لے جانا چاہتے ہیں۔" عورت بولی۔

"کیوں......!" اس نے تیز آواز میں کہا۔

"یہاں کہیں کوئی قتل ہو گیا ہے۔"

"تو پھر اس قتل سے تمہیں کیا سروکار۔" بوڑھے کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میرا خیال ہے کہ مقتول بملا دیوی کا منگیتر ہے۔" فریدی نے کہا۔

"چلئے یک نہ شد دو شد۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔ "ابھی بملا ہی نے ناک میں دم کر رکھا
اب ان کے منگیتر بھی اللہ کو پیارے ہو گئے...... لاحول ولا قوۃ...... جاؤ بھئی جاؤ...... لیکن جلد
لوٹ آنا۔ خبردار! اب تمہاری کوئی منحوس سہیلی اس گھر میں قدم نہ رکھنے پائے۔"

وہ تینوں اٹھ کر باہر آئے۔ عورت نے ڈرائیور سے کار لانے کو کہا اور تینوں شہر کی طرف
روانہ ہو گئے۔

"محترمہ! ایک بات پوچھ سکتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "یہ کون صاحب تھے؟"

"ٹھاکر دلبیر سنگھ...... میرے مرحوم شوہر کے بڑے بھائی۔"

"تو کیا یہ نابینا ہیں۔"

"جی ہاں...... دو برس ہوئے ان کی آنکھوں کی روشنی ختم ہو گئی۔"

"اگر کچھ ہرج نہ ہو تو اپنے خاندان کے متعلق بھی بتا دیجئے۔" فریدی نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" عورت فریدی کو گھورتے ہوئے بولی۔

"میں اپنی اطلاع کے لئے آپ کے خاندانی حالات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ...... کیا آپ نے مشہور سائنسدان پرکاش بابو کا نام نہیں سنا۔ وہ میرے شوہر تھے،
تین سال ہوئے ان کا انتقال ہو گیا۔"

"پرکاش بابو!" فریدی نے آہستہ سے دہرایا۔ "وہی تو نہیں جو جھیل میں ڈوب گئے تھے۔"

"جی ہاں وہی، ان کے بعد سے ان کے بڑے بھائی ٹھاکر دلبیر سنگھ میرے نگران ہیں۔
انہوں نے مجھے پتا جی کے گھر نہیں جانے دیا۔ میرے پتا ایک روشن خیال آدمی ہیں۔ وہ میری
دوسری شادی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن میں نے انکار کر دیا۔ مگر میں یہ سب کچھ کیوں کہہ رہی
ہوں۔ آپ کو میرے خاندانی حالات سے کیا سروکار......؟"

"اگر اس سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں...... یہ تذکرہ میرے لئے بہت ہی اندوہناک ہوتا ہے۔"

کوتوالی پہنچ کر انسپکٹر فریدی اسے لاش والے کمرے میں لے گیا۔ لاش کو دیکھ کر عورت
بُری طرح کانپنے لگی۔ وہ سچ مچ بملا کے منگیتر ہی کی لاش تھی۔ اس نئے انکشاف پر کوتوالی میں
ہل چل مچ گئی۔ رندھیر سنگھ اور بملا کے والدین کو سرکاری طور پر تار دیئے گئے، عورت بُری طرح
خائف تھی۔ آفیسروں کی گفتگو سے اس نے یہ اندازہ لگایا کہ شاید اسے حراست میں لے لیا جائے۔

"فریدی صاحب! میں تو بڑی پریشانی میں پھنس گئی۔" عورت پریشانی کے لہجے

"گھبرایئے نہیں! چلئے میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ آؤں۔"

فریدی حمید کو کوتوالی میں چھوڑ کر خود اس عورت کے ساتھ چلا گیا۔

دوسری لاش

فریدی جب اس عورت کو پہنچا کر واپس آیا تو کوتوالی میں سرجنٹ حمید کو اپنا منتظر پایا۔ اسے بُری طرح گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔

"کیوں بھئی...... اس طرح کیوں گھور رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں آپکے ہونٹوں پر لپ اسٹک کے دھبے تلاش کر رہا تھا۔" حمید نے سادگی سے کہا

"بڑے گندے خیالات ہیں تمہارے۔" فریدی منہ سکوڑ کر بولا۔

"جی نہیں...... میں انتہائی پاک وصاف خیالات کا آدمی ہوں۔ جبھی تو میں یہاں چھوڑ دیا گیا تھا۔"

"اوہ! تو یہ کہو تم اچھے خاصے گدھے ہو۔ اگر تم میرے ساتھ ہوتے تو میں کبھی اتنے کا باتیں نہ معلوم کر سکتا۔"

"جی ہاں...... ایسے موقعوں پر یہی ہوتا ہے۔" حمید بدستور اسی طرح منہ چلاتے ہوئے بولا۔

"بھئی خدا کے لئے اب تم جلدی سے شادی کر ڈالو ورنہ اپنے ساتھ مجھے بھی لے گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"نہیں صاحب! آپ اطمینان رکھئے۔ میں اکیلا ہی ڈوبوں گا۔"

"اچھا بس چغد پن ختم کرو۔ مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ ابھی تک رات کا کھانا نہیں کھایا۔ چلو اب گھر چلیں۔ وہیں باتیں ہوں گی۔ چلو تمہیں ایک دلچسپ خبر سناؤں گا۔

اس عجیب وغریب چڑیا کی ٹانگیں کاٹ لایا ہوں۔"

حمید حیرت سے اس کا منہ دیکھ رہا تھا۔

گھر پہنچ کر دونوں نے کھانا کھایا اور ایک ایک سگار سلگا کر آرام کرسیوں پر گر گئے۔

فریدی دو تین لمبے لمبے کش لینے کے بعد بولا۔ "بھئی وہ عورت......"

"کافی خوبصورت ہے۔" حمید نے اس کی بات کاٹ کر جملہ پورا کر دیا۔

"پھر وہی حماقت کی باتیں۔"

"آخر آپ اس موضوع سے کیوں بھاگتے ہیں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"اس لئے کہ میری جنسیت عورت کی بجائے خطرات میں پڑنے سے تسکین پاتی ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"یہ سب فلسفہ ہے...... یا پھر ممکن ہے کہ اللہ نے آپ کو کسی خاص موڈ میں بنایا ہو۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"خیر بھئی یہ باتیں پھر ہوں گی۔ میں یہ بتانے جا رہا تھا کہ اس عورت کا نام سروج ہے۔ وہ اپنے شوہر کے بڑے بھائی کے ساتھ اسی مکان میں رہتی ہے۔ وہ اندھا ٹھاکر دلبیر سنگھ بھی بڑی پراسرار شخصیت کا مالک معلوم ہوتا ہے۔ سروج کے شوہر کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ وہ ایک سائنسدان تھا۔ آج میں نے اس کی لیبارٹری بھی دیکھی۔ جو اب بہت خراب حالت میں ہے۔ اسے عجیب وغریب چیزیں جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ میں نے اس کے ترتیب ہوئے عجائب گھر کی بھی سیر کی۔ دنیا بھر کی عجیب وغریب چیزیں دیکھنے میں آئیں۔ بملا کے کمرے کی تلاشی لی وہاں کوئی خاص چیز نہیں مل سکی۔ اس کے دوران قیام میں اس کے پاس جو خطوط آئے تھے انہیں بھی دیکھا لیکن کوئی کام کی بات نہ معلوم ہو سکی۔ سروج اور دلبیر سنگھ پر سوالات کی بوچھاڑ کی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ دلبیر سنگھ انتہائی ضدی اور چڑچڑا آدمی ہے۔ اس نے کسی بات کا بھی جواب شرافت اور سنجیدگی سے نہ دیا۔ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ کافی دولت مند ہیں اور آمدنی کا ذریعہ ان کی جائیداد ہے۔ ان کا حلقہ احباب زیادہ وسیع

نہیں ہے۔ دو تین آدمی اکثر ان کے یہاں آ کر ٹھہرا کرتے ہیں اور بس...... ان میں ایک
ڈاکٹر ہے۔ ایک تاجر اور ایک وکیل۔ یہ سب یہیں شہر میں رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک
زیادہ مشکوک چال چلن کا آدمی ہے۔ وہ ہے ڈاکٹر ستیش لیکن یہ میرا ذاتی خیال ہے۔ شہر
تو اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ویسے وہ میری بلیک لسٹ پر ہے اور شاید میرے علاوہ
اور اس کے کارناموں سے واقف بھی نہ ہو۔"

"ابھی تک تو ان باتوں میں مجھے کوئی کام کی بات نظر نہیں آئی۔" حمید نے کہا "
کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔"

"کوئی برا خیال تو ابھی تک نہیں قائم کر سکا۔"

"لیکن مجھے تو وہ مشکوک نظر آتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"مشکوک تو میں بھی تھا۔ لیکن اب یہ خیال بدل دینا پڑا کیونکہ اس چڑیا کی تلاش میں
نے مجھے مدد دی تھی۔"

"ہاں...... وہ چڑیا کی ٹانگوں کا قصہ کیا ہے۔"

"قصہ کچھ نہیں۔ جو خیال میں نے پہلے قائم کیا تھا وہ سچ نکلا۔ میں نے دوران گفتگو
سروج سے چڑیا کے پنجوں کا تذکرہ کیا۔ سارے واقعات سن کر وہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر اچانک
چونک پڑی۔ میں نے اسے وہ نشانات دکھائے بھی۔ اس کا چہرہ اتر گیا۔ وہ مجھے اپنے شوہر
عجائب گھر میں لے گئی اور کہنے لگی مجھے تعجب ہے کہ انہیں کس نے استعمال کیا۔ اس جوتے
تلے میں لوہے کے بنے ہوئے چڑیا کے پنجے جڑے ہوئے تھے اس نے مجھے بتایا کہ اس
شوہر نے یہ جوتے کسی سیاح سے خریدے تھے اور انہیں اپنے عجائبات میں اضافہ سمجھ کر
رکھ دیا تھا۔ وہ سخت پریشان تھی۔ بار بار یہی کہتی تھی کہ آخر ان جوتوں کو کس نے استعمال
کیا۔ میں ان جوتوں کو اپنے ہمراہ لیتا آیا ہوں اور اسی وقت انہیں فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ
حوالے کر آیا ہوں۔ اگر مجرم نے موزے پہن رکھے ہوں گے تو اس میں اس کے پیر ک
انگلیوں کے نشانات ہونے ضروری ہیں۔" فریدی خاموش ہو گیا۔

حمید حیرت سے منہ پھاڑے سن رہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "لیکن اس
بات کا کیا ثبوت ہے کہ واقعی وہ عورت جوتوں کے استعمال کرنے والے سے ناواقف ہے۔"

"اگر ایسا ہوتا تو وہ مجھے جوتے دکھانے کی بجائے انہیں تلف کر دیتی۔"

"ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی نظروں میں چڑیا کے پنجوں کی اتنی اہمیت دیکھ کر اس نے
یہی مناسب سمجھا کہ جوتے آپ کے حوالے کر کے آپ کا شبہ اس مکان کے رہنے والوں کی طرف
سے دور کر دے۔ کیونکہ چڑیا کے پنجوں کے نشانات اس کے کمپاؤنڈ میں بھی پائے گئے تھے۔"

"بہر حال اس سے اس کی بے گناہی تو ثابت ہی ہو گئی۔ رہ گئے اس گھر کے دوسرے
لوگ یا وہاں آنے جانے والے، تو ان کے علاوہ اور کون ان جوتوں کو پہن سکتا ہے۔"

"کچھ بھی ہو...... معاملہ بہت الجھا ہوا ہے۔ میرے خیال سے تو اس گھر بھر کے لوگوں کو
حراست میں لے لینا چاہئے۔"

"لیکن میں اسے درست نہیں سمجھتا۔ میں نے سروج کو سمجھا دیا ہے کہ وہ ان جوتوں کے
بارے میں کسی سے تذکرہ نہ کرے۔ حتیٰ کہ دلبیر سنگھ کو بھی یہ بات نہ معلوم ہونے پائے۔ ان
لوگوں پر شبہ ظاہر کرنے سے قاتل بہت زیادہ محتاط ہو جائے گا۔"

"خیر بہر حال اب آپ نے کیا سوچا ہے۔" حمید نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"میں گیارہ بجے کی گاڑی سے کان پور جا رہا ہوں۔"

"کیوں...... وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ بملا اور رندھیر کے والدین کو تار دے
دیئے گئے ہیں۔"

"مجھے ان کے والدین سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ رندھیر یہاں
آیا کیوں تھا۔ بہر حال میں کل رات تک یہاں واپس آ جاؤں گا۔ سروج کے مکان کی نگرانی کے
متعلق ہدایات دے چکا ہوں اور تم خاص طور پر سروج پر نظر رکھنا۔"

"عجیب معاملہ ہے۔" حمید اکتا کر بولا۔ "کبھی آپ یہ کہتے ہیں کہ میرا شبہ اس پر نہیں
ہے اور کبھی اس کی نگرانی کا حکم صادر فرماتے ہیں۔"

"اگر اتنا ہی سمجھتے ہوتے تو میری جگہ پر ہوتے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر
"بہر حال جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کرنا اور ہاں نگرانی سے میرا یہ مطلب نہیں کہ آپ اس
با قاعدہ عشق شروع کردیں آپ کو تو بس موقع ملنا چاہئے۔"

"مطمئن رہئے۔ میں پرائی بہو بیٹیوں کو اپنی ہی سمجھتا ہوں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"بہتر ہے کہ آپ انہیں پرائی ہی رہنے دیں۔ خیر مذاق چھوڑو۔ ہاں اس بات کا خا
خیال رکھنا کہ کسی پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ مکان کی نگرانی ہو رہی ہے۔"

"نگرانی کے لئے میں نے انور، کمار اور وحید کو مقرر کیا ہے اور تم ان کے انچارج ہو۔ ان
سے جو اطلاعات ملیں ان کا با قاعدہ ریکارڈ رکھنا اور ہاں ڈاکٹر ستیش کی ڈسپنسری کے پاس ایک
فقیر بیٹھا ہے۔ اس سے تمہیں ڈاکٹر ستیش کے متعلق اطلاعات ملیں گی۔ انہیں بھی محفوظ رکھنا۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کے سگار کا گنجان دھواں فضا میں مرغولے بنا رہا تھا۔ تھوڑی
دیر تک وہ چپ رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "ابھی تک فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ سے کوئی خبر نہیں آئی۔
مجھے تو امید نہیں ہے کہ جوتے میں کسی قسم کے نشانات مل سکیں۔ قاتل انتہائی چالاک ہے۔ اس
نے ایسی حماقت نہ کی ہوگی۔"

"ایسا ممکن ہے۔" حمید نے کہا۔ "اس کے فرشتوں کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آسکتی
کہ آپ کا ہاتھ ان جوتوں تک پہنچ سکے۔"

"بہر حال ابھی تھوڑی دیر میں معلوم ہو جائے گا۔"

پھر خاموشی چھا گئی۔

تھوڑی دیر بعد برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ایک آدمی اندر داخل ہوا اور
فریدی کے ہاتھ میں کاغذ دے کر خاموشی سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"لو دیکھو رپورٹ آگئی۔" فریدی نے کاغذ حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کسی قسم
کے نشانات نہیں مل سکے۔ حالانکہ نشانات ہونے چاہئیں تھے۔ کیونکہ آج کل گرمیوں میں عموماً
سب کے پیر کچھ نہ کچھ ضرور پسیجتے ہیں۔ خیر دیکھا جائے گا۔"

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر آنے والے کیطرف دیکھ کر بولا۔ "اب تم جا سکتے ہو۔"

"اچھا بھئی اب میں روانگی کی تیاری کروں۔ دیکھو بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت
ہے۔ ذرا بھی چوکے نہیں کہ کام بگڑا۔"

"آپ اطمینان رکھئے۔ اب میں پوری پوری احتیاط کروں گا۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اس وقت نو بجے ہیں لاش کی شناخت کے وقت سے لے کر گیارہ بجے تک کے وقفے
میں ایک کے علاوہ اور کوئی ٹرین کانپور نہ جائے گی۔"

"میں آپکا مطلب سمجھ گیا لیکن دوسرا کوئی کار سے بھی جا سکتا ہے۔" حمید نے مڑ کر کہا۔

"بہت ممکن ہے کہ ایسا ہو بھی گیا ہو لیکن بے سود۔ رندھیر سنگھ کے مکان کے قریب پرندہ
بھی پر نہ مار سکے گا۔ میں نے اس کا انتظام پہلے ہی کر لیا ہے۔ لاش کی شناخت کے بعد ہی میں
نے کانپور کے محکمہ سراغ رسانی کو بذریعہ تار مطلع کر دیا تھا۔ اس وقت رندھیر سنگھ کے مکان کے
ایک ایک کمرے میں پولیس کے آدمی متعین ہوں گے۔"

"تو پھر اب آپ کے جانے کی کیا ضرورت ہے۔" حمید نے کہا۔

"بھئی ہر ایک کے کام کرنے کا طریقہ الگ ہوتا ہے۔ اچھا اب میں ذرا اپنا سامان
درست کرلوں۔" فریدی نے یہ کہہ کر مڑنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

"وحید......!" فریدی نے چونک کر کہا۔ "کیا بات ہے۔"

وحید کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ رک کر دم لینے لگا۔ پھر رک رک کر بولا۔ "ایک......
لاش......اور......!"

"کیا مطلب......؟" حمید جلدی سے بولا۔

"میں انسپکٹر صاحب کی ہدایات کے مطابق اس مکان کی نگرانی کے لئے جا رہا تھا۔ جب
میں اس جگہ پر پہنچا جہاں سے رندھیر کی لاش برآمد ہوئی تھی تو مجھے بہت سخت بدبو محسوس ہوئی۔
اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں نے ٹارچ کی روشنی میں ایک عورت کی لاش دیکھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا
جیسے وہ کہیں سے کھود کر نکالی گئی ہو۔"

"تو پھر تم نے کیا کیا۔" فریدی نے جلدی سے کہا۔

"میں قریب کے دیہات سے چار پانچ آدمیوں کا انتظام کر کے لاش کو توالی اٹھوا کر لایا ہوں"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ حمید میرا جانا نہیں رک سکتا۔ یہ لاش دراصل میرے روکنے کے لئے ہی نکالی گئی ہے۔ اچھا بتاؤ یہ لاش کس کی ہو سکتی ہے۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"یہ اسی عورت کی لاش ہے۔ جس کا تذکرہ رندھیر نے کوتوالی انچارج سے کیا تھا یعنی [illegible] کی لاش۔"

"ارے......!" حمید نے چونک کر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ "لیکن آپ وثوق کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"ابھی تمہیں یقین آ جائے گا۔ تم سیدھے سروج کے یہاں چلے جاؤ اور اسے لے کر کوتوالی آؤ۔ دلیر سنگھ اگر اسے تنہا نہ آنے دے تو اسے بھی لیتے آنا اور ہاں دیکھو سب [illegible] احتیاط سے کرنا۔ ممکن ہے کہ واپسی میں مجھ سے ملاقات نہ ہو سکے۔ اس لئے "گڈ نائٹ" فریدی یہ کہتا ہوا کمرے میں چلا گیا۔

دلچسپ سفر

دہلی ایکسپریس پوری رفتار سے چیختی چنگھاڑتی بھاگ رہی تھی۔ انسپکٹر فریدی ایک معمر آدمی کے بھیس میں فرسٹ کلاس میں سفر کر رہا تھا۔ گرمی کی وجہ سے اسے نیند نہیں آ رہی تھی اور اگر شاید اس وقت نیند آتی بھی تو نہ سوتا کیونکہ سامنے والی برتھ پر لیٹا ہوا سکھ اسکی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ وہ دو تین اسٹیشن کے بعد سوار ہوا تھا اور اس وقت کوئی اخبار پڑھ رہا تھا۔ سب سے زیادہ دلچسپی چیز یہ تھی کہ اس نے اس وقت بھی سیاہ عینک پہن رکھی تھی۔ فریدی سوچنے لگا کہ اگر اس

کی آنکھیں خراب ہوتیں تو وہ اس وقت اخبار نہ پڑھتا اور اگر آنکھیں نہیں تو رات کے وقت سیاہ عینک لگا کر پڑھنا کسی ہوشمند آدمی کے لئے ناممکن ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ یا تو پاگل ہے یا پھر، ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ سکھ نے اس کی طرف کروٹ بدلی اور مسکرانے لگا۔

"کیوں صاحب کانپور کس وقت آئے گا۔" اس نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"کانپور نہیں آئے گا بلکہ ہم لوگ چار بجے کانپور پہنچیں گے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"ایک ہی بات ہے۔" اس نے ہنس کر کہا اور پھر چونک کر اٹھ بیٹھا لیکن دوسرے ہی لمحے سنبھل کر اپنا جوتا تلاش کرنے لگا۔

جب وہ باتھ روم سے لوٹا تو فریدی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"فریدی صاحب آداب عرض ہے۔" اس نے مسکرا کر جھکتے ہوئے کہا۔

اگر فریدی کی جگہ پر کوئی اور ہوتا تو اس اچانک حملے پر ضرور بوکھلا جاتا لیکن فریدی اسی طرح پرسکون رہا۔ سکھ نے شاید یہ سمجھا تھا کہ اچانک پہچان لئے جانے پر فریدی ضرور پریشان ہو جائے گا۔ لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ فریدی کے اطمینان میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا تو وہ خود بُری طرح بوکھلا گیا۔

"آداب عرض۔" فریدی نے لیٹے ہی لیٹے کہا اور پھر کسی خیال میں ڈوب کر سگار کے کش لینے لگا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

سکھ شاید الجھن میں پڑ گیا تھا کہ اب کیا کہے۔ اس کی حالت بالکل اس بچے جیسی ہو رہی تھی جس کی شرارت سے اچانک کوئی کار اسٹارٹ ہو جائے اور وہ بوکھلا کر یہ سوچ رہا ہو کہ اب مشین کس طرح بند کی جائے۔ وہ گھٹی گھٹی آواز میں کھانسنے لگا۔ فریدی کا انداز ایسا تھا جیسے اس کے علاوہ اس کمپارٹمنٹ میں کوئی اور نہ ہو۔

"فریدی صاحب کہئے کیسا پہچانا۔" وہ دوبارہ جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"اوں!" فریدی چونک کر بولا۔ "لیکن میری شرافت کی بھی داد دیجئے کہ میں نے آپ کو پہچان کر بھی خواہ مخواہ دخل در معقولات کی ضرورت نہیں سمجھی۔"

"آپ بھلا مجھے کیا جانیں۔" وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔

"کیوں سردار جی! کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ آپ کی ڈاڑ
کیس دونوں نقلی ہیں۔" فریدی نے لیٹے ہی لیٹے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سکھ چپ چاپ اپنی برتھ کی طرف لوٹ گیا۔ فریدی بدستور اسی طرح لیٹا چھت کی
دیکھ رہا تھا حالانکہ چلتی ہوئی ٹرین کے اندر ہوا کے جھراٹے آ رہے تھے اور پنکھا چل رہا تھا
پھر بھی سکھ کے ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ اس نے سرہانے رکھے ہو
چھوٹے سے اٹیچی سے ریوالور نکالا اور فریدی کی طرف تان کر کہنے لگا۔

"بس خبردار اٹھنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"عجیب احمق آدمی ہو۔" فریدی نے ہنس کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارے دل میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا کہ خواہ مخواہ اٹھنے کی کوشش کروں گا۔"

"بکومت!" سکھ گرج کر بولا۔

"دیکھو بھئی گفتگو کے دوران میں تہذیب شرط ہے۔ ورنہ مجھے کہیں سچ مچ نہ ا
پڑے۔" فریدی نے نہایت اطمینان اور سنجیدگی سے کہا۔ "تم آخر چاہتے کیا ہو۔ سب سے
تم نے مجھے فریدی کہہ کر مخاطب کیا۔ حالانکہ مجھے لوگ میجر سردار خاں کہتے ہیں۔ لیکن میں
بُرا نہ مانا۔ پھر تم نے میرا مضحکہ اڑانے کی غرض سے یہ کہا کہ میں تمہیں پہچان گیا۔ لیکن میں
بھی ٹال گیا حالانکہ میں نے چوری نہیں کی ڈاکہ نہیں ڈالا کہ تم اس طرح سے کہتے ہو کہ
پہچانا۔ میں تو تمہارے خواہ مخواہ مذاق پر کچھ نہ بولا۔ لیکن میں نے ذرا یہ کہہ دیا کہ تمہاری ڈاڑ
اور کیس نقلی ہیں تو تم نے ریوالور نکال لیا۔ عجیب آدمی ہو۔ تمہیں اس تاریک رات میں سیاہ چشمہ
کر پڑھتے دیکھ کر پہلے ہی خیال ہوا تھا کہ ضرور تمہارا دماغ خراب ہے پتہ نہیں لوگ ا
آدمیوں کو تنہا کیوں سفر کرنے دیتے ہیں۔ مانا کہ تم کسی اونچے خاندان سے تعلق رکھتے ہو
ایسا بھی کیا کہ مذاق کی باتوں پر ریوالور نکال لو اور پھر چھیڑ پہلے تمہاری ہی طرف سے ہوئی تھی
تم مجھ سے عمر میں چھوٹے ہو اسلئے بطور نصیحت یہ ضرور کہوں گا کہ اپنے اوپر ... کرنا سیکھو

ہاں ریوالور کا رعب ہر ایک پر نہیں پڑا کرتا۔ میں سن چودہ کی جنگ میں ہزاروں کو موت کے گھاٹ
اتار چکا ہوں۔ یہ بالشت بھر کا ریوالور لاحول ولا قوۃ مجھے میجر سردار خاں کہتے ہیں۔ سردار جی۔"

سکھ کا ریوالور والا ہاتھ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کا ہاتھ جھک گیا۔ اس کا
چہرہ پسینے سے تر تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ چپ رہا پھر کھنکار کر کہنے لگا۔

"معاف کیجئے گا میجر صاحب مجھے دھوکا ہوا ہے۔ اب آپ سے کیا پردہ۔ آپ بھی سرکاری
آدمی ہیں۔ میں دراصل سی آئی ڈی کا انسپکٹر ہوں۔ آج کئی دن سے میں بہت بڑے بدمعاش
کے چکر میں ہوں۔ مجھے دراصل بڑا دھوکا ہوا ہے۔ کیا کیا جائے کہ آنکھیں اس کم بخت کی
آنکھوں سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ میں ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں جناب میجر صاحب۔"

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اکثر دھوکا ہو ہی جاتا ہے۔ کہاں تشریف
لے جا رہے ہیں آپ؟"

"کان پور!"

"چلئے سفر مزے میں کٹے گا۔ میں بھی کانپور جا رہا ہوں۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔"

"آپ آج کل کہاں تعینات ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"الہ آباد میں!"

"تب تو آپ بڑے مزے میں ہوں گے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"کیوں مزے میں کیوں؟" سکھ نے حیرت سے کہا۔

"خوب امرود کھاتے ہونگے۔" فریدی نے کہہ کر ایک بھدا سا قہقہہ لگایا۔ سکھ بھی ہنسنے لگا۔

"آپ سگار پیتے ہیں۔" فریدی نے سگار کیس بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں شکریہ۔"

"تو پھر کچھ باتیں کیجئے تا کہ راستہ کٹے۔ اب تو نیند آنے سے رہی۔ ریوالور دیکھتے ہی
رفوچکر ہوگئی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"جی مجھے سخت شرمندگی ہے۔" سکھ نے ہنس کر دانت نکال دیئے۔

"کوئی بات نہیں کوئی بات نہیں۔" فریدی نے کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر سکھ بولا۔

"دیکھئے کب تک وہ بدمعاش ہاتھ آتا ہے۔"

"کون بدمعاش؟" فریدی چونک کر بولا۔

"وہی فریدی!" سکھ نے کہا۔ "جس کے دھوکے میں خواہ مخواہ آپ کو پریشان کیا۔"

"دیکھئے اگر آپ اسی طرح دھوکا کھاتے رہے تو مشکل ہی سے اس پر ہاتھ پڑ سکے گا۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "ہاں یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ اس کا جرم کیا ہے۔"

"ارے صاحب معمولی جرم نہیں۔" سکھ بولا۔ "آپ نے الہ آباد کے کینیڈا بنک چوری کا حال ضرور سنا ہوگا۔ اس چوری میں اسی کا ہاتھ تھا۔ اس کے ساتھیوں نے ایک چوکیدار بھی جان سے مار ڈالا۔"

"تب وہ بڑا خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا "اور آپ اسے تنہا گرفتار کرنے نکلے ہیں۔"

"جی نہیں ہم کئی ہیں۔"

"اچھا!" فریدی نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"مجھے امید ہے کہ وہ جلد ہی گرفتار ہو جائے گا۔" سکھ نے اپنا چشمہ اتارنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

فریدی اس کی آنکھیں دیکھتے ہی چونک پڑا اور پھر دل ہی دل ہنسنے لگا۔

"اچھا بھئی میجر صاحب اب تو نیند آرہی ہے نمسکار!" سکھ نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا صاحب شب بخیر۔" فریدی نے جلا ہوا سگار کھڑکی سے باہر پھینکتے ہوئے کہا۔

رات کے تقریباً تین بج رہے ہوں گے سکھ خراٹے لے رہا تھا۔ فریدی آہستہ آہستہ اور دفعتاً سوئے ہوئے سکھ پر ٹوٹ پڑا۔ سکھ نے گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن وہ فریدی کی

گرفت میں بُری طرح جکڑا ہوا تھا۔ کچھ نیند کا خمار، کچھ اس اچانک حملے سے پیدا شدہ بدحواسی اور کچھ بوکھلاہٹ۔ ان سب چیزوں نے اس میں جدوجہد کی قوت نہ رہنے دی۔ فریدی نے اس کی ٹائی سے اس کے دونوں ہاتھ اس کی پیٹھ پر جکڑ دیئے۔ اب وہ برتھ پر بے بس پڑا ہوا گالیاں بک رہا تھا۔ فریدی کھڑا مسکراتا رہا۔ وہ ہمیشہ ایسے موقعوں پر اپنے شکار کی پھڑپھڑاہٹ سے کافی محظوظ ہوا کرتا تھا۔

"اب میں اپنے پیارے سی آئی ڈی انسپکٹر کے درشن کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے جھک کر سکھ کی ڈاڑھی نوچتے ہوئے کہا۔ مٹھی میں بہت سے بال اکھڑ آئے اور اس کی منڈھی ہوئی صاف ٹھوڑی دکھائی دینے لگی۔ فریدی نے ڈاڑھی کے بال نوچ لئے اور اس کی پگڑی اتار دی۔

"آخاہ! ڈاکٹر ستیش تم سے اتنی جلدی ملنے کی امید نہ تھی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

وہ برابر اردو اور انگریزی میں گالیاں بکے جا رہا تھا۔

"شور مت مچاؤ ستیش!" فریدی گرج کر بولا۔ "آج ہی تو تم میری گرفت میں آئے ہو۔ دیکھتا ہوں اب کیسے بچ نکلتے ہو۔ عرصہ سے میری نگاہیں تم پر تھیں۔ میں تمہارے جرائم سے بھی واقف تھا لیکن تم قانون کی گرفت سے ہمیشہ بچ نکلتے تھے۔"

"دیکھا جائے گا...... اس وقت تم نے کون سے قانون کے تحت مجھے باندھ رکھا ہے۔ تم میرا کچھ نہیں کر سکتے۔" ستیش تیزی سے بولا۔

"بھیس بدل کر لوگوں کو دھوکا دینا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "کم از کم چھ مہینے کے لئے تو ضرور جاؤ گے۔"

"تم مجھے کھول دو ورنہ اچھا نہ ہوگا۔" ڈاکٹر ستیش نے چیخ کر کہا۔

"اور تمہیں کھول ہی دینے پر کیا اچھا ہوگا۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "تمہیں کھول دوں تاکہ تم مجھے اپنے بغیر لائسنس کے ریوالور کا نشانہ بنا دو۔ کیوں ہے نا یہی بات۔"

"دیکھو میں پھر کہتا ہوں کہ مجھے کھول دو ورنہ کہیں تمہیں اپنی ملازمت سے نہ ہاتھ دھونے

"میں پانی سے ہاتھ دھونے کا عادی ہوں۔ اس کی آپ فکر نہ کریں۔"

"تو تم نہیں کھولو گے۔"

"ہرگز نہیں!"

"اچھا دیکھ لوں گا۔"

"جی بھر کر دیکھ لینا کہیں بعد میں پچھتانا پڑے بہت ممکن ہے کہ بملا اور رندھیر کو زور لگا کر تمہیں زیادہ دنوں کے لئے بھجوا دیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

بملا اور رندھیر کا نام سن کر ڈاکٹر ستیش کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ فر حیران آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

"کیوں چپ ہو گئے۔" فریدی نے اپنے شانے اچھالتے ہوئے کہا۔ "کیا غلط ہوں؟ سچ سچ بتانا ڈاکٹر آخر اس بھیس میں تم کہاں اور کیا کرنے جا رہے تھے؟"

"اگر فرض کرو میں یہ نہ بتاؤں تو!" ڈاکٹر ستیش نے تیزی سے کہا۔

"تمہاری مرضی...... میں کسی کو کسی بات پر مجبور کرنے کا عادی نہیں۔ لیکن اس وقت ڈرو جب سول پولیس کے رنگروٹ تمہاری پوزیشن کا خیال کئے بغیر تم سے ساری باتیں شروع کر دیں گے۔ اگر سیدھے سیدھے مجھے بتا دو گے تو اس عذاب سے تمہیں نجات مل گی...... ورنہ!"

فریدی تھوڑی دیر تک رک کر ڈاکٹر ستیش کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ کو بغور دیکھتا اچانک بولا۔

"شام والی لاش بملا ہی کی تھی نا؟"

"ہاں آں کیا مطلب!" ڈاکٹر ستیش چونک کر سنبھلتے ہوئے بولا۔ "تم نہ جانے ا سیدھی ہانک رہے ہو۔"

"خیر خیر میرا مقصد حل ہو گیا اور میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم آسانی سے کچھ نہ بتاؤ گے۔ خیر پھر سہی۔ اچھا اتنا تو بتا ہی دو کہ جب تم مجھے پہچان گئے تھے تو خواہ مخواہ

چھیڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

ڈاکٹر ستیش مسکرانے لگا۔ دفعتاً اس کی آنکھیں چمکنے لگیں، اس نے ہنس کر کہا۔

"واہ فریدی صاحب آپ کیسے سراغ رساں ہیں کہ اتنا بھی نہیں سمجھے۔ بھئی آپ کو دس بجے رات اسٹیشن کی طرف آتے دیکھا تو مجھے مذاق سوجھا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ آپ سے اس طرح تعارف حاصل کیا جائے۔ میں نے سکھ کا بھیس بدلا اور کار میں بیٹھ کر فوراً اگلے اسٹیشنوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں سے اتفاقاً مجھے اسی ڈبہ میں آنا پڑا جہاں آپ تھے۔ یہ اتفاق نہیں تو اور کیا ہے۔" ڈاکٹر ستیش ہنسنے لگا۔

"بہت اچھے!" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "میری چھری سے مجھے ہی ہلاک کر رہے ہو۔"

ڈاکٹر میرے لئے تمہاری یہ باتیں کسی چھ مہینے کے بچے کی "غوغاں" سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمہیں اس بات کا یقین کیسے آ گیا تھا کہ میں کانپور ہی کی طرف سفر کروں گا۔ جب کہ گیارہ بجے اور دوسری تین گاڑیاں مختلف سمتوں میں جاتی ہیں۔"

ڈاکٹر ستیش خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر پشیمانی کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ کچھ خجالت اور کچھ جھنجھلاہٹ نے اس کے چہرے کو بہت زیادہ مضحکہ خیز بنا دیا تھا۔

"خیر تو تم یہ بھی نہیں بتانا چاہتے کہ تم نے مجھے خواہ مخواہ کیوں چھیڑا تھا۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"دیکھو میں پھر کہتا ہوں کہ میرے ہاتھ کھول دو۔" ڈاکٹر ستیش نے ناخوشگوار لہجہ میں کہا۔

"اور میں تم سے استدعا کرتا ہوں کہ بار بار یہی ایک جملہ دہراتے جاؤ۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"تم عجیب گدھے کے بچے ہو۔" ڈاکٹر ستیش نے چیخ کر کہا۔

"ذرا اس بات کو صاف کر دو کہ میں گدھے کا بچہ ہونے کی وجہ سے عجیب ہوں یا عجیب ہونے کی وجہ سے گدھے کا بچہ ہوں...... یا...... پھر......!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تمہارا سر!" ڈاکٹر زور سے چیخا۔

''ہاں ہاں میرا سر!'' فریدی نے گھبراہٹ میں اپنا سر ٹٹولتے ہوئے کہا۔ ''کیا ہوا میر سر کو..... موجود تو ہے۔''

''چپ رہو اُلو کے پٹھے!'' ڈاکٹر ستیش زچ ہو کر زور سے چیخا۔

''اچھا چپ ہو گیا اُلو کا پٹھا!'' فریدی نے اسی انداز میں چیخ کر کہا اور چھت کی ط دیکھنے لگا۔

ڈاکٹر ستیش نے جھنجھلاہٹ میں اپنا سر دیوار سے ٹکرایا۔

''ارے ارے یہ کیا کر رہے ہو بھئی۔ اپنے ساتھ مجھے بھی پھنسواؤ گے کیا؟ اگر دیوار گئی تو!'' فریدی نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر ستیش نے جھنجھلاہٹ میں اس کے منہ پر تھوک دیا۔

''یہ اچھی علامت ہے۔'' فریدی نے رومال سے اپنا منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

''خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دو۔'' ستیش نے تنگ آ کر کہا۔

''لیکن خدا ہی کا حکم ہے کہ میں تمہارا پیچھا نہ چھوڑوں۔''

''او یو بروٹ!'' ڈاکٹر ستیش اس بُری طرح چیخا کہ اس کی آواز بھرا گئی اور وہ بے تح ہنسنے لگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

''خوب دل کھول کر ہنس لو لیکن اتنا یاد رکھو کہ میں تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔'' ستیش غصہ سے ہانپتے ہوئے کہا۔

''کیا کروں ڈاکٹر جب سے اس بوتل والی گیس کا اثر دماغ پر ہوا ہے بعض اوقات وجہ بھی ہنسی آنے لگتی ہے۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

ڈاکٹر ستیش کا منہ پھر اتر گیا۔ وہ فریدی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

''ڈاکٹر سچ سچ بتانا وہ کس کی ایجاد ہے۔ تم سے تو اسکی امید نہیں..... تم ٹھہرے گھامڑ آد

''تم مجھے کیا سمجھے ہو۔'' ڈاکٹر ستیش نے فخریہ لہجے میں کہا لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا

''تم نہ جانے کیا بک رہے ہو۔ کیسی گیس، کیسی ایجاد..... گھامڑ تم خود ہو گے۔''

''خیر یہ تو تمہارا دل ہی جانتا ہو گا کہ میں کتنا گھامڑ ہوں۔''

ڈاکٹر ستیش خاموش ہو گیا۔ اتنی دیر تک چیختے رہنے سے وہ نڈھال سا ہو گیا تھا۔ ایک ہارے ہوئے ناامید جواری کی طرح اس نے ہاتھ پیر ڈال دیئے۔

فریدی اب بھی اُسے چھیڑ رہا تھا۔ لیکن وہ بالکل خاموش تھا۔ نہ جانے وہ کیا سوچ رہا تھا۔ فریدی نے گھڑی دیکھی۔ گاڑی پندرہ منٹ کے بعد کانپور پہنچنے والی تھی۔

تیسرا شکار

دوسرے دن فریدی کانپور سے لوٹ آیا۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر ستیش بھی تھا جس کی نگرانی کے لئے کانپور کے دو کانسٹیبل ساتھ آئے تھے۔ حمید فریدی کو لینے کے لئے اسٹیشن آیا تھا۔ وہ ڈاکٹر ستیش کو اس حال میں دیکھ کر متعجب تھا۔

''یہ حضرت کہاں؟'' اس نے فریدی سے کہا۔ ''میں یہاں خواہ مخواہ پریشان ہو رہا تھا کہ آخر یہ کہاں لاپتہ ہو گئے۔''

''بھئی میں ایسے دوستوں کو اپنے ساتھ ہی رکھتا ہوں۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

ڈاکٹر ستیش اسے قہر بھری نظروں سے گھورنے لگا۔

وہ لوگ اسٹیشن سے نکل کر باہر آئے۔ حمید فریدی کی کار لے کر آیا تھا۔ فریدی نے ڈاکٹر ستیش سے کار میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ لیکن وہ بدستور کھڑا رہا۔ حتیٰ کہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ کانسٹیبلوں نے اسے زبردستی کار میں بٹھانا چاہا۔ اچانک ایک فائر ہوا اور ڈاکٹر ستیش چیخ کر زمین پر آ رہا۔ گولی سر کی ہڈیاں توڑتی ہوئی پیشانی سے نکل گئی تھی۔ فریدی اور حمید اس طرف جھپٹے جدھر سے فائر ہوا تھا۔ لوگ ادھر اُدھر بڑی بے ترتیبی سے بھاگنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایسی

بھگدڑ مچی جیسے عنقریب بمباری ہونے والی ہو۔فریدی بُری طرح جھلایا ہوا تھا۔

''بالکل بیکار ہے حمید...... ان کم بختوں کی بدحوسی کی وجہ سے شکار ہاتھ سے نک

اس نے رک کر پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

حمید نے سراسیمگی کے عالم میں کہا۔

''یہ آخر ہوا کیا؟''

''بہت بُرا ہوا اب از سرِنو کام کرنا پڑے گا۔ ساری محنت برباد ہوگئی۔'' فریدی نے
ملتے ہوئے کہا۔ڈاکٹر ستیش کی لاش کوتوالی لائی گئی۔تھوڑی دیر بعد اس حادثہ کی خبر سارے
میں مشہور ہوگئی۔فریدی سے بیان لیا گیا۔اس نے ستیش کی گرفتاری سے لے کر موت تک
سارے واقعات بتائے۔لیکن اس نے اپنے اس شبہ کا اظہار نہ کیا کہ ڈاکٹر ستیش کا تعلق
والے کیس سے بھی ہے۔اخبارات نے اس نئے حادثے پر طرح طرح کی حاشیہ آرائیاں کی

حمید پورے حالات جاننے کے لئے بُری طرح بے چین تھا۔کوتوالی سے فرصت
جب دونوں گھر آئے تو حمید سے صبر نہ ہوا۔وہ پھر پوچھ بیٹھا۔فریدی سفر کے سارے واقع
بتانے کے بعد بولا۔

''ہاں بھئی یہ تو بتاؤ کہ وہ لاش بملا ہی کی تھی نا۔''

''جی ہاں بملا کی!'' حمید نے کہا۔''اور سروج حوالات میں ہے۔''

''کیا مطلب؟'' فریدی نے چونک کر کہا۔

''آپ کے جانے کے بعد میں سروج کو کوتوالی لایا۔حالانکہ لاش خراب ہو چکی تھی۔
کا چہرہ بڑی حد تک بگڑ گیا تھا لیکن سروج نے اسے پہچان لیا۔اس کا بیان دوبارہ لیا گیا۔
سنگھ کی ضمانت ہوگئی۔لیکن سروج ابھی تک حوالات ہی میں ہے۔''

''یہ بہت بُرا ہوا۔ان گدھوں کو کبھی عقل نہ آئے گی۔سارا بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا کم
نے۔تم نے انہیں ایسا کرنے سے روکا کیوں نہیں۔''

''میں نے چیف انسپکٹر سے کہہ کر رکوانے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے بھی کوئی د

نہ دیا۔''

''خیر اور کوئی خبر!''

''ڈاکٹر ستیش یہاں سے غائب ہی ہوگیا تھا۔دلبیر سنگھ اور سروج کی گرفتاری کے بعد
مکان کی نگرانی کا کوئی سوال ہی نہیں رہ گیا۔''

''حمید تم اتنے بدھو کیوں ہوتے جارہے ہو۔'' فریدی نے اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے
کہا۔''تمہیں یہ کیسے سوجھی کہ یہی دونوں مجرم ہیں۔اس قسم کے کام اکیلے نہیں کئے جاتے ہیں۔
شروع ہی سے چیختا آرہا ہوں کہ اس میں کسی گروہ کا ہاتھ ہے۔پھر بھی تم نے ایسی حماقت کر ڈالی افسوس!''

''اب کیا بتاؤں ہو ہی گئی غلطی۔''

''بس قصہ ختم اُلو کہیں کے۔''

''کانپور میں کیا رہا۔'' حمید تھوڑی دیر خاموش ہو کر بولا۔

''کانپور میں میں نے یہ رائے قائم کی تھی کہ ڈاکٹر ستیش ہی اس گروہ کا سرغنہ ہے۔لیکن
یہ خیال غلط ثابت ہوا۔اگر ایسا ہوتا تو اس کی موت اس طرح واقع نہ ہوتی۔اس سے صاف
ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس گروہ کے ایک معمولی ممبر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔خود اس نے کسی قسم
کا بیان نہیں دیا لیکن میں نے اپنے طریقوں سے اس بات کا پتہ لگا لیا تھا کہ وہ اس گروہ سے
تعلق ضرور رکھتا ہے۔ایک بات صاف نہ ہو سکی کہ وہ اس وقت بھیس بدل کر کانپور کیوں جارہا
تھا۔اگر اس کا مقصد رندھیر سنگھ کے گھر کی تلاشی لینا تھا تو اس نے مجھے ٹرین میں چھیڑا کیوں
تھا۔چپ چاپ نکل کیوں نہ گیا۔''

''ہاں واقعی یہ چیز عجیب وغریب۔'' حمید کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''میں ایک نتیجے پر اور پہنچا ہوں وہ یہ کہ جس وقت بملا کے گولی لگی وہ رندھیر کے موٹر
سائیکل کے کیریئر پر بیٹھی تھی۔رندھیر نے یہ بیان غلط دیا تھا کہ وہ تنہا جلالپور سے آرہا تھا اور
اس نے دھرم پور کے جنگل میں ایک عورت کی لاش دیکھی تھی۔گولی لگتے ہی بملا گر گئی تھی۔اس
کے گرنے کے بعد رندھیر وہاں کچھ دیر رکا بھی تھا۔''

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"یہ دیکھو یہ خط مجھے کانپور میں رندھیر کے کمرے کی تلاشی لیتے وقت ملا تھا۔" فریدی نے جیب سے خط نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔

حمید خط پڑھنے لگا۔

"رندھیر! میں ایک بہت بڑی مشکل میں گرفتار ہوگئی ہوں مجھے آ کر بچاؤ کسی طرح یہاں آ کر مجھے خاموشی سے نکال لے جاؤ۔ دیکھو یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے ورنہ میری جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ مجھے لکھو کہ تم کب آ رہے ہو لیکن اس طرح آنا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ یہ میری زندگی کا سوال ہے اس خط کو پڑھ کر جلا دینا!

بملا"

"لیکن اس خط سے آپ نے ان سب باتوں کا اندازہ کیسے لگا لیا۔"

"نہایت آسانی سے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر مجھے یہ خط نہ ملتا تو مجھے نہ جانے کتنا بھٹکنا پڑتا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "تم کبھی میرا مطلب نہیں سمجھے۔ سنو! جب یہ خط رندھیر کو ملا ہوگا تو اس نے اس کے جواب میں بملا کو لکھا ہوگا کہ وہ اسے لے جانے کے لئے آ رہا ہے اور اس نے اس سے تمام واقعات بھی پوچھے ہوں گے۔ ممکن کہ یہ خط ان لوگوں کے ہاتھ لگ گیا ہو۔ جن کی گرفت سے وہ نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی انہوں نے یہی مناسب سمجھا ہو کہ رندھیر کو یہاں آنے دیا جائے اور اس طرح بملا اور رندھیر دونوں کا خاتمہ کر دیا جائے کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہو۔ رندھیر یہاں آیا اس نے موٹر سائیکل حاصل کی اور بملا کو اس پر سوار کر کے لے بھاگا۔ قاتلوں نے اپنا پلان پہلے ہی سے کر رکھا تھا۔ پہلے انہوں نے بملا کو ختم کیا۔ جب رندھیر یہاں سے پولیس لے گیا تو انہوں

گولیاں چلا کر پولیس والوں کو تو بھگا دیا اور رندھیر کو وہیں ڈھیر کر کے دفن کر دیا۔ اس طرح انہوں نے رندھیر کو پولیس کی نگاہوں میں مجرم قرار دے کر بملا کے غائب ہو جانے کا ذمہ دار بھی بنا دیا۔"

"لیکن جب انہوں نے رندھیر کو دفن کر دیا تھا تو اس بات کا کیسے پتہ چلتا کہ وہ یعنی رندھیر بملا کا منگیتر تھا۔ آخر اس کا اظہار بھی تو ضروری تھا ورنہ بملا کے فرار کی ذمہ داری اس پر کیوں عائد ہوتی۔" حمید نے کہا۔

"نہایت آسانی سے...... بملا نے رندھیر کو لکھ دیا تھا کہ وہ کسی سے اس بات کا تذکرہ نہ کرے۔ لہٰذا اس کی روانگی کی اطلاع کسی کو نہ ہو سکی۔ یہ لازمی بات ہے کہ رندھیر کے اچانک اس طرح غائب ہو جانے سے لوگوں کو یہی خیال ہوتا کہ وہ دونوں کہیں فرار ہو گئے ہیں۔ جب کہ لوگ پہلے سے جانتے ہی تھے کہ دونوں ایک دوسرے کے منگیتر ہیں۔"

"ہوں!" حمید نے سوچتے ہوئے کہا۔ "پھر موٹر سائیکل کا نمبر مٹانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"یہ تو بہت معمولی سی بات ہے۔ اگر موٹر سائیکل کا نمبر نہ مٹایا جاتا تو اس کے مالک کا پتہ نہایت آسانی سے چل جاتا اور رندھیر کی لاش کو دفن کر دینے کا مطلب ہی یہ تھا کہ پولیس ادھر اُدھر اندھیرے میں سر مارتی پھرے۔ وہ تو دُعا دو گیدڑوں کو کہ رندھیر کی لاش برآمد ہوگئی...... ورنہ ہنوز روزِ اول ہوتا۔"

"اب آپ نے کیا سوچا ہے۔" حمید نے کہا۔

"ابھی کچھ نہیں سوچا۔ ابھی تو فی الحال مجھے سروج کو رہا کرا کے جلالپور پہنچانا ہے۔"

"ہے ہے...... عشقِ اول دردِ دل...... اہے دا!" حمید نے بطرز قوالی جھومتے ہوئے کہا۔

"کیا بکتے ہو!" فریدی بیزاری سے بولا۔

"ارے کیا پوچھتے ہیں حضور...... بس یہ سمجھ لیجئے کہ پرانے مصنفوں کے الفاظ میں وہ ملائک فریب، پری تمثال، رد کش مہر و مہ و انجم، لعبت جبیں، زہرہ جبیں، بہ لبہائے شکریں، سراپا

انتظار، جتلائے کھانسی و بخار، انتظار کی گھڑیاں کبھی گنتی ہوگی اور کبھی رکھ دیتی ہوگی......"

"بس بس بکواس بند...... ورنہ!"

"ورنہ آپ میرے حق میں دستبردار ہو جائیں گے۔ بہت بہت شکریہ۔" حمید نے کہا۔

"تم ہو اچھے خاصے گدھے۔" فریدی نے اکتا کر کہا اور آنکھیں بند کر کے آرام کر... پشت سے ٹک گیا۔

خاندانی خبطی

فریدی حوالات میں سروج سے ملا۔ وہ اسے دیکھ کر رونے لگی۔ اس کی رہائی کا انت... اس نے پہلے ہی کر لیا تھا۔ وہ اسے دم دلاسہ دیتا ہوا جلالپور لے آیا۔ ٹھاکر دلبیر سنگھ سروج... آمد کے متعلق سن کر آپے سے باہر ہو گیا۔ اس کی بے نور آنکھوں میں خون اتر گیا۔ بھویں... گئیں اور چیخ کر بولا۔

"اب یہاں کیا کرنے آئی ہو خاندانی عزت ملا تو دی خاک میں۔"

"بھیا جی، آخر اس میں میرا کیا قصور ہے۔" سروج روتی ہوئی بولی۔

"کیوں بلایا تھا تم نے بملا کو۔ خود جان سے گئی اور ہماری گردن نالی میں رگڑ گئی..." اندھے دلبیر سنگھ نے چیخ کر کہا۔ "اب یہاں تمہارا کوئی کام نہیں ٹھاکر امر سنگھ کے خاندان کی... اور جیل میں جائے۔ تو بھی پرکاش ہی کے ساتھ کیوں نہ مر گئی۔"

"ٹھاکر صاحب بھلا اس میں ان کا کیا قصور ہے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"آپ چپ رہئے جناب۔ یہ میرے گھریلو معاملات ہیں۔" دلبیر سنگھ چیخ کر بولا۔

"ٹھاکر صاحب مجھے شرمندگی ہے کہ آپ لوگوں کو تکلیف اٹھانی پڑی۔ اگر میں یہاں

تو اس کی نوبت نہ آنے پاتی۔" فریدی پھر اسی انداز میں بولا۔

"تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔" دلبیر سنگھ جھلا کر بولا۔ "آپ کیا جانئے کہ خاندان کی عزت کیا چیز ہوتی ہے۔"

"میں جانتا ہوں لیکن اب جو ہوا سو ہوا۔ انہیں معاف کر دیجئے۔" فریدی نے کہا۔

"اچھا تو آپ سفارش کرنے کے لئے آئے ہیں کیوں سروج اتنی جلدی اتنے جاں نثار پیدا کر لئے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

سروج بے اختیار رونے لگی۔

"ٹھاکر صاحب ایسے بزرگ کو ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"براہ کرم آپ یہاں سے تشریف لے جایئے اور سروج تم بھی...... تمہارا اس گھر میں اب کوئی کام نہیں۔"

سروج نے دلبیر کے پاؤں پکڑ لئے۔ لیکن اس نے اسے بے دردی سے ہٹا دیا۔

"اب اس گھر سے میری لاش ہی نکلے گی بھیا جی۔" سروج روتی ہوئی بولی۔

"تم یہاں سے چلی جاؤ ورنہ سچ مچ تمہاری لاش ہی نکلے گی۔" دلبیر سنگھ چیخ کر بولا۔

"ٹھاکر صاحب آپ سروج کو دھمکی دے رہے ہیں۔ لہٰذا اب پولیس کو انہیں اپنی حفاظت میں لینا پڑے گا۔"

"پولیس!" دلبیر سنگھ زہرخندہ کے ساتھ بولا۔ "پولیس کی حفاظت میں تو یہ دو راتیں رہی ہے۔ کیا ابھی تم لوگوں کا جی اس سے نہیں بھرا!"

"کیا بک رہے ہو ٹھاکر ہوش میں آؤ تم فریدی سے گفتگو کر رہے ہو۔" فریدی نے تیزی سے کہا۔

"ٹھاکر میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔" سروج یک بیک بپھر کر بولی۔ "میں بھی راجپوتنی ہوں۔"

"اچھا راجپوتنی کی بچی! تم جلدی سے یہاں سے اپنا منہ کالا کرو۔ خبردار کبھی اس گھر کی

طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا۔" دلبیر سنگھ غصہ میں کانپتا ہوا بولا۔

فریدی سروج کو لے کر مکان کے باہر چلا آیا۔ اب وہ پھر شہر کی طرف جا رہا تھا۔

"مجھے سخت شرمندگی ہے۔ سروج بہن۔"

"لیکن آپ نے کیا کیا ہے۔" سروج رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی کیوں نہ اچھی طرح محفوظ کر دیا۔"

"قسمت کا لکھا پورا ہو کر رہتا ہے۔" سروج سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔ "اب میں جاؤں۔ پتا جی سے جا کر کہوں گی کیا...... شاید وہ لوگ بھی مجھے پناہ دینے سے انکار کر دیں۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کسی قسم کے تردد کی ضرورت ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں کسی کے لئے بار بننا نہیں چاہتی۔ میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پال لوں گی۔"

"کیا تم ایک بھائی کی التجا ٹھکرا دو گی۔ انسانیت کے ناتے میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ جب تک تمہارا کوئی معقول انتظام نہ ہو جائے گا میری خدمت قبول کرو۔ میں ایک بھائی کی طرح تمہاری حفاظت کروں گا۔"

سروج خاموش ہو گئی۔ اس کی پلکیں زیادہ رونے کی وجہ سے سوج آئی تھیں اس نے کار کی کھڑکی پر سر رکھ کر اپنا منہ چھپا لیا۔

"یہ ڈاکٹر ستیش کے قتل کا کیا واقعہ ہے۔" تھوڑی دیر بعد سروج نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

فریدی نے اسے سب واقعات بتا دیئے۔ وہ بڑے غور سے سنتی رہی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" سروج کار کی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتی ہوئی بولی۔

"تو کیا تم ڈاکٹر ستیش کو اچھی طرح جانتی تھیں؟"

"جی ہاں! وہ تقریباً ہر ہفتہ ہمارے یہاں مہمان رہتے تھے۔"

"کیا دلبیر سنگھ سے اس کی دوستی تھی۔"

"نہیں وہ دراصل میرے شوہر کے دوست تھے۔ ان کی موت کے بعد بڑے ٹھاکر سے ان کی گہری چھننے لگی۔"

"بملا سے وہ بے تکلف تھے یا نہیں؟"

"قطعی نہیں!"

"کبھی بملا ان کے ساتھ باہر بھی جاتی تھی یا نہیں۔"

"کبھی نہیں!"

"کیا تم یہ بتا سکتی ہو کہ دلبیر سنگھ سے ان کی دوستی کی کیا وجہ تھی۔"

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"اچھا تمہارے شوہر پرکاش بابو سے ان کی دوستی کی کیا وجہ تھی؟"

"میرے شوہر ایک مشہور سائنس داں تھے۔ وہ آئے دن نت نئے تجربات کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر ستیش کو بھی اس سے دلچسپی تھی۔ میرا خیال ہے کہ دونوں کی دوستی کی وجہ یہی تھی۔"

"تمہارے شوہر کس قسم کے تجربات کیا کرتے تھے۔ انکا کوئی نہ کوئی موضوع ضرور ہوگا۔"

"انہیں گیسوں کے تجربات کا زیادہ شوق تھا۔ اس سلسلے میں وہ کئی بار بہت سخت بیمار بھی پڑے تھے۔"

"بیمار کیسے پڑے تھے۔" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"ایک بار تو بہت ہی عجیب و غریب واقعہ ہو گیا تھا۔ پرکاش بابو اپنی لیبارٹری میں کسی گیس کے متعلق تحقیقات کر رہے تھے کہ اچانک ان پر ہنسی کا دورہ پڑا۔ میں اتفاق سے اس طرف جا نکلی۔ پہلے تو میں یہ سمجھی کہ کسی بات پر ہنس رہے ہوں گے۔ اس لئے انہیں ہنستے دیکھ کر میں بھی یوں ہی ہنسنے لگی اور میں نے ان سے ہنسی کا سبب پوچھا لیکن جواب ندارد۔ وہ برابر ہنستے ہی جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کی آنکھیں سرخ ہو کر اپنے حلقوں سے ابلتی معلوم ہونے لگیں اور منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ دو تین منٹ تک یہی کیفیت رہی پھر اچانک وہ بے

ہوش ہو کر گر گئے۔"

"اچھا پھر ہوش میں آنے کے بعد تم نے اس کا سبب ان سے پوچھا تھا۔"

"میں نے بارہا دفعہ معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ہمیشہ ٹالتے رہے۔"

"اس واقعہ کا تمہارے علاوہ کسی اور کو علم تھا۔"

"جی ہاں بڑے ٹھاکر صاحب بھی وہاں آ گئے تھے۔ اس وقت ان کی آنکھیں ٹرکیا
اور ڈاکٹر ستیش کو بھی اس کا علم تھا۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے ان دونوں اور گھر کے نوکروں
علاوہ اور کسی کو بھی اس واقعہ کی اطلاع نہیں ہوئی تھی۔"

"تم یہ وثوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتی ہو۔"

"وثوق کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتی۔ البتہ یہ میرا اندازہ ہے کیونکہ پرکاش بابو نے ان
کو منع کر دیا تھا کہ وہ اس کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہیں۔"

"ہوں!" فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "اچھا یہ بتاؤ تمہارے خیال میں ان چ
پنجوں والے جوتوں کو کون استعمال کر سکتا ہے۔"

"نہیں ایسا ناممکن ہے کیونکہ وہ کمرہ جہاں وہ عجائبات رکھے ہیں ہمیشہ مقفل رہتا۔
اس کی کنجی یا تو میرے پس رہتی ہے یا ٹھاکر صاحب کے پاس۔"

"خیر!" فریدی نے کھانستے ہوئے کہا۔ "مگر بھئی تمہارے یہ ٹھاکر صاحب بڑے
آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"نہیں یہ بات نہیں۔ میں نے پہلی بار انہیں اس قدر غصے میں دیکھا ہے۔ ان کی ن
سارے علاقہ میں مشہور ہے۔ وہ بھنگیوں تک کو بیٹا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ میری یاد
میں انہوں نے کبھی کسی سے تیز کلامی نہیں کی۔ آج ان کی زبان سے ایسے الفاظ نکلے
مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آتا۔"

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اپنے مخصوص انداز میں نیم وا ہوتی جا رہی
یکایک ان میں عجیب قسم کی وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی۔

چوتھا حادثہ

چار بجے شام کو فریدی دن بھر کا تھکا ماندہ گھر آیا تھا۔ آج وہ دن بھر ٹھاکر دلبیر سنگھ کے دستوں کو ٹٹولتا رہا تھا۔ ڈاکٹر ستیش کے گھر کی تلاشی تو اس نے اسی دن لے لی تھی جس دن اس کا قتل ہوا تھا۔ معمولی ناشتہ کے بعد وہ اپنے کتوں کی دیکھ بھال میں لگ گیا۔ اس کے پاس تقریباً ایک درجن کتے تھے اور ہر کتا اپنی مثال آپ تھا۔ کتوں کے شوق کا یہ عالم تھا کہ اس کے بعض بے تکلف احباب اسے خواجہ سگ پرست کہنے لگے تھے۔ صرف کتوں پر ہی منحصر نہیں۔ اس کے شوق عجیب وغریب تھے۔ اسے عجائبات کے جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ اس کی کوٹھی کا ایک کمرہ دنیا کی عجیب وغریب چیزوں کے لئے مخصوص تھا۔ ان میں سب سے زیادہ عجیب و غریب چیز مختلف قسموں کے سانپ تھے۔ وہ ایک ماہر سپیرے کی طرح ان کی پرورش و پرداخت کرتا تھا۔ ان میں سے کئی ایسے بھی تھے جن کے زہر کی تھیلیاں وہ خود نکالا کرتا تھا۔ اس کی ان حرکتوں پر اس کے سارے ہم پیشہ اس کا مضحکہ اڑاتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی شہرت کے لئے اس قسم کی عجیب وغریب حرکتیں کیا کرتا ہے۔

کتوں کی دیکھ بھال سے فارغ ہو کر فریدی اپنے عجائب خانے کی طرف گیا۔ جیسے ہی وہ دوسرے برآمدے کی طرف مڑا اسے سروج دکھائی دی جو عجائبات کے کمرے سے نکل رہی تھی۔

"تو آپ کو بھی اس کا شوق ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"کیوں کیا ہوا تم ڈریں تو نہیں۔ وہاں کئی بہت ہی خوفناک چیزیں بھی ہیں۔"

"آخر آپ نے اتنے سارے سانپ کیوں جمع کر رکھے ہیں۔"

"پتہ نہیں کیوں مجھے سانپوں سے عشق ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن فریدی بھیا یہ شوق خطرناک بھی ہے۔"

"لیکن یہ میرے لئے میرے پالتو کتوں کی طرح بے ضرر ہیں۔"

"تو پھر آپ نے ان کا زہر نکال دیا ہوگا۔"

"نہیں ایسا تو نہیں......ان میں سے بہتیرے ایسے بھی ہیں جن کا زہر آج تک نکالا نہیں گیا۔"

"انہیں کھلاتا پلاتا کون ہے۔"

"میں خود!" فریدی نے کہا۔ "آؤ تمہیں تماشا دکھاؤں۔"

دونوں کمرے میں داخل ہوئے، فریدی ایک الماری کے قریب پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے دروازوں میں نیچے کی طرف بے شمار چھوٹے بڑے سوراخ تھے۔

فریدی نے ایک مخصوص انداز میں سیٹی بجائی۔ یک بیک پھپھکاروں کی آوازیں دیں اور الماری کے سوراخوں سے سانپ نکلنے لگے۔ سروج چیخ کر پیچھے ہٹ گئی۔

"ڈرو نہیں یہ کیچوؤں سی بھی بدتر ہیں ان میں زہر نہیں۔"

فریدی نے میز پر سے دودھ کا برتن اٹھا کر زمین پر رکھ دیا۔ سارے سانپ اس پر ٹوٹ پڑے۔ فریدی نے دوسرا برتن بھی اٹھا کر اسی کے قریب رکھ دیا۔ لیکن وہ سب پہلے برتن پر پڑ رہے تھے۔ وہ انہیں ہاتھ سے ہٹا ہٹا کر دوسرے برتن کے قریب لانے لگا۔ یہ دیکھ کر سروج پھر چیخ پڑی۔

فریدی ہنسنے لگا۔

"ڈرو نہیں سروج بہن یہ سب میرے دوست ہیں۔"

"مجھے یہ تماشا بالکل اچھا نہیں لگا۔ میں ڈرائنگ روم میں آپ کا انتظار کروں گی" سروج یہ کہہ کر باہر چلی گئی۔

دونوں برتن صاف کر لینے کے بعد سارے سانپ آہستہ آہستہ الماری کے سوراخوں میں چلے گئے۔ فریدی نے تھوڑی دیر ٹھہر کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور کچھ گنگناتا ہوا باہر نکل آیا۔ سرجنٹ حمید تیز قدموں سے عجائبات کے کمرے کی طرف آ رہا تھا۔ فریدی اسے دیکھ کر رک گیا۔

"کہو بھئی کیا خبر ہے۔"

"کوئی خاص خبر نہیں کوتوالی سے آرہا ہوں۔ ابھی ابھی دلبیر سنگھ کا نوکر آپ کے نام ایک خط دے گیا ہے۔"

فریدی خط پڑھنے لگا۔

"فریدی صاحب تسلیم!

مجھے اپنے کل کے رویے پر سخت افسوس ہے۔ کل شاید زندگی میں پہلی بار مجھے غصہ آیا تھا۔ سروج کو سمجھانے کی کوشش کیجئے گا۔ خدا کرے کہ وہ مجھے معاف کردے۔ میں نے اس کی شان میں بہت ہی نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں جس کے لئے میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے جب تک وہ یہاں نہ آجائے گی مجھے سکون نہیں مل سکتا۔ خدا میرے حال پر رحم کرے۔

منجانب: ٹھاکر دلبیر سنگھ"

"تو ہوش آ گیا ٹھاکر صاحب کو۔" فریدی نے کہا۔

"اور یہ بہت بُرا ہوا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"کیوں؟"

"میں یہ کیا جانوں۔ لیکن سروج سے اس خط کا تذکرہ نہ کیجئے گا؟"

"آخر کیوں۔" فریدی نے متعجبانہ انداز میں پوچھا۔

"ارے تو کیا واقعی آپ!" حمید ادھوری بات کر کے چپ ہو گیا۔

"عجیب آدمی ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے۔ آخر بات کیا ہے۔"

"کیا آپ سچ مچ سروج کو واپس بھیج دیں گے۔"

"تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔" فریدی نے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"سنئے تو سہی!" حمید اسے روکتے ہوئے بولا۔ "کیا واقعی آپ سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں۔"

"کہیں میں تمہاری پٹائی نہ کردوں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "خواہ مخواہ بھیجا چاٹے جا رہے ہو۔"

"صرف ایک بات اور پوچھوں گا۔"

"فرمایئے!" فریدی رکتے ہوئے ہنس کر بولا۔

"تو واقعی کیا آپ سروج......!"

"بکواس بند!" فریدی جھلا کر بولا۔

سروج ڈرائنگ روم سے نکل آئی اور فریدی کچھ کہتے کہتے خاموش ہوگیا۔ حمید کر ہنسنے لگا۔

"کیا بات ہے۔" سروج نے دونوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی کہتا ہوا اندر چلا گیا۔ سروج نے حمید پر ایک اچٹتی ی اور وہ بھی چلی گئی۔ حمید تھوڑی دیر تک کھڑا سر کھجاتا رہا۔ اچانک اس کے ہونٹوں پر شرار مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور چیخ مار کر دھڑام سے زمین پر گر گیا۔

چیخ کی آواز سن کر فریدی اور سروج برآمدے میں نکل آئے۔

"ارے ارے کیا ہوا۔" فریدی حمید کی طرف جھپٹتے ہوئے بولا۔

"حمید حمید......!" وہ اسے جھنجھوڑ کر پکارنے لگا۔

"ابھی تو اچھے بھلے تھے۔" سروج نے کہا۔

"نہ جانے کیا ہوگیا۔" فریدی نے حمید کے چہرے پر جھکتے ہوئے کہا۔

"تو کیا آپ واقعی سروج......!" حمید آہستہ سے بولا۔

فریدی نے جھنجھلا کر اسکا منہ دبا دیا۔ "چپ رہو۔" فریدی نے اسکا منہ دبائے ہو۔

"ارے ارے......!" سروج کہتی ہوئی آگے بڑھی۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"تم اسے نہیں جانتیں معلوم نہیں کون سا شیطان اس کے اندر حلول کر گیا ہے۔"

"صاحب آپ کی تو کوئی بات ہی میری سمجھ میں نہیں آتی۔" سروج نے کہا۔

"اور میری بات!" حمید اٹھتے ہوئے جلدی سے بولا۔

"ارے!" سروج گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔

"حمید اگر تم اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو اچھا نہ ہوگا۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"آپ بہرحال میرے آفیسر ہیں۔"

"آخر بات کیا ہے۔" سروج نے کہا۔

"کچھ سرکاری معاملات ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

فریدی اسے اب تک گھور رہا تھا۔

"آؤ چلیں اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔" فریدی نے سروج سے کہا حمید باہر کھڑا رہا روہ دونوں چلے گئے۔

"آخر بات کیا ہے؟" سروج نے پھر پوچھا۔

"کچھ نہیں یونہی مجھے تنگ کر رہا ہے۔"

"اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ماتحتوں کو زیادہ سر نہ چڑھانا چاہئے۔" سروج نے کہا۔

"مشکل تو یہی ہے کہ اسے میں ماتحت سمجھتا ہی نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے ماتحتوں میں سب سے زیادہ باسلیقہ اور ذہین ہے۔ ہاں خیر چھوڑو......لو یہ خط دلبیر سنگھ نے مجھے بھجوایا ہے۔"

سروج خط لے کر پڑھنے لگی۔

"تو پھر آپ کیا کہتے ہیں۔" سروج خط پڑھ کر بولی۔

"اُس کے متعلق بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"میں نے تو فیصلہ کرلیا ہے کہ اب اس گھر میں قدم نہ رکھوں گا۔"

"اور میں آپکے فیصلے کی قدر کرتا ہوں۔" حمید نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

فریدی نے جھلا کر میز پر رکھا ہوا رول اٹھالیا اور حمید سہم جانے کی ایکٹنگ کرتا ہوا خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد فریدی اور حمید میں کیس کے

متعلق بحثیں چھڑ گئیں اور سروج اکتا کر باہر چلی گئی۔

"یہ کیا حماقت تھی۔" فریدی سروج کے چلے جانے کے بعد بولا۔

"کیسی حماقت!"

"دیکھو سروج میری مہمان ہے۔ تمہیں اس قسم کی باتیں نہ کرنی چاہئیں کہ اسے دکھ

"تو یہ کہئے کہ آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ارے یہ سب کچھ میں آپ ہی کیلئے کر رہا

"میں سمجھا نہیں۔"

"محبت کرنے والوں کے پاس سمجھ ہوتی کہاں ہے۔"

"پھر وہی بکواس!" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔ "میں تمہیں آخری بار سمجھاتا ہوں کہ ا
اس کے متعلق کبھی کچھ نہ کہنا۔ کیا تم اپنی طرح سب کو گدھا سمجھتے ہو۔"

"جی نہیں میں اپنے علاوہ سب کو سمجھتا ہوں۔"

"دیکھو میاں حمید! تمہاری بوکھلاہٹیں بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ میں عنقریب تمہارے
صاحب کو لکھنے والا ہوں کہ جلد از جلد تمہارا کوئی معقول انتظام کر دیں۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں پچھلے دو ماہ سے بالکل عاشق نہیں ہوا۔"

"اچھا بھئی اب ختم کرو یہ قصہ۔" فریدی نے کہا۔ "کوئی قاعدے کی بات کرو۔"

"میرے خیال سے سول میرج ہی زیادہ قاعدے کی بات رہے گی۔"

"تم زندگی بھر سنجیدہ نہیں ہو سکتے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"سچ سچ بتائیے گا آپ کا عشق کن منزلوں پر ہے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"کسی پریشان حال عورت کو سہارا دینا بھی ستم ہو جاتا ہے۔ ہات تیری قسمت کی ایسی کی تیسی۔"

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہیں۔ میں آپ کے لئے جان کی بازی لگا دوں گا۔" حمید
اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"اچھا میرے جاں نثار اب چپ ہو جاؤ۔ ورنہ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔" فریدی
نے اکتا کر کہا۔

"تو اس طرح یہ اس شہر میں چوتھا قتل ہوگا۔" حمید اپنے چہرے پر اداسی پیدا کرتے
ہوئے بولا۔

اس کی مضحکہ خیز صورت دیکھ کر فریدی کو ہنسی آ گئی۔

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ "ہیلو!"

"اوہ فریدی صاحب! میں سدھیر بول رہا ہوں۔ دھرم پور کے جنگل میں پھر ایک حادثہ
ہو گیا ہے۔"

"کیا کہا حادثہ!"

"جی ہاں...... قتل...... ہم لوگ جا رہے ہیں۔ آپ اور حمید صاحب سیدھے وہیں پہنچ جائیے۔"

"لو بھئی...... چوتھا قتل بھی آخر ہو ہی گیا۔" فریدی نے ریسیور رکھتے ہوئے حمید کی طرف
مڑ کر کہا۔

"کہاں؟"

"وہیں...... دھرم پور کے جنگل میں...... جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ارے لو...... باتوں میں
اندھیرا ہو گیا۔ اپنی ٹارچ ضرور لے لینا۔ جلدی کرو ورنہ کہیں لوگ کچھ گڑبڑ نہ کریں۔"

"اب تو جناب میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی سچ مچ مجھے قتل کر دیتا تو اچھا تھا۔ یہ ملازمت کیا
ہے، آفت ہے لاحول ولا قوۃ!" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دونوں کمرے کے باہر نکل گئے۔

فریدی کی ناک

اچھی خاصی تاریکی پھیل گئی تھی۔ دھرم پور کی تاریک اور ویران سڑک پر انسپکٹر فریدی کی
کار تیز رفتاری کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔

"بہت ممکن ہے کہ آج کی رات پھر خراب ہو۔" حمید نے بے دلی سے کہا۔

"دیکھا جائے گا۔ ابھی سے کس بات کی پریشانی ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"پریشانی آپ کو نہ ہوتی ہوگی۔ یہاں تو جان نکل کر رہ جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آ
کون گدھا ہے جس نے قتل کے لئے ایسی غیر شاعرانہ جگہ منتخب کر رکھی ہے۔ ارے قتل کر
ہمارے گھر کے آس پاس کہیں کر دیا کرے۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

"جی نہیں!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ بھی ٹھیک نہیں۔ اسے چاہئے کہ قتل کر
آپ کے گھر بھجوا دیا کرے۔"

"حمید ہنسنے لگا۔"

"کیا زندگی ہے ہماری بھی...... نہ دن چین نہ رات آرام...... اس سے بہتر تو کلر
صبح دس بجے آفس گئے اور شام کو چار بجے شان سے گھر چلے آ رہے ہیں۔ اس کے بعد
اپنی ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیا بوڑھی عورتوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔"

"کاش میں بوڑھی عورت ہی ہوتا مگر سراغ رساں نہ ہوتا۔ ہر وقت زندگی ریوالو
پر رکھی رہتی ہے۔ یا پھر سراغ رسانی ہو انگریزی جاسوسی ناولوں کی طرز کی کہ جاسوس نے ک
کی خبر سنتے ہی ایک آنکھ بند کی، کاندھوں کو ذرا سی جنبش دی۔ دو چار بار کان ہلائے۔ ایک
منہ بسورا اور اچانک مسکراتے ہوئے قاتل کا نام معہ ولدیت اور پتہ بتا کر اپنے فرض
سبکدوش ہو گیا۔ ایک ہم ہیں کہ دن رات بھوتوں کی طرح......!" حمید رک کر کچھ سوچنے لگا

"کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے۔" فریدی نے اکتا کر کہا۔

"ارے باپ رے باپ۔ دیکھئے کتنا اندھیرا ہے۔ کیا آپ گیدڑ کی لاش بھول
ہیں۔ میں تو صاحب ہرگز نہیں جاؤں گا۔ جہنم میں گئی ملازمت...... میرے پھیپھڑوں میں اتنا
نہیں ہے کہ خواہ مخواہ چیخ چیخ کر قہقہے لگاتا پھروں اور پھر بے ہوش ہو کر گر پڑوں۔"

"تم بھی عجیب آدمی ہو۔" فریدی نے کہا۔ "کیا ابھی تک تمہارے دل سے بھو

خیال نہیں نکلا۔ ارے احمق آدمی۔ کتنی بار سمجھایا کہ وہ ان بوتلوں میں بھری ہوئی گیس کا اثر تھا۔"

"اگر یہ سچ ہے تو اس گیدڑ کی لاش کا کیا مطلب تھا۔ اس کے منہ میں دبے ہوئے پائپ
کے کیا معنی تھے اور اس شعر کی کیا ضرورت تھی۔"

"اس کا مقصد محض یہی تھا کہ اسے دیکھ کر بے اختیار ہنسی آ جائے اور پھر سب سے بڑی
بات تو یہ ہے کہ اگر وہاں دوسرے آدمی موجود نہ ہوتے تو ہمارے اس مضحکہ خیز بیان پر کسی کو
یقین نہ آتا۔ مجرموں کا مقصد بھی یہی تھا کہ ہم لوگ اس واقعے کو شیطانی کام سمجھ لیں اور تھک
ہار کر بیٹھ جائیں۔"

"صاحب آپ کی یہ منطق میرے حلق سے نہیں اترتی۔"

"اچھا اب خاموش رہئے۔ ورنہ میرا گھونسہ آپ کے حلق سے اتر جائے گا۔"

"بے بسی کی موت سے اسے بہتر سمجھوں گا۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اس وقت
اق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" حمید نے کہا۔ "نہ جانے کیوں میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔"

"اور میرا دل نہ جانے کیوں اٹھ کر ٹہل رہا ہیں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "دل بیٹھا جا رہا
ہے۔ بہت خوب۔ میں غلط نہیں کہتا کہ تمہارے اندر کسی بڑھیا کی روح حلول کر گئی ہے۔
برخوردار اس قسم کے محاورے کسی مرد کو زیب نہیں دیتے۔"

"آپ برخوردار...... اس قسم کے محاورے......!" حمید جلدی سے بولا۔

فریدی ہنسنے لگا۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ موٹر کی آواز جنگل کے سناٹے میں گونج
رہی تھی۔ کبھی کبھی ہیڈ لائٹ کی روشنی میں سڑک پر ایک آدھ گیدڑ یا جنگلی بلیاں بھاگتی دکھائی
دے جاتی تھیں۔ ہوا قطعی بند تھی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ حمید نے سگریٹ سلگایا اور
ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ دفعتاً فریدی چونک کر کہنے لگا۔

"کیوں حمید......! ٹیلی فون پر گفتگو کرنے کے بعد ہم لوگ کتنی دیر میں گھر سے روانہ
ہو گئے ہوں گے۔"

"بمشکل تمام دس منٹ کے بعد۔"

"تعجب ہے کہ ابھی تک پولیس کی لاری دکھائی نہیں دی۔ آخر یہ لوگ کر
روانہ ہوئے ہوں گے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ ہم لوگوں کے بعد روانہ ہوئے ہوں۔"

"تب بھی اب تک انہیں پہنچ جانا چاہئے تھا۔ سوچنے کا مقام ہے کہ سدھیر جلدی
سے کوتوالی میں میرا انتظار نہیں کرسکتا تھا۔ اس لئے اس نے سیدھے یہیں آنے کے لئے
اگر واقعی اتنی ہی جلدی تھی تو اس سست رفتاری کا کیا مطلب ہوسکتا ہے۔"

"تو کیا!" حمید سیٹ پر اچھلتے ہوئے بولا۔ "ہمیں کسی نے دھوکا دیا۔"

"بہت ممکن ہے۔ دراصل مجرم میری جان لینا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر ستیش بھی اس
سے میرے پیچھے لگا تھا۔"

"لیکن اگر وہ آپ کو قتل ہی کرنا چاہتا تھا تو خاموشی سے کیوں نہ کر دیا۔ آخر چھپا
کیا ضرورت تھی۔"

"جہاں تک میرا خیال ہے وہ مجھے ایک بوڑھے کے بھیس میں دیکھ کر شبہے میں پڑ گیا
لہٰذا شک رفع کرنے کیلئے اس نے یہ چال چلی اور پھر کچھ دیر بعد اس نے ریوالور نکال لیا تھا۔

"اچھا تو کیا واقعی آپ نے اسے پہچان لیا تھا۔"

"بالکل نہیں...... البتہ اندھیری رات میں سیاہ عینک ضرور شبہے میں ڈال رہی تھی۔"
فریدی نے کہا۔

"ارے یہ کیا!" حمید چونک کر بولا۔

"کیا بات ہے۔"

"ادھر بائیں طرف کی جھاڑیوں میں کوئی تھا۔" حمید نے اندھیرے میں گھورتے ہوئے کہا۔

"فریدی نے کار کی رفتار کم کر دی۔"

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ رفتار تیز رکھئے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"کیوں کیا مرنے کا ارادہ ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر کوئی تناور درخت اچانک کار کے

سامنے آ گرے تو ہم لوگ کہاں ہوں؟"

"ارے باپ رے باپ۔" حمید کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"ذرا ہوش و حواس درست رکھئے۔ کوئی حادثہ پیش آیا ہی چاہتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ریوالور لائے یا نہیں۔"

"ار...... ریوالور......!" حمید ہکلانے لگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"آپ ہنس...... ہنس...... ہنستے ہیں۔"

"تم بھی ہنسونا!"

"مجھے کھانسی آ رہی ہے۔" حمید نے زبردستی کھانستے ہوئے کہا۔

"ارے!" فریدی چونک کر بولا۔

ہیڈ لائٹ کی روشنی میں دور سڑک پر ایک آدمی اوندھا پڑا دکھائی دیا۔ فریدی نے کار کی رفتار دھیمی کر دی۔ کار رک گئی۔ فریدی نے کار پیچھے کی طرف لوٹانی شروع کی۔

"کیوں یہ کیا!" حمید جلدی سے بولا۔

"خطرہ ہے، واپس چلیں گے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

دفعتاً کار کی کھڑکی سے گذرتی ہوئی کوئی چیز فریدی کی کنپٹی سے لگ کر رک گئی۔ یہی واقعہ حمید کے ساتھ بھی پیش آیا اور ایک گرجدار آواز سنائی دی۔

"نیچے اترو!"

دو عدد رائفلوں کی نالیں فریدی اور حمید کی کنپٹیوں سے لگی ہوئی تھیں۔ کھڑکیاں کھلیں اور دونوں نیچے اتار لئے گئے۔ وہ پانچ آدمی تھے ان کے چہرے سیاہ نقابوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ چار کے پاس رائفلیں تھیں اور پانچواں ریوالور لئے ہوئے تھا۔"

"لے چلو!" ریوالور والے نے کہا۔

دونوں کو دو دو آدمیوں نے پکڑ لیا اور وہ سب جھاڑیوں میں گھستے چلے گئے۔ حمید اور

فریدی خاموش تھے۔ ریوالور والے نقاب پوش کے ہاتھ میں ٹارچ تھی وہ آگے آگے دکھاتا ہوا چل رہا تھا۔ دفعتاً فریدی بیٹھ گیا۔ جن آدمیوں نے اسے پکڑ رکھا تھا انہوں نے اٹھانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

ریوالور والا پلٹ پڑا۔ اس نے فریدی کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ فریدی مسکرا رہا تھا

"کیوں مکار! کیا اب کوئی نئی حرامزدگی سوجھی۔" وہ گرج کر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ میں آپ حضرات سے بے تکلف نہیں۔ لہٰذا تہذیب شرط ہے" فریدی منہ بنا کر بولا۔

"اگر ہم خاموشی کی بجائے گانا گاتے ہوئے چلیں تو کیسی رہے گی۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"چپ رہو چوہے کے بچے۔" ریوالور والا پیر پٹختے ہوئے بولا۔

"آپ بڑے بداخلاق معلوم ہوتے ہیں۔" حمید نے بھی زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ لیکن اسے پھر اٹھا دیا گیا۔

"اٹھو!" ریوالور والے نے فریدی سے کہا۔

"رک جاؤ بھائی ذرا ستا لینے دو۔ اگر اجازت ہو تو میں ایک سگار بھی سلگا لوں" فریدی نے پُراطمینان لہجے میں کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگوں کو یہیں پر ختم کر دینا ہوگا۔" ریوالور والے نے کہا۔

"نیک کام میں دیر نہ کرنی چاہئے۔ اگر ختم ہی کر دینا ہے تو یہاں کیا برائی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اٹھو......!" ریوالور والا پھر چیخا۔

"نہیں اٹھوں گا۔" فریدی بھی اسی انداز میں چیخا۔

"اچھا ٹھہرو...... بتاتا ہوں تمہیں......!" اس نے ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ذرا اردو میں بتانا...... انہیں ہندی نہیں آتی۔" حمید نے چلا کر کہا۔

"چپ رہو!" وہ زور سے چیخ کر فریدی کی طرف بڑھا۔

فریدی کے ہاتھ ابھی تک ان دونوں آدمیوں نے جکڑ رکھے تھے۔ ریوالور والے نے فریدی کے بال پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی لیکن جنبش بھی نہ ہوئی۔

"تم یوں نہ مانو گے۔" ریوالور والا فریدی کی ناک پکڑ کر دباتے ہوئے بولا۔

فریدی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ وہ لوگ جو فریدی کو پکڑے ہوئے تھے سنبھل نہ سکے۔ فریدی ان کی گرفت سے آزاد ہو کر اچھلا اور حمید پر آ گرا۔ جنہوں نے حمید کو پکڑ رکھا تھا وہ بھی حمید سمیت زمین پر آ رہے۔ ریوالور والا چیخنے لگا۔

"خبردار...... خبردار...... گولی مار دوں گا۔"

اب بالکل اندھیرا تھا۔ غالباً اس کش مکش کے دوران میں ریوالور والے کے ہاتھ سے ٹارچ گر گئی تھی۔ ریوالور والے نے ہوائی فائر کرنے شروع کئے۔ شاید اسے ڈر تھا کہ اندھیرے میں اسی کے آدمی زخمی نہ ہو جائیں۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ تک اندھیرے میں جدوجہد ہوتی رہی۔ ریوالور والے کی آواز برابر سنائی دے رہی تھی۔

فریدی اور حمید ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر پنجوں کے بل سڑک کی طرف بھاگ رہے تھے۔ کار وہیں کھڑی تھی۔ دونوں کار میں بیٹھ گئے۔ فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی۔ جھاڑیوں کے اندر شور وغل کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو رفتہ رفتہ قریب آتی جا رہی تھیں۔ فریدی نے کار گھمائی اور وہ دونوں بہت زیادہ تیز رفتاری سے شہر کی طرف چل پڑے۔ اب فائر ہونے شروع ہو گئے تھے۔ جن کی آوازیں دور تک سنائی دیتی رہیں۔

"کیوں میاں حمید...... ہو گئی نا اچھی خاصی مرمت!" فریدی نے کہا۔ "وہ تو کہو اس مردود کے ہاتھ سے ٹارچ گر گئی ورنہ اس وقت ہم کہیں اور ہوتے۔"

"بس اب مت بولئے...... چپ چلے چلئے۔" حمید نے کانپتے ہوئے کہا۔

"ارے واہ میرے شیر...... بس اتنے ہی میں ہانپنے لگا۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"آپ ٹھہریئے جناب...... بھلا میں آپ کا مقابلہ کب کرسکتا ہوں۔" حمید نے

"دیکھئے میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوٹ چلئے۔"

"اگر میں لوٹ جاتا تو مجھے زندگی بھر افسوس رہتا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں؟"

"اس لئے کہ یہاں آنے سے مجرموں کا کچھ کچھ سراغ مل گیا۔"

"وہ کیسے!"

"اس کا جواب یہ ٹارچ دے گی۔"

"ٹارچ!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "وہ کب سے بولنے لگی۔"

"اسی وقت سے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اس وقت یہ ٹارچ بہت قیمتی ہے۔"

"ذرا دیکھوں تو۔"

"ہوں ہوں، چھونا مت اسے۔" فریدی نے اسے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "یہ بڑی مشکل سے دستیاب ہوئی ہے۔ اتنی کشتی لڑنے کے باوجود بھی میں نے اس کی کافی حفاظت کی ہے۔"

"آخر کیوں۔"

"اس پر مجرم کی انگلیوں کے نشانات محفوظ ہیں جن کا چربہ اسی وقت فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ میں اتارا جائے گا۔"

حمید حیرت سے فریدی کا منہ دیکھ رہا تھا۔

گلاس کی چوری

دوسرے دن صبح فریدی حمید اور سروج ڈرائنگ روم میں ناشتہ کر رہے تھے۔ فریدی نے رات والے واقعہ کی اطلاع کسی کو نہ دی لیکن حمید کے پیٹ میں چوہے کود رہے تھے۔ وہ اپنی

کارگزاریاں ایک حسین عورت کے سامنے دہرانے کے لئے بے چین تھا۔ دوران گفتگو میں کئی بار اس نے اس موضوع کی طرف آنے کی کوشش کی لیکن فریدی نے ہر بار اسے صاف اڑا دیا۔ آخر کار تھوڑی دیر کے بعد حمید بھی سمجھ گیا کہ فریدی رات والے واقعے کا تذکرہ سروج کے سامنے نہیں لانا چاہتا۔ وہ حسب معمول بے طرح چہک رہا تھا۔ بات بات پر لطیفے ہو رہے تھے۔

"واقعی حمید صاحب! آپ بہت زندہ دل انسان ہیں۔" سروج نے کہا۔

"مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ آپ کے خیال کی تردید کرسکوں۔" حمید نے جواب دیا۔

"لیکن مجھ میں اتنی ہمت ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کی ہمت کا کیا کہنا...... بڑے بڑے آپ کا لوہا، تانبا، پیتل، گلٹ غرض کہ ہر قسم کی دھات مانتے ہیں۔"

سروج ہنسنے لگی اور فریدی صرف مسکرا کر رہ گیا۔

اتنے میں ایک نوکر ہاتھ میں ایک لفافہ لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"ابھی ایک آدمی دے گیا ہے۔" نوکر نے لفافہ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

فریدی خط نکال کر پڑھنے لگا۔ پھر وہ کاغذ سروج کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ ٹھاکر دلبیر سنگھ کا خط ہے۔"

"فریدی صاحب تسلیم!

میں شام کو آپ کا انتظار کر رہا تھا لیکن شاید آپ بہت زیادہ مشغول تھے یا سروج یہاں آنے پر رضامند نہ ہوتی ہوگی۔ مجھے انتہائی افسوس ہے۔ میں سروج کو اپنی بیٹی کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔ غصے میں میں نے اسے وہ سب کچھ کہہ ڈالا جو مجھے نہ کہنا چاہئے تھا۔ مجھے سخت ندامت ہے۔ اگر سروج بوڑھے ٹھاکر کے منہ پر طمانچہ مار کر بھی اس کی غلطی کو معاف نہ کرسکے تو اسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ خدارا سروج کو لے کر جلد آیئے ورنہ میرے ضمیر کی ملامت میرا کام ہی تمام کردے گی۔

فقط...... نادم دلبیر سنگھ۔"

سروج کی آنکھوں میں آنسو جھلک آئے۔ ٹھاکر کے خط نے اسکے دل پر گہرا اثر ڈالا
''میں ضرور جاؤں گی فریدی صاحب ٹھاکر صاحب واقعی پریشان ہوں گے۔ وہ
مجھے بیٹی کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔'' سروج نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔
''مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ چلئے میں آپ کو پہنچا آؤں۔ میں خود آج ٹھاکر صا
سے ملنے کا ارادہ کررہا ہوں، واقعی بڑی خوبیوں کے بزرگ ہیں۔ ان سے مل کر مجھے ایک
کا قلبی سکون محسوس ہوتا ہے۔'' فریدی نے سگار سلگا کر کش لیتے ہوئے کہا۔
''میرا خیال تو یہ ہے!'' حمید نے کہا۔ لیکن فریدی کی تیز نظروں سے گھبرا کر جملہ
کرسکا۔
''ہاں آپ کیا کہتے ہیں۔'' سروج نے حمید سے پوچھا۔
''میں...... یعنی کہ میں......'' حمید نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیا
کہ آپ ضرور جائیے۔''
تھوڑی دیر کے بعد فریدی سروج اور حمید دھرم پور کی طرف جارہے تھے۔
جیسے ہی کار سروج کے مکان کے پھاٹک پر آکر رکی اس کا گرے ہاؤنڈ کتا دم ا
دوڑ آیا۔
''جیک جیک!'' سروج اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولی۔
آواز سن کر ٹھاکر بھی چھڑی ٹیکتے ہوئے برآمدے میں نکل آیا۔ اس کی آنکھوں سے
بہہ رہے تھے۔ موٹے موٹے قطرے...... اس کا محبت بھرا دل امنڈ آیا تھا۔ سروج اس
سے سر لگا کر سسکیاں لینے لگی۔ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا اور روتا جارہا تھا۔ کچھ دیر تک
روتے رہے پھر آنسو پونچھ ڈالے گئے اور ڈرائنگ روم دلچسپ تذکروں سے گونجنے لگا۔
''بھئی بہت تیز گرمی پڑ رہی ہے۔ میرے خیال سے تو کچھ پینا چاہئے۔'' ٹھاکر نے
''میں ابھی شربت بنوا کر لاتی ہوں۔'' سروج نے اٹھتے ہوئے کہا اور باہر چلی گئی
لمحوں کے بعد ایک ملازم کشتی میں شیشے کے خالی گلاس لایا۔ فریدی نے گلاس ہاتھ میں اٹھا

''کتنے خوبصورت گلاس ہیں۔'' فریدی گلاس کو اپنے رومال سے صاف کرتے ہوئے
بولا۔ ''اب ایسی چیزیں کہاں۔''
اس پر ٹھاکر صاحب نے ان گلاسوں کا خاندانی شجرہ سنا کر رکھ دیا۔ فریدی ان کی باتوں کو
دلچسپی سے سن رہا تھا اور ساتھ ساتھ ان گلاسوں کو اٹھا اٹھا کر انہیں رومال سے صاف بھی کرتا
جارہا تھا۔
''بس جی چاہتا ہے کہ انہیں دیکھا ہی کیجئے۔'' فریدی نے گلاسوں کو تعریفی نظروں سے
دیکھتے ہوئے کہا۔
ٹھاکر صاحب گلاسوں کی تعریف سن کر اور زیادہ خوش اخلاق ہوتے جارہے تھے۔ سروج
جگ میں شربت لے کر آئی اور سب کے گلاس بھر دیئے۔
شربت پینے کے دوران ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ٹھاکر صاحب نے دھرم پور کے
جنگل کے کیس کے متعلق بھی کافی دیر تک باتیں کیں۔ اس کے بعد فریدی اور حمید واپس جانے
کیلئے تیار ہوگئے۔ سروج اور ٹھاکر انکے ساتھ پھاٹک تک آئے۔ فریدی نے کار اسٹارٹ کردی۔
''بھئی حمید مجھے وہ گلاس بے حد پسند آئے ہیں۔'' فریدی نے تھوڑی دور چل کر کار
روکتے ہوئے کہا۔
''تو گاڑی کیوں روک دی۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔
''میں انہیں سے ایک چرانا چاہتا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور کھڑکی کھول کر نیچے اتر گیا۔
''کیا مطلب!'' حمید کی آنکھیں اپنے حلقوں سے ابل پڑیں۔
''میں ابھی آیا!'' فریدی نے کہا۔
حمید کار میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ اسے حیرت تھی کہ آخر فریدی کو ہو کیا گیا ہے۔
تھوڑی دیر بعد فریدی لوٹ آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک گلاس تھا۔
''کوئی خاص زحمت نہیں پیش آئی۔ وہ لوگ گلاس وہیں چھوڑ گئے تھے۔'' فریدی نے کار
میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

گود میں سانپ

دوسرے دن صبح فریدی اور حمید کوتوالی گئے۔ کوتوالی انچارج انسپکٹر سدھیر ان کا انتظار کر رہا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی ہاتھ پھیلا کر ان کی طرف بڑھا۔

"آیئے انسپکٹر صاحب! میں آپ ہی لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔" سدھیر نے فریدی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "کہئے کوئی خاص بات۔"

"خاص بات صرف اتنی ہے کہ آپ آٹھ دس کانسٹیبل لے کر میرے ہمراہ چلئے۔" فریدی نے کہا۔

"خیریت!" سدھیر نے حیرت سے کہا۔

"جلدی کیجئے! آپ کا شکار میرے چوہے دان میں پھنس گیا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اس لئے ہم لوگ جلدی میں ناشتہ دان بھی ساتھ ہی لیتے آئے ہیں۔" حمید جلدی سے بول اٹھا۔

"تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ ابھی تک آپ لوگوں نے ناشتہ نہیں کیا۔" سدھیر نے کہا۔

"کہئے کچھ منگاؤں۔"

"نہیں شکریہ اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "آپ جلدی سے اپنے آدمیوں کو تیار کر لیجئے۔"

"جلال پور!"

"جلال پور!" سدھیر نے حیرت سے کہا۔ "تو آپ نے قاتلوں کا پتہ لگا لیا۔"

"قریب قریب......!" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

سدھیر نے ایک دیوان کو بلا کر کچھ ہدایتیں دیں اور خود آفس کے اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد آٹھ مسلح کانسٹیبل آ گئے۔

پولیس کی لاری جس پر سدھیر، حمید، فریدی اور آٹھ کانسٹیبل بیٹھے تھے جلال پور کی طرف

تیزی سے بھاگی جا رہی تھی۔

"ذرا مجھے کچھ پہلے سے بتا دیجئے تاکہ میں اسی کے مطابق انتظام کر سکوں۔" سدھیر نے کہا۔

"میرے خیال سے کچھ زیادہ پریشانی نہ اٹھانی پڑے گی۔" فریدی نے جواب دیا۔

"پھر بھی!" سدھیر نے کہا۔

"بس اتنا سمجھ لیجئے کہ قاتل کے دریافت ہو جانے پر آپ کو اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دینی ہوں گی۔"

"یہ تو ہو ہی جائے گا۔ یہ بتایئے کہ آخر قاتل ہے کون؟" سدھیر نے بے چینی سے کہا۔

"گھبرایئے نہیں ابھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

"ذرا ہوشیاری سے رہنا۔" سدھیر نے اپنے سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کڑی آواز میں کہا۔

"ہاں بھئی...... یہی وقت ہوشیاری کا ہے۔" حمید نے ہنس کر کہا۔ "اور ذرا ہم لوگوں کا خیال رکھنا۔"

"حمید صاحب کسی وقت تو ہم غریبوں کی خطائیں معاف کر دیا کیجئے۔" سدھیر نے کہا۔

"اچھا میں اسی وقت اس پر غور کروں گا۔" حمید نے کہا اور غور سے فریدی کی جیب کی طرف دیکھنے لگا جو خود بخود پھول کر پچک رہی تھی۔

"ارے!" حمید نے اچھل کر کہا۔ "انسپکٹر صاحب آپ کی جیب......!"

فریدی نے حمید کا شانہ دبا دیا۔ حمید خاموش ہو گیا۔ انسپکٹر سدھیر بھی چونک پڑا۔

فریدی نے جلدی سے اپنی ہیٹ اس طرح اپنے پہلو میں رکھ دی کہ جیب چھپ گئی۔

"کیا بات ہے۔" سدھیر نے حمید سے پوچھا۔

"کچھ نہیں...... یونہی ذرا......!"

"دماغ کا ایک اسکرو ڈھیلا ہونے لگا تھا۔" فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

دلبیر سنگھ کی کوٹھی کے سامنے پولیس کی لاری رکی، سروج اور دلبیر سنگھ برآمدے ہی میں بیٹھے تھے۔ فریدی کے ساتھ اتنے بہت سے کانسٹیبل دیکھ کر سروج نے آہستہ سے کچھ کہا۔ دلبیر

سنگھ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اتنے میں یہ لوگ بھی برآمدے میں پہنچ گئے۔

''کہئے فریدی صاحب......کوئی تازہ مصیبت......'' ٹھاکر دلبیر سنگھ نے کہا۔

''کوئی خاص بات نہیں......ادھر سے گزر رہا تھا۔ سوچا آپ سے بھی ملتا چلوں۔''

''خوب خوب!'' ٹھاکر دلبیر سنگھ نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔'' خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسا بڑا آدمی مجھ سے اتنی انسیت رکھتا ہے۔ آپ لوگ تشریف

ارے کوئی ہے ذرا کرسیاں لانا۔''

''گرمی بہت شدید ہے۔'' دلبیر سنگھ نے کہا۔ ''میرے خیال میں آپ لوگ کچھ شربت پی ل

''جی نہیں شکریہ۔'' فریدی نے کہا۔ ''قطعی خواہش نہیں۔''

''کہئے کیا بملا والے کیس کی تحقیقات کے سلسلے میں کہیں تشریف لے گئے تھے'' سنگھ نے پوچھا۔

''جی ہاں......کچھ کامیابی ہوئی تو ہے۔''

''کیا میں کچھ معلوم کرسکتا ہوں۔'' دلبیر سنگھ نے اشتیاق بھرے لہجے میں کہا۔

''کیوں نہیں!'' فریدی اپنے مخصوص سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ''ایک تو یہی اطلاع آپ لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ رندھیر بملا اور ڈاکٹر ستیش کا قتل ایک ہی آدمی کی ایماء پر ہوا ہے

''اچھا!'' دلبیر سنگھ نے حیرت سے کہا۔ ''واقعی یہ خبر انتہائی دلچسپ اور ساتھ ہی حیرت انگیز بھی ہے۔''

''ٹھاکر صاحب۔'' فریدی بولا۔ ''کیا آپ مجھے بملا کا صحیح حلیہ بتا سکتے ہیں۔ مجھے ا لاش دیکھنے کا موقع بھی نہ مل سکا تھا۔''

''بہت خوب!'' ٹھاکر صاحب نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ''اگر کوئی اندھا کسی کا حلیہ بتا سکتا ضرور پوچھئے۔''

''تو کیا واقعی اب آپ کو آنکھوں سے بالکل دکھائی نہیں دیتا۔'' فریدی نے پوچھا۔

ٹھاکر دلبیر سنگھ کے ماتھے پر شکنیں پڑگئیں۔ شاید اسے فریدی کا یہ سوال ناگوار گزرا تھا۔

''فریدی صاحب میرا خیال ہے کہ میں آپ سے عمر میں بہت بڑا ہوں۔'' دلبیر سنگھ نے تلخ لہجہ میں کہا۔

''یقیناً!'' فریدی نے اعتراف میں سر ہلایا۔

''تو پھر آپ کو مجھ سے مذاق نہ کرنا چاہئے۔'' دلبیر سنگھ نے اپنے غصے کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ میں نے کوئی گستاخی نہیں کی۔'' فریدی نے ندامت آمیز لہجے میں کہا ''لیکن اگر آپ کو اس سے تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔''

''خیر......خیر!'' دلبیر سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''کوئی بات نہیں۔''

پھر تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔

''فریدی بھائی! مجرموں کے گرفتار ہوجانے کی کب تک امید ہے۔'' سروج نے کہا۔

''بہت جلد!'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو......تاکہ ہم لوگوں کی طرف سے آپ کا شبہ رفع ہو۔'' سروج نے مغموم لہجے میں کہا۔

''آپ لوگوں پر شبہ......ارے لاحول ولا قوۃ......آپ بھی کیسی باتیں کررہی ہیں۔ توبہ توبہ!'' فریدی یہ کہہ کر اپنے مخصوص لہجے میں سیٹی بجانے لگا۔ وہ دلبیر سنگھ کے سامنے بیٹھا ہوا باغ کی طرف گردن موڑے کچھ دیکھ رہا تھا۔

''ارے سانپ......!'' ٹھاکر دلبیر سنگھ بے اختیار اچھل کر بولا۔

فریدی کی جیب سے ایک کالا سانپ نکل کر اس کی گود میں رینگ رہا تھا۔ سب لوگ بدحواس ہوگئے۔

''سانپ دکھائی دیتے ہیں ٹھاکر صاحب۔'' فریدی نے ریوالور نکال کر ٹھاکر دلبیر سنگھ کی طرف تانتے ہوئے کہا۔ ''خبردار اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرنا۔''

ٹھاکر دلبیر سنگھ کے ہاتھ سے اس کی چھڑی چھوٹ پڑی۔

"تم نے اٹھنے کی کوشش کی اور میں نے گولی چلائی۔" فریدی نے تیز لہجے م
"سدھیر صاحب ہتھکڑی۔"

ٹھاکر دلبیر سنگھ کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگا دی گئی۔ اس کی بے رونق آنکھیں اور زیا
نور ہوگئیں۔

"یہ آپ نے کیا کیا فریدی بھیا۔" سروج بے اختیار چیخ پڑی۔

"ان کی آنکھوں کا علاج بغیر آپریشن...... اب انہیں اندھیرے میں رہنے کی ضر
ہے۔" حمید نے ہنس کر کہا۔ "واللہ انسپکٹر صاحب آپ ماہر امراض چشم بھی ہیں۔"

"ارے ارے...... یہ کیا ہو رہا ہے۔" سروج بے بسی سے بولی۔

"گھبراؤ نہیں...... سروج بہن شکر کرو کہ تم بچ گئیں ورنہ کچھ دن بعد تم بھی بملا کا
دیتی نظر آتیں۔ اگر کچھ اور زیادہ جاننا چاہتی ہو تو کل شام کو مجھ سے ملنا۔ میں گھر پر ہی ہوں گا

ٹھاکر دلبیر سنگھ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"اٹھئے سرکار!" سدھیر نے اُسے ٹھوکر لگاتے ہوئے کہا۔

دلبیر سنگھ جھلا کر کھڑا ہو گیا اور ہتھکڑی میں جکڑے ہوئے ہاتھ اٹھا کر اس زور سے س
کے سر پر مارے کہ سدھیر تیورا کر دیوار سے ٹکرا گیا۔ آٹھوں سپاہی دلبیر سنگھ پر ٹوٹ پڑے۔
سروج چیخنے لگی۔

ٹھاکر دلبیر سنگھ لاری میں بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ اس کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ
تھے اور لاری شہر کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔

اسی دن شام کو پولیس نے دلبیر سنگھ کے مکان پر چھاپہ مارا۔ کافی تلاش اور جستجو کے
آخر کار فریدی اس تہہ خانے کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا جس میں دلبیر سنگھ نے کوک

بنانے کا کارخانہ قائم کر رکھا تھا وہاں سے کافی مقدار میں کوکین برآمد ہوئی۔

اس کے علاوہ دوسرے کاموں سے فراغت پانے کے بعد وہ اور حمید ڈرائنگ روم میں
آ بیٹھے۔ سروج پہلے ہی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"تم بہت زیادہ پریشان نظر آ رہی ہو۔" فریدی نے سروج سے کہا۔ "حالانکہ تمہیں خوش
ہونا چاہئے کہ تم اس جال میں پھنسنے سے بچ گئیں اگر دلبیر سنگھ کو کبھی تم پر ذرا سا شبہ بھی ہو جاتا
کہ تم اس کے راز سے واقف ہو تو تمہارا بھی وہی انجام ہوتا جو بملا کا ہوا۔"

"لیکن آپ کو ان سب باتوں کا علم کیسے ہوا۔" سروج بولی۔

"جب مجرم میری گرفت میں آ جاتا ہے تو جس طرح چاہتا ہوں آسانی سے سب اگلوا لیتا
ہوں۔ صرف دلبیر سنگھ ہی اس قید میں نہیں بلکہ اس کے بارہ ساتھی بھی اس کا ساتھ دے رہے
ہیں۔ یہ سب شہر کے چھٹے ہوئے شریف قسم کے بدمعاش ہیں۔"

"آخر بملا ان لوگوں کے جال میں کیسے پھنس گئی۔" سروج نے کہا۔

"اسی وقت سنو گی۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "خیر سنو ایک دن جب تم گھر
پر نہیں تھیں بملا نے دلبیر سنگھ کو کچھ لکھتے دیکھ لیا۔ اسے حیرت ہوئی ہوگی اور حیرت کی بات بھی
ہے کہ اندھے لکھا نہیں کرتے۔ دلبیر سنگھ کو اس کا احساس ہو گیا۔ اس وقت اس کی سمجھ میں یہی آیا
کہ بملا کو لے جا کر تہہ خانے میں قید کر دے۔ تہہ خانے میں لے جا کر دلبیر سنگھ نے زبردستی
اس سے ایک خط تمہارے نام لکھوایا کہ وہ اپنے کسی عزیز سے ملنے شہر جا رہی ہے اور معلوم نہیں
کب تک اس کی واپسی ہو۔ دلبیر بملا کی تحریر لے کر اسے تہہ خانے میں بند کر کے چلا آیا۔ یہ
فوری کام اس نے اس لئے کیا تھا کہ اپنے دوسرے ساتھیوں سے رائے لینے کے بعد کوئی
دوسری کارروائی کر سکے۔ تمہارے آنے پر اس نے بملا کا خط تمہیں دے دیا تھا اور تم مطمئن
ہو گئی تھیں۔ کیوں ہے نا یہی بات۔ دلبیر سنگھ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا جن میں ڈاکٹر
ستیش بھی شامل تھا۔ ڈاکٹر ستیش نے جو رائے دی اس پر سب راضی ہو گئے۔ لہٰذا وہیں تہہ
خانے میں تیز روشنی کا انتظام کر کے بملا اور ستیش کی ایک تصویر کھینچی گئی۔ وہ تصویر بھی مجھے مل گئی

لیکن وہ ایسی نہیں کہ تمہیں دکھلاسکوں۔ بہر حال بملا سے کہا گیا کہ اس نے دلبیر کا راز کی
کیا تو وہ تصویر اس کے عزیزوں اور اس کے منگیتر کے پاس بھیج دی جائے گی۔ اتنا کچھ کر
کے بعد بھی ان لوگوں کو اطمینان نہ ہوا۔ اسی دوران میں ان کے ہاتھ بملا کے منگیتر کا ایک
لگ گیا جس سے ظاہر ہوا کہ شاید ان دونوں کے والدین میں کچھ جھگڑا ہو گیا ہے اور وا
شادی کرنے پر رضا مند نہیں۔ اس خط کو دیکھتے ہی دلبیر سنگھ نے ایک اسکیم بنائی۔ وہ یہ تھی کہ ا
رندھیر اور بملا اس دوران غائب کر دیئے جائیں تو ان کے والدین یہی سمجھیں گے کہ
رندھیر بملا کو کہیں بھگا لے گیا۔ اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ڈاکٹر ستیش بملا کا
بن گیا۔ اس نے وہ تصویر اسی کے سامنے جلا دی اور اس سے کہا کہ تم رندھیر کو ایک خط لکھو
تمہیں یہاں سے آ کر نکال لے جائے۔ ڈاکٹر ستیش نے بملا کو اچھی طرح اطمینان دلایا
اس کی پوری پوری مدد کرے گا۔ رندھیر کا جواب آنے پر انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ کب آ رہا
جہاں تک دونوں کو قتل کر دینے کی اسکیم کا تعلق ہے ان لوگوں نے بڑی چالاکی سے کام لیا۔
اور زیادہ پردہ پوشی کے لئے پولیس کو بھی اس میں الجھا دینے کی اسکیم بنا کر سخت دھوکا کھ
حالانکہ ان کی اسکیم بھی بڑی شاندار تھی۔ ان کا خیال تھا کہ بملا اور رندھیر کے اس طرح غا
ہو جانے سے بملا کے والدین ان دونوں کا حلیہ جاری کرائیں گے اور جب پولیس کو معلوم
کہ دھرم پور کے جنگل میں لاش دیکھنے والا رندھیر سنگھ ہی تھا تو پولیس اور زیادہ سرگرمی سے
کی تلاش شروع کر دے گی اور شاید ایسا ہوتا بھی۔ اگر عین وقت پر جنگلی گیدڑ ہماری مد
کر بیٹھتے۔ میں نے تمہیں گیدڑ کی لاش کا واقعہ بتایا تھا۔ وہ بھی دلبیر سنگھ کی حرکت تھی۔ ڈا
ستیش صاحب کانپور جا رہے تھے۔ رندھیر کے گھر کی تلاشی لینے تاکہ بملا کا خط ڈھونڈ کر اے
سکیں۔ راستہ میں مجھ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ گرفتار ہو گیا۔ اس کے ساتھ اور آدمی بھی تھے جو ا
کے گرفتار ہونے کے بعد راستے ہی سے پلٹ آئے۔ اس نے اس کی خبر دلبیر سنگھ کو دی۔ دل
سنگھ نے سوچا کہ اب اسے بھی ٹھکانے لگا دینا چاہئے ورنہ ممکن ہے کہ پولیس اس سے اگلوا لے
پھر دلبیر سنگھ نے مجھ پر اور حمید پر بھی حملہ کیا تھا لیکن تم ابھی تک نہیں جانتیں کہ مجھے یہ کیسے معلو

ہوا کہ دلبیر سنگھ ہی مجرم ہے۔ جن لوگوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا ان میں سے ایک کی ٹارچ میرے
ہاتھ لگ گئی۔ اس کی انگلیوں کے نشانات اس ٹارچ پر باقی رہے جنہیں میں نے کاغذ پر اتروا
لیا۔ مجھے دلبیر سنگھ پر شروع ہی سے شبہ تھا۔ حالانکہ وہ ایک اندھے کا پارٹ بڑی خوش اسلوبی
سے انجام دے رہا تھا۔ لیکن...... ہاں تو جب میں تمہیں یہاں چھوڑنے آیا تھا تو تمہیں یاد ہوگا
کہ تم نے ہم لوگوں کو شربت پلایا تھا۔ میں نے وہ گلاس چرا لیا جس میں دلبیر سنگھ نے شربت پیا
تھا۔ اس پر دلبیر سنگھ کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ اس گلاس کے نشانات اور اس ٹارچ کے
نشانات میں کوئی فرق نہ نکلا اور پھر آپ کے ٹھاکر صاحب آخر کار دھر لئے گئے۔"

"اچھا یہ بتایئے کہ میرا کیا حشر ہوگا۔" سرو پریشانی کے لہجے میں بولی۔

"کچھ بھی نہیں۔ تمہیں صرف سرکاری گواہ بننا پڑے گا۔ میں تم سے پہلے ہی وعدہ کر چکا
ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔"

"اب تم اتنی بڑی جائیداد کی تنہا مالک ہو۔ دلبیر سنگھ تو پھانسی سے بچ نہیں سکتا۔"

"میں آپ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ اگر میرا کوئی سگا بھائی بھی ہوتا میرے
لئے اتنا نہ کر سکتا۔"

"اچھا تو مجھے سگا بھائی نہیں سمجھتیں۔" فریدی نے روٹھ جانے والے انداز میں کہا۔

"میرا بھیا۔" سرو نے کہا اور اس کی آنکھوں میں محبت کے آنسو امنڈ آئے۔

حمید نے ایک بھونڈا سا قہقہہ لگایا۔ جھینپا جھینپا سا قہقہہ......

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 3

عورت فروش کا قاتل

(مکمل ناول)

پیشرس

جاسوسی دنیا کی تیسری کہانی ''عورت فروش کا قاتل'' پیش خدمت ہے۔کہانی بھی آپ کے الفاظ میں ''زور دار'' ہی ہے۔مگر محض تفریحی نہیں' سبق آموز بھی ہے۔آپ دیکھیں گے کہ بے جوڑ شادیاں کتنی تباہ کن اور معاشرے پر بُرا اثر ڈالنے والی ہوتی ہیں! لیڈی سیتا رام بھی ایک شریف عورت کی طرح زندگی بسر کرسکتی تھی۔بشرطیکہ عمران کا تفاوت اس کی زندگی کی راہ میں نہ حائل ہوجاتا۔بشرطیکہ وہ اپنے ہی طبقہ میں بیاہی جاتی......
اس کہانی میں آپ کو قہقہے بھی ملیں گے اور آنسو بھی۔

ابن صفی

یکم مئی ۱۹۵۷ھ

خونی ناچ

آج شام ہی سرجنٹ حمید نے کافی ہڑبونگ مچا رکھی تھی، لیکن بات محض اتنی ہی تھی کہ اُ
اس نے نمائش جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ کئی بار اس نے مختلف رنگوں کے سوٹ نکالے اور ان
قسم قسم کی ٹائیاں رکھ کر دیکھتا رہا۔ انسپکٹر فریدی اس کے بچپنے پر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔
لیکن اس نے دخل دینا مناسب نہ سمجھا۔ آج وہ بھی نمائش جانے کے لئے تیار ہوگیا۔ جس کی
سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ آج کل وہ قطعی بیکار تھا، ورنہ اس جیسے مشغول آدمی کو کھیل تماشوں
کی فرصت کہاں اور ویسے بھی اسے ان چیزوں سے دلچسپی نہ تھی۔ فرصت کے اوقات میں
زیادہ تر اپنے پالتو جانوروں سے دل بہلایا کرتا تھا یا پھر حمید کے چٹکلوں سے لطف اندوز ہوا
کرتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ حمید بھی اسکے عجائب خانے کا
ایک جانور تھا۔ حیوان ظریف۔

حمید اُس کا ماتحت ضرور تھا لیکن ان دونوں کے درمیان کسی قسم کا رسمی تکلف بھی نہیں تھا اور
یہی چیز اس کے دوسرے ماتحتوں کو بہت گراں گزرتی تھی۔ اکثر دبی زبان سے اپنی خفگی کا اظہار
بھی کردیا کرتے تھے لیکن فریدی ہمیشہ ہنس کر ٹال دیتا تھا۔ بہتیروں نے اس بات کی کوشش بھی
کی کہ سرجنٹ حمید کا کسی دوسری جگہ کا تبادلہ کرادیا جائے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے
کیونکہ بڑے افسران کو بہرحال کوئی کام فریدی کی مرضی کے خلاف کرنے میں کچھ نہ کچھ تامل
ضرور ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حمید کا تبادلہ کسی دوسری جگہ کا نہ ہوسکا ورنہ سرجنٹوں کے تبادلے تو
آئے دن ہوا کرتے تھے۔

انسپکٹر فریدی ایک جوہر شناس آدمی تھا اس نے پہلے ہی دن حمید کی صلاحیتوں کا اندازہ
لیا تھا اور پھر دو تین معاملات میں اپنے ساتھ چانس دینے پر تو وہ اس کا گرویدہ ہوگیا تھا۔ رفتہ
دونوں کے تعلقات بڑھتے گئے اور پھر ایک دن وہ آیا کہ حمید انسپکٹر فریدی کے ساتھ رہنے

اس وقت وہ اس کی کوٹھی میں بیٹھا اس کے نوکروں پر اسی طرح رعب جما رہا تھا جیسے وہ
اس کے نوکر ہوں۔

"آپ کون سا سوٹ پہن رہے ہیں۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"کوئی سا پہن لیا جائے گا...... آخر تمہیں آج کپڑوں کا خبط کیوں پیدا ہوگیا ہے۔"
یدی نے کہا۔

"کوئی ایسی خاص بات تو نہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔

"نہیں! تم نے ضرور کوئی نئی حماقت کی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں مان نہیں سکتا۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ آج......!" حمید رکتے ہوئے بولا۔ "بات یہ ہے کہ نمائش گاہ تو
ض بہانہ ہے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ آج آرلکچو میں خاص پروگرام ہے۔ سچ کہتا ہوں بڑا
ف رہے گا۔"

"تو یہ کہیے۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "آپ ہی تشریف لے جائیے۔ میرے پاس
ن لغویات کے لئے وقت نہیں۔"

"خدا کی قسم مزا آجائے گا...... آج آپ بھی ناچیے گا، شہناز کے ساتھ ...... اس کی
یک سہیلی بھی ہوگی۔"

"اچھا......!" فریدی طنزیہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "یہ شہناز کیا بلا ہے۔"

"ہی ہی ہی...... بات یہ ہے کہ...... وہ میری دوست ہے...... یعنی کہ بات یہ ہے......
ہی ہی۔"

"جی ہاں بات یہ ہے کہ آپ نے کوئی نیا عشق فرمایا ہے۔"

"جی ہاں...... جی ہاں...... آپ تو سمجھتے ہی ہیں، لیکن میں آپ سے کہتا ہوں
اس بار سو فیصدی سچا عشق ہوا ہے۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ میں اس کے بغیر......!"

"زندہ نہیں رہ سکتا۔" فریدی نے طنزیہ انداز میں جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔

"اور اگر زندہ رہ سکتا ہوں تو اس گھر میں نہیں رہ سکتا اور اگر اس گھر میں رہ بھی گیا تو
رات بھوں بھوں رونے کے علاوہ اور کوئی کام نہ ہوگا۔"

حمید کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا۔

"آپ چلئے تو...... اچھا آپ نہ ناچئے گا۔" اُس نے کہا۔

"خیر چلا جاؤں گا کیونکہ میں بھی تھوڑی سی تفریح چاہتا ہوں، لیکن براہِ کرم وہاں پر
سے تعارف نہ کرانا۔"

"چلئے منظور......!" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "اچھا اب جلدی سے اپنا سوٹ نکلوا لیجئے
پہلے نمائش چلیں گے۔"

"تو کیا تمہیں ناچنا آتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں نہیں...... میں فاکس ٹراٹ ناچ سکتا ہوں...... والز ناچ سکتا ہوں اور!"

"بس بس......!" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ابھی امتحان ہوا جاتا ہے۔"

فریدی نے ریکارڈوں کے ڈبے میں سے ایک ریکارڈ نکال کر گراموفون پر چڑھا
ایک انگریزی طرز کا نغمہ کمرے میں گونجنے لگا۔

"اچھا بتاؤ...... کیا بج رہا ہے۔" فریدی نے حمید کیطرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

حمید بوکھلا گیا۔ اپنی گھبراہٹ کو مسکراہٹ میں چھپاتے ہوئے بولا۔ "ماڈرن فاکس
ٹراٹ......!" فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"اسی بل بوتے پر ناچنے چلے تھے جناب۔"

"اچھا...... تو پھر آپ ہی بتایئے کہ کیا ہے۔" حمید نے جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔

"والز......!"

"میں مان نہیں سکتا۔"

"اچھا اگر فاکس ٹراٹ ہے تو ناچ کر دکھاؤ۔"

"کس کے ساتھ ناچوں۔"

"میرے ساتھ......!"

"آپ ناچنا کیا جانیں۔"

"حضور تشریف تو لائیں۔"

فریدی نے بایاں ہاتھ حمید کی کمر میں ڈال دیا اور حمید کا بایاں ہاتھ اپنے کاندھوں پر رکھنے

"تو گویا آپ مجھے عورت سمجھ رہے ہیں۔ میں کاندھوں پر ہاتھ نہیں رکھوں گا۔" حمید نے
پ کر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"گدھے ہو۔" فریدی نے اُسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "آؤ تمہیں ناچنا
ا دوں۔"

دونوں لپٹ کر ریکارڈ کے نغمے پر ناچنے لگے۔

فریدی ہدائتیں دے رہا تھا۔

"پیچھے ہٹو...... دایاں پاؤں...... بایاں پاؤں...... پیچھے...... پیچھے...... آگے آؤ......
ں...... داہنا۔ برخوردار یہ والز ہے...... ہاں ہاں...... بایاں پاؤں...... فاکس ٹراٹ نہیں
۔"

ریکارڈ ختم ہوجانے کے بعد دوسرا ریکارڈ لگایا گیا۔ وہ دونوں پھر ناچنے لگے۔ تھوڑی دیر
حمید پسینے میں تر ہوگیا۔

"بس میرے شیر...... اتنے ہی میں بول گئے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"خدا کی قسم...... آپ کا جواب نہیں۔" حمید نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "میں تو آپ کو انتہائی
سا آدمی سمجھتا تھا...... آپ نے یہ سب کیسے سیکھ لیا۔"

"ایک سراغ رساں کو سب کچھ جاننا چاہئے۔"

"میں آپکا شکر گذار ہوں، ورنہ آج سخت شرمندگی اٹھانی پڑتی۔" حمید نے کہا۔

"شرمندگی کس بات کی۔ پچھتر فیصدی لوگ عموماً غلط ناچتے ہیں۔ تم تو پھر بھی غنیر رہے تھے۔"

"اچھا تو پھر آج آپ کو بھی ناچنا پڑے گا۔" حمید نے کہا۔

"یہ غلط بات ہے۔ میں تمہارے ساتھ اسی شرط پر چل سکتا ہوں کہ مجھے ناچنے پر کرنا۔"

"عجیب بات ہے...... اچھا خیر...... میں آپ کو مجبور نہ کروں گا۔"

دونوں کافی دیر تک نمائش کے چکر لگاتے رہے۔ حمید کی یہ کیفیت تھی کہ وہ ہر حسین کو قریب سے گزرتے دیکھ کر فریدی کا ہاتھ دبا دینا ضروری سمجھتا تھا اس وقت فری جھنجھلاہٹ دیکھنے کے قابل ہوتی۔ جب وہ اس کی توجہ کسی دوسری طرف سے ہٹا کر کو دکھلانے کی کوشش کرتا۔

"حمید آخر تم اتنے گدھے کیوں ہو؟" فریدی نے چلتے چلتے رک کر کہا۔

"اکثر میں بھی یہی سوچا کرتا ہوں۔" حمید ہنس کر بولا۔

"دیکھو میں تمہیں سنجیدگی سے سمجھاتا ہوں کہ اب تم اپنی شادی کر ڈالو۔"

"اگر کوئی شادی شدہ آدمی مجھے اس قسم کی نصیحت کرتا تو میں ضرور مان لیتا۔" ح مسکرا کر کہا۔

"اگر یہ ممکن نہیں تو پھر میری ہی طرح عورتوں کے معاملے میں پتھر ہو جاؤ۔"

"آپ تو خواہ مخواہ بات بڑھا دیتے ہیں۔" حمید نے بُرا مان کر کہا۔ "کیا کسی اچھی تعریف کرنا بھی جرم ہے۔"

"جرم تو نہیں لیکن ہمارے پیشے کے اعتبار سے یہ رجحان خطرناک ضرور ہے۔"

حمید نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے

وقت اس قسم کی نصیحتیں سننے کے لئے تیار نہیں ہے۔

تقریباً ایک گھنٹے تک نمائش کا چکر لگانے کے بعد وہ لوگ آرلکچو کی طرف روانہ ہو گئے۔

آرلکچو کا شمار شہر کے بڑے ہوٹلوں میں ہوتا تھا...... یہاں کا سارا کاروبار انگریزی طرز پر چلتا تھا۔ یہاں ناچ بھی ہوتا تھا جس میں شہر کے اونچے طبقے کے لوگ حصہ لیا کرتے تھے۔

دونوں نے آرلکچو پہنچ کر ٹکٹ خریدے اور ہال میں داخل ہو گئے۔ سارا ہال برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا اور موسیقی کی لہریں فضا میں منتشر ہو رہی تھیں۔ پہلا راؤنڈ شروع ہو گیا تھا بیشمار خوش پوش نوجوان جوڑے بغل گیر ہو کر ہال کے چوبی فرش پر تیر رہے تھے۔

حمید اور فریدی پہلا راؤنڈ ختم ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ حمید کی بے چین نگاہیں اس بھیڑ میں شہناز کو تلاش کر رہی تھیں۔

"ارے یہ شہناز کس کے ساتھ ناچ رہی ہے۔" حمید نے ایک جوڑے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ فریدی اُدھر دیکھنے لگا۔ ایک خوبصورت لڑکی ریشمی شلوار اور فراک میں ملبوس ایک، جامہ زیب نوجوان کے ساتھ ناچ رہی تھی، فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ دونوں ان کے قریب ہو کر گذرے تو شہناز نے مسکرا کر حمید کو کچھ اشارہ کیا۔ حمید نے منہ پھیر لیا اور فریدی مسکرانے لگا۔

"آخر ہونا سودیشی۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "برخوردار اگر ان لغویات کا شوق ہے تو یہ سب بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ وہ تمہاری بیوی تو نہیں کہ تم اس پر جھنجھلا رہے ہو اور پھر یہ تو مغربی تہذیب کا ایک اہم جزو ہے کوئی بھی عورت کسی مرد کے ساتھ ناچ سکتی ہے۔"

حمید اپنا نچلا ہونٹ چبا رہا تھا۔

"ناراضگی کی کوئی بات نہیں۔ اگلے راؤنڈ میں تم بھی ناچ لینا۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں میں اب نہیں ناچوں گا۔"

"کیوں......؟"

"بس یونہی...... دل نہیں چاہتا۔ آیئے واپس چلیں۔" حمید نے بے دلی سے کہا۔

''پھر آئے کیوں تھے...... عجیب آدمی ہو۔''

''یہاں ٹھہرنے کو دل نہیں چاہتا۔''

''بھئی میں تو ابھی نہیں جاسکتا۔'' فریدی نے کہا اور سگار سلگا کر لمبے لمبے کش لینے لگا۔

''خیر پھر مجبوری ہے......!'' حمید آہستہ سے بولا۔

''گھبراؤ نہیں......!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''مجھے تمہاری محبوبہ سے قطعی کوئی دلچسپی
میں تو اس آدمی میں دلچسپی لے رہا ہوں جو کیا نام ہے اس کا...... ہاں...... شہناز کے سا
رہا ہے۔''

حمید فریدی کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

''کیا تم نے اُسے پہلے کبھی دیکھا ہے۔'' فریدی نے حمید سے پوچھا۔

''نہیں......!''

''اس کا نام رام سنگھ ہے اور یہ ایک خطرناک آدمی ہے۔ خود کو کسی ریاست کا شہزاد
کئے ہوئے ہے لیکن دراصل ایک خطرناک مجرم ہے۔'' فریدی نے سگار کا کش لے کر کہا۔

''یہ سب آپ کیسے جانتے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''عجیب حمقانہ سوال ہے، ارے میں ان حضرت کو نہ جانوں گا، تو پھر کون جانے گا۔

''میں عرصہ سے اس کی تاک میں ہوں۔ مجھے شبہ ہے کہ آج کل یہ لڑکیوں کا بیوپا
ہے۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ شہناز کون ہے، کیا کرتی ہے اور اس کا تعلق کس خاندان سے ہے۔''

''یہ تو مجھے پتہ نہیں کہ کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں
ماڈرن گرلز کالج میں لیکچرار ہے۔''

''تمہاری ملاقات اس سے کس طرح ہوئی۔''

''دو ماہ قبل جب میں دس دن کی چھٹیاں گذار کر گھر سے واپس آرہا تھا تو یہ مجھے ٹ
ملی تھی، ہم دونوں کمپارٹمنٹ میں تنہا تھے۔ اس لئے ایک دوسرے سے شناسائی حاصل ک
میں دقت نہ ہوئی۔ اس کے بعد سے اکثر ہم دونوں ایک دوسرے سے یہاں ملتے رہتے ہی

''کیا وہ یہ جانتی ہے کہ تمہارا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔''

''نہیں میرے بہت کم جاننے والے اس سے واقف ہیں۔''

''یہ اچھی عادت ہے۔''

دونوں خاموش ہوگئے۔ شہناز اور رام سنگھ ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے ناچ
ھے۔ شہناز ہنس ہنس کر اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ طرح طرح کے مضحکہ خیز منہ بنا کر
تھا۔

پہلا راؤنڈ ختم ہوگیا کچھ لوگ سائیڈ میں بیٹھ کر ستانے لگے اور کچھ بار کی طرف چلے
ام سنگھ اور شہناز بھی ایک طرف بیٹھ کر ستا رہے تھے، شہناز بار بار مڑ کر حمید کی طرف
ہی تھی۔ اسے شاید خیال تھا کہ حمید اس کے پاس آئے گا لیکن جب اس نے دیکھا کہ حمید
سے ہلا بھی نہیں تو وہ خود اٹھ کر ان کی طرف بڑھی۔

''ہلو حمید صاحب...... آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں۔ آیئے چل کر بیٹھیں، چلئے میں
کنور صاحب سے ملاؤں۔ ان سے ابھی اسی وقت ملاقات ہوئی ہے۔ بہت دلچسپ آدمی
شہناز نے کہا۔

''وہ شاید ہم لوگوں سے ملنا پسند نہ کریں۔'' فریدی نے کہا۔

''واہ یہ کیسے ہوسکتا ہے......!'' شہناز نے حمید کو مخاطب کر کے فریدی کی طرف دیکھتے
کہا۔ ''آپ کی تعریف......!''

''آپ ہیں میرے دوست احمد کمال اور آپ ہیں مس شہناز۔'' حمید نے تعارف کرایا۔

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔'' فریدی نے شہناز سے ہاتھ ملاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''مجھے بھی......!'' شہناز نے اپنے خوبصورت دانتوں کی نمائش کی۔

اتنے میں دوسرا راؤنڈ شروع ہوگیا۔

''کیا میں آپ سے درخواست کر سکتا ہوں۔'' فریدی نے شہناز سے کہا۔

''اوہ بڑی خوشی سے۔'' شہناز نے داہنا ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔

فریدی نے داہنا ہاتھ پکڑ کر بایاں ہاتھ اس کی کمر میں ڈال دیا اور ہلکے ہلکے
ہوا ناچنے والوں کی بھیڑ میں آ گیا۔

حمید کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ رام سنگھ اب کسی اور لڑکی کے
رہا تھا۔ فریدی ایک مشاق ناچنے والے کی طرح اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ غالباً
بھی آہستہ آہستہ ہدائتیں دیتا جا رہا تھا۔

حمید کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا، وہ کئی بار اٹھا اور بیٹھا...... پھر بار کی طرف
ایک بوتل لیمن پی اور رومال سے منہ پونچھتا ہوا واپس آ گیا۔ فریدی اور شہناز ناچتے
کے پاس سے گذر رہے تھے، فریدی نے شہناز کی نظریں بچا کر مسکراتے ہوئے حمید کو
اور حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے جسم پر سینکڑوں چیونٹیاں رینگنے لگی ہوں، اس
سکوڑ کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ فریدی نے جھک کر شہناز کے کان میں کچھ کہا اور
طرف دیکھ کر ہنسنے لگی۔ حمید کا غصہ اور تیز ہو گیا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ قریب ہی
بوڑھی اور بدشکل اینگلو انڈین کے قریب آیا اور اس سے ناچنے کی درخواست کی، پہلے تو
کر بھنائی کہ شاید حمید اس کا مذاق اڑا رہا ہے، لیکن پھر اس کی قدرے سنجیدگی دیکھ کر
کھڑی ہو گئی۔ حمید اس سے بغل گیر ہو کر ناچنے لگا۔ ہال میں بے شمار قہقہے گونجنے لگے۔

فریدی اور شہناز اس بُری طرح ہنس رہے تھے کہ انہیں قدم سنبھالنا دشوار ہو گیا
اتنی سنجیدگی سے ناچ رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ البتہ بڑھیا بُری طرح شرما
چند منٹ گذرنے کے بعد دونوں اس طرح گھل مل کر باتیں کر رہے تھے، جیسے برسوں
ہوں۔

دوسرا راؤنڈ ختم ہو گیا۔

فریدی، حمید، شہناز اور اینگلو انڈین بڑھیا ایک میز کے گرد آ بیٹھے۔

"کمال صاحب...... واقعی آپ نے کمال ہی کر دیا۔" شہناز بولی۔ "حمید صا
آپ کی ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے ایسے باکمال آدمی سے ملا دیا۔ مجھے آپ سے

مدد ملے گی۔"

"ضرور...... ضرور......!" حمید نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے،
واقعی بڑے باکمال آدمی ہیں۔"

فریدی نے میز کے نیچے حمید کا پاؤں اپنے پاؤں سے دبا دیا۔

"آپ کا نام جاننا مانگتا۔" بوڑھی اینگلو انڈین حمید سے مخاطب ہو کر بولی۔

"ہمارا نام......!" حمید مسکرا کر بولا۔ "ہمارا نام اُلو کا پٹھا ہے۔"

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔" بڑھیا بے تحاشہ ہنستی ہوئی بولی۔

"اچھا ہد ہد کا پٹھا سہی۔" حمید نے کہا۔

"نہیں...... ٹھیک بولو۔"

حمید نے جھک کر آہستہ سے اس کے کان میں کچھ کہا۔

"تم پاگل ہے۔" وہ کھسیانی ہنسی ہنستی ہوئی بولی اور شرما کر سر جھکا لیا۔

"معلوم ہوتا ہے کنور صاحب چلے گئے۔" شہناز نے گردن اونچی کر کے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ کنور صاحب کہاں رہتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں...... مجھ سے تو یہیں اسی وقت ملاقات ہوئی تھی، ویسے ہیں دلچسپ آدمی۔"

"صورت سے تو نرا ڈیوٹ جان پڑتا ہے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"نہیں واقعی بہت زندہ دل آدمی ہے۔" شہناز بولی۔

"شہناز کا دوپٹہ بار بار شانوں سے ڈھلک رہا تھا۔ وہ ایک قبول صورت لڑکی تھی۔ عمر بائیس تئیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی، اس کے چہرے میں سب سے زیادہ حسین چیز اس کے ہونٹ تھے، اوپری ہونٹ نچلے کی مناسبت سے کافی پتلا تھا۔ نچلے ہونٹ کے درمیان کا ہلکا سا خم اس کی جنسی شدت پسندی کی غمازی کر رہا تھا۔ ہنستے وقت گالوں میں خفیف سے گڑھے پڑ جاتے تھے۔

حمید اس وقت اسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔ ایسی نظریں جن میں شکایت
ناپسندیدگی کی جھلکیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

''حمید صاحب آپ اس قدر خاموش کیوں ہیں؟''

''میں دراصل اس لئے خاموش ہوں۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔ ''کہ خاموش رہ
کھانا جلد ہضم ہو جاتا ہے۔''

''آپ انہیں کھانا ہضم کرنے دیجئے۔'' فریدی نے شہناز کا ہاتھ پکڑتے ہو
''آیئے ایک راؤنڈ اور ہو جائے۔''

تیسرے راؤنڈ کے لئے موسیقی شروع ہو گئی تھی۔

فریدی اور شہناز بھی ناچنے والوں کی بھیڑ میں آ گئے۔ حمید نے پھر اسی بڑھیا کے سا
ناچنا شروع کر دیا۔

''آپ واقعی بہت اچھا ناچتے ہیں۔'' شہناز نے آہستہ سے کہا۔

''اور آپ...... آپ کس سے کم ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''آپ کرتے کیا ہیں؟''

''بہت کچھ کرتا ہوں...... اور کچھ بھی نہیں کرتا۔''

''یعنی......!''

''مٹر گشتی۔'' فریدی نے کہا اور پھر اچانک چونک کر بولا۔ ''یہ کیا......؟''

''کیا بات ہے۔'' شہناز نے اپنی بوجھل پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس
آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں اور ان میں سرخ سرخ ڈورے نظر آنے لگے تھے۔

''ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی نے ریوالور چلایا ہو۔'' فریدی نے ایک طرف دیکھتے ہو
کہا۔

''ریوالور...... یہاں ریوالور کا کیا کام...... میں نے تو نہیں سنا۔''

''ساز بہت اونچے سروں میں بج رہے ہیں۔''

شہناز نے اپنا سارا بوجھ فریدی کے کاندھوں پر ڈال دیا۔ وہ ایک نشے میں ڈوبی ہوئی
ناگن کی طرح لہریں لے رہی تھی۔ تیسرا راؤنڈ ختم ہونے میں ابھی کافی دیر تھی لیکن اچانک
ساز رک گیا۔ ناچنے والے حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

ہوٹل کا منیجر اوپر گیلری میں کھڑا چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

''خواتین و حضرات...... مجھے افسوس ہے کہ آج کا پروگرام اس سے آگے نہ بڑھ سکے
گا''

''کیوں کس لئے۔'' بہت سی غصیلی آوازیں بیک وقت سنائی دیں۔

''یہاں ایک آدمی نے ابھی ابھی خودکشی کر لی ہے۔''

ہال میں سناٹا چھا گیا۔ پھر بیک وقت مختلف قسم کی آوازوں کے ملنے سے ایک عجیب قسم
کی بھنبھناہٹ سی گونجنے لگی۔ لوگ ایک ایک کر کے جانے لگے، حتیٰ کہ تھوڑی دیر بعد پورے
ہال میں صرف آٹھ دس آدمی رہ گئے، اُن میں حمید، فریدی اور شہناز کے علاوہ ہوٹل کے
ملازمین بھی شامل تھے۔

''تو ہم لوگ کس لئے رکے ہوئے ہیں۔'' شہناز نے کہا۔

''بدتمیزی ضرور ہے......!'' فریدی بولا۔ ''لیکن شاید آپ کو تنہا واپس جانا پڑے، مجھے
ایک آدمی سے کچھ ضروری کام ہے۔ اس لئے مجھے اس کا انتظار کرنا پڑے گا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' شہناز بولی۔ ''بھلا اس میں بدتمیزی کی کیا بات ہے، اچھا پھر کب مل
رہے ہیں آپ...... یہ رہا میرا کارڈ......!''

فریدی نے اس کا کارڈ لے لیا جس پر پتہ لکھا ہوا تھا۔

شہناز چلی گئی۔

''واہ استاد...... آپ نے تو کمال ہی کر دیا۔'' حمید شکائتی لہجے میں بولا۔ ''اگر اسی طرح
آپ کا ارادہ تبدیل کرنا تھا تو کسی اور پر نظر عنائت کی ہوتی۔''

''عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب۔'' فریدی نے گنگنا کر کہا۔

"خدا خیر کرے۔"

"چھوڑو آؤ دیکھیں کیا معاملہ ہے۔" فریدی نے دروازے کی طرف بڑھتے ہو

برآمدے میں کافی بھیڑ تھی۔ کمرہ نمبر تین کے دروازے پر دو کانسٹیبل کھڑے

تھے۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر دونوں سلام کرتے ہوئے ایک طرف ہٹ گئے۔

قتل یا خودکشی

حمید اور فریدی کی نظر جیسے ہی لاش پر پڑی وہ چونک گئے۔ کمرے کا منظر حد درجہ
تھا۔ ایک آرام کرسی پر لاش اس طرح پڑی تھی جیسے مقتول بیٹھے بیٹھے ٹیک لگا کر کچھ دیر
اونگھ گیا ہو، اس کا داہنا ہاتھ جس میں پستول دبا ہوا تھا اس کی گود میں پڑا تھا۔ بایاں ہا
لٹک کر زمین پر ٹکا ہوا تھا۔ گردن بائیں طرف لڑھک گئی تھی۔ فریدی اور حمید نے ایک
کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

"یہ تو وہی ہے جو شہناز کے ساتھ ناچ رہا تھا۔" حمید نے آہستہ سے فریدی کے
کہا۔

فریدی نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔ حمید خاموش ہوگیا۔

کمرے میں دو انسپکٹر اور ایک ہیڈ کانسٹیبل ہوٹل کے منیجر کا بیان لے رہے تھے۔

وہ تینوں اس طرح مشغول تھے کہ انہیں فریدی اور حمید کے آنے کی اطلاع
ہوٹل کا منیجر کہہ رہا تھا۔

"کنور صاحب تقریباً دو ماہ سے اس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں ان
صرف اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ اُن کے احباب انہیں کنور صاحب کہہ کر مخاطب کرتے تھ
میں یہ کیوں کر بتا سکتا ہوں کہ انہوں نے خودکشی کیوں کی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ ا

ں بھی شامل تھا، دوسرے راؤنڈ تک انہیں وہاں دیکھا گیا ہے اور پھر یہ یہاں اپنے
ے میں چلے آئے تھے۔"

"کیا یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ کس کے ساتھ ناچ رہے تھے۔" ایک سب انسپکٹر نے

"یہ شائد سوائے میرے اور کوئی نہ بتا سکے۔" فریدی اچانک بول پڑا۔

سب لوگ بیک وقت پیچھے مڑ کر دیکھنے لگے۔

دونوں سب انسپکٹر گھبرا کر کھڑے ہوگئے۔

"آپ...... یہ تو بڑا اچھا ہوا انسپکٹر صاحب کہ آپ یہاں موجود ہیں۔" ایک سب انسپکٹر
دی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ یہ ایک نوجوان آدمی تھا، جو شاید حال ہی میں ٹریننگ
آیا تھا۔ اس کے دوسرے ساتھی سب انسپکٹر نے جو کافی معمر تھا بُرا سا منہ بنایا لیکن جلد ہی
پر قابو پانے میں کامیاب ہوگیا۔

"آیئے...... آیئے...... اب ہمیں زیادہ پریشان نہ ہونا پڑے گا۔" دوسرا سب انسپکٹر

"نہیں صاحب میں تو محض تماشائی کی حیثیت رکھتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"جب تک کوئی کام سرکاری طور پر مجھے نہ سونپا جائے میں اس میں ہاتھ نہیں لگاتا اور پھر
پ کس سے کم ہیں۔"

"ارے صاحب...... ہم کیا اور ہماری بساط کیا۔" بوڑھا سب انسپکٹر بولا۔

"خیر یہ تو آپ کا انکسار ہے، کہیے خودکشی کی وجہ بھی معلوم ہوئی یا نہیں۔" فریدی نے

"ابھی تک تو کچھ بھی نہیں معلوم ہوسکا۔" نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

"اس کے متعلق بھی کچھ معلوم ہوا کہ یہ ہے کون۔"

"کی ریاست کے کنور ہیں۔"

''کس ریاست کے؟''

سب انسپکٹروں نے ہوٹل کے منیجر کی طرف دیکھا۔

''یہ تو میں بھی نہیں بتا سکتا۔'' ہوٹل کے منیجر نے کہا۔

فریدی مسکرانے لگا۔

''بڑی عجیب بات ہے کہ جو شخص سوسائٹی میں اس قدر مقبول ہو، اس کے متعلق بھی نہ جان سکیں۔'' فریدی نے کہا۔

''یہی تو سوچنے کی بات ہے۔'' نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

''بالکل اسی طرح جیسے آپ اپنے کو سپرنٹنڈنٹ پولیس ظاہر کریں اور یہ احتراز کریں کہ آپ کس شہر میں متعین ہیں۔'' فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

''بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ۔'' نوجوان سب انسپکٹر بے اختیار بول اٹھا۔

''خیر ہوگا......!'' بوڑھے سب انسپکٹر نے کہا۔ ''اس سے کیا بحث ہمیں تو اس کی وجہ دریافت کرنی ہے۔''

''ہاں تو غالباً ابھی آپ نے یہ فرمایا تھا کہ آپ اس عورت سے واقف ہیں ساتھ یہ ناچ رہا تھا۔''

''میں جانتا ہوں مگر شاید وہ اس واقعہ پر کوئی روشنی نہ ڈال سکے کیونکہ نہ تو یہ کوئی یہ کیس خودکشی کا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

بوڑھا سب انسپکٹر ہنسنے لگا۔

''تو گویا آپ میرے پچیس سالہ تجربے کو جھٹلا رہے ہیں۔'' سب انسپکٹر نے ہنس کر

''جی ہاں...... یہ بات میں اپنے صرف چھ سالہ تجربے کی بناء پر کہہ رہا ہوں نے کہا۔

''اگر آپ کو یقین نہ ہو تو یہ دیکھئے۔''

فریدی نے مرنے والے کی گھنی مونچھیں اکھاڑ لیں...... کہیں کہیں ایک آدھ بال گئے۔

''کہئے داروغہ جی اسے پہچانتے ہیں آپ......؟'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

دونوں سب انسپکٹر حیرت سے منہ پھاڑے فریدی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دونوں نے نفی میں سر ہلا دیا

''تو آپ نہیں جانتے کیا؟ آپ نے مشہور بدمعاش رام سنگھ کی تصویر نہیں دیکھی جو ابھی حال ہی میں آئی ہے۔'' فریدی نے کہا۔

بوڑھے سب انسپکٹر نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔

''اب یہ بتائیے کہ اسے قتل کس طرح کہا جا سکتا ہے جب کہ اس کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا ہے۔'' نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

''اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔'' فریدی لاش پر جھکتے ہوئے بولا۔ ''ایک تو یہی کہ اگر اس نے خودکشی کی ہوتی تو اس کی لاش اتنے سلیقے سے آرام کرسی پر نہ رکھی ہوتی اور نہ پستول والا ہاتھ اتنے اطمینان سے اس کی گود میں ہوتا۔ دوسری وجہ یہ کہ پستول اس کے داہنے ہاتھ میں ہے اور گولی کا زخم بائیں کنپٹی میں۔ یہ تو وہی گھما کر ناک پکڑنے والی شکل ہوئی۔ اگر آپ کے داہنے ہاتھ میں پستول ہے تو آپ خودکشی کے لئے داہنی ہی کنپٹی کو نشانہ بنائیے گا۔ کیونکہ یہی سیدھا پڑتا ہے، اب تیسری وجہ سنئے ذرا اور قریب آ جائیے اب اس زخم کو دیکھئے اگر یہ کیس خودکشی کا ہوتا تو زخم کے ارد گرد کا حصہ بارود کے دھوئیں سے سیاہ ہو گیا ہوتا لیکن یہاں اس قسم کی کوئی چیز نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ گولی کافی فاصلے سے چلائی گئی۔ رہی چوتھی وجہ تو وہ بالکل صاف ہے، ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت زیادہ طاقت والا پستول ہے۔ اگر اس کی نالی کنپٹی پر رکھ کر گولی چلائی ہوتی تو وہ سر کے اندر نہ رہ جاتی۔ بلکہ دوسری طرف کی ہڈی بھی توڑ کر باہر نکل جاتی۔ اگر یہ چیز قانون کے خلاف نہ ہوتی تو میں ابھی آپ کو اس کا تجربہ کرا دیتا۔''

''وہ کس طرح......!'' بوڑھے سب انسپکٹر نے کہا۔

''اس کی کنپٹی پر دوسرا فائر کر کے۔'' فریدی بولا۔

بوڑھا سب انسپکٹر خاموش ہوگیا۔

"واقعی انسپکٹر صاحب جیسا آپ کا نام سنا تھا آپ کو ویسا ہی پایا۔ سچ کہتا ہوں اس طرز ہم لوگوں کا دھیان ہی نہیں گیا۔" نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

"ایسا تو نہیں ہے میں بھی اس پر غور ہی کر رہا تھا۔" بوڑھے سب انسپکٹر نے کہا۔

حمید اب تک بالکل خاموش تھا۔ یہ سن کر اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔

"آپ سچ کہتے ہیں داروغہ جی۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "کل تک آپ قاتل کو بھی گرفتار کر لیں گے۔"

"جی ہاں...... کر کے دکھا دوں گا۔" بوڑھا سب انسپکٹر جوش میں آ کر بولا۔

"حمید یہ کیا بکواس ہے۔" فریدی نے اُسے گھور کر کہا۔ "داروغہ جی! آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔ یہ یونہی بے موقع بے تکی بولتا رہتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" بوڑھا سب انسپکٹر بولا۔ "میں انکی کافی تعریف سن چکا ہوں۔"

"اور اسوقت آپ مجھ سے مل کر خوش بھی ہوئے ہوں گے۔" حمید نے بیساختہ کہا۔

بوڑھے سب انسپکٹر نے پھر بُرا سا منہ بنایا۔

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قاتل نے حملہ کس طرف سے کیا۔" نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

"اس روشندان سے۔" فریدی نے بائیں جانب کی دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ غسل خانہ ہے۔" ہوٹل کا منیجر بولا۔

"ٹھہریئے...... یہ معاملہ بھی صاف ہوا جاتا ہے۔" فریدی نے غسل خانے کا دروازہ کھول کر اندر گھستے ہوئے کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مسکراتا ہوا غسل خانے سے نکل آیا۔

"رام سنگھ ناچ سے تھک کر لوٹا۔" فریدی نے کہنا شروع کیا۔ "غالباً قاتل پہلے ہی سے تیار تھا۔ اُسے اس طرف آتے دیکھ کر چپکے سے غسل خانے میں گھس گیا۔ رام سنگھ اس آرام

کرسی پر آ کر لیٹ گیا۔ قاتل نے نہایت اطمینان سے روشن دان سے اس کی بائیں کنپٹی کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ آرکسٹرا کی پرشور آواز میں گولی کی آواز کی طرف کسی نے دھیان بھی نہ دیا۔ لیکن میں نے گولی کی آواز سنی تھی۔ گولی لگتے ہی مقتول اچھل کر ادھر آ گرا۔ یہ دیکھئے یہاں خون کا دھبہ ہے، جو دوسرے بڑے دھبے سے بالکل علیحدہ ہے۔ قاتل اس وقت غسل خانے کے اندر رہا ہوگا جب تک رام سنگھ ختم ہو گیا ہوگا۔ مگر نہیں اس نے ایسا نہ کیا ہوگا۔ کیونکہ اسے یہ پستول بھی تو اس کے ہاتھ میں دینا رہا ہوگا اور یہ کام لاش کے ٹھنڈے ہونے پر جب کہ جسم اکڑ جاتا ہے نہیں ہو سکتا۔ اس میں کچھ جان باقی رہی ہوگی۔ تب ہی اس نے اس کو اٹھا کر پھر کرسی پر ڈال دیا ہوگا اور پستول اس کے ہاتھ میں دے کر اس وقت تک اسے اپنے ہاتھوں سے دبائے رہا ہوگا جب تک کہ لاش بالکل سرد نہ ہو گئی ہو گی..."

"یہ سب آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں۔" بوڑھا انسپکٹر بولا۔

"میرے ساتھ آیئے میں بتاؤں۔ آپ بھی آیئے۔" فریدی نے نوجوان سب انسپکٹر کو بھی اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تینوں غسل خانے میں چلے گئے۔ انکے پیچھے حمید بھی تھا۔

"بھلا بتایئے تو۔" فریدی نے غسل خانے میں داخل ہو کر کہا۔ "اس کرسی کا یہاں کیا تک ہے اور اس پر پیروں کے نشانات کیسے ہیں۔ خود رام سنگھ یا ہوٹل کا ملازم اتنا بدتمیز نہیں ہو سکتا کہ مخمل کے گدے کی کرسی پر کیچڑ بھرے ہوئے جوتوں سمیت کھڑا ہو کر اس کے نفیس گدے کو خراب کر دے۔ اب ذرا اسی کرسی پر کھڑے ہو کر اس روشندان کو سونگھئے...... آیئے آیئے اور چڑھ آیئے۔ ہاں ذرا ناک تو لگایئے اس روشن دان سے۔ کہئے بارود کی بدبو آ رہی ہے یا نہیں اور یہ دیکھئے دھوئیں کا نشان۔" فریدی خاموش ہوگیا۔ بوڑھے سب انسپکٹر کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، نوجوان سب انسپکٹر فریدی کو تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"آؤ بھئی حمید اب چلیں۔" فریدی نے حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ پھر بوڑھے سب انسپکٹر کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "داروغہ جی معاف کیجئے گا۔ میں نے خواہ مخواہ آپ کا وقت برباد کیا۔"

''ارے واہ صاحب۔'' نوجوان سب انسپکٹر نے کہا۔ ''اگر آپ نہ ہوتے تو ہم لوگ جانے کہاں بھٹکتے پھرتے۔ ہمیں تو آپ کا شکر گذار ہونا چاہئے۔''

بوڑھا سب انسپکٹر بھی جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگا۔ فریدی چلتے چلتے رک گیا۔ وہ پھر لوٹ کر لاش کے قریب آیا۔ تھوڑی دیر تک مقتول کے اس ہاتھ کا جائزہ لیتا رہا جس میں پستول دبا ہوا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ سیٹی بجانے لگا۔

اب وہ جھک کر کرسی کے نیچے دیکھ رہا تھا۔ اس نے لاش کے نیچے دبا ہوا ایک سفید ریشمی رومال کھینچ لیا اور اُسے بغور دیکھنے لگا۔ دفعتاً اسکے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''یہ لیجئے...... یہاں ایک عورت بھی تھی۔''

''جی......!'' بوڑھے سب انسپکٹر نے چونک کر کہا۔

''جی ہاں...... یہ کسی عورت کا رومال ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔'' نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

''نہایت آسانی سے...... یہ دھبے دیکھ رہے ہیں آپ۔'' فریدی نے رومال پر پڑے ہوئے سرخ رنگ کے دھبے دکھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ ہونٹوں میں لگانے والی سرخی کے دھبے ہیں اور بالکل تازے ہیں۔''

''کمال کر دیا آپ نے۔'' نوجوان سب انسپکٹر نے فریدی کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو پھر اسکا یہ مطلب ہوا کہ یہی عورت قاتل بھی ہے۔'' بوڑھا سب انسپکٹر بولا۔

''جی نہیں...... کیا آپ نے کرسی کے گدے پر پڑے ہوئے جوتوں کے نشانات کا بغور جائزہ نہیں لیا۔ اگر کسی عورت کے اتنے بڑے پیر ہو سکتے ہیں تو آپ ہی کا کہنا سچ ہوگا۔''

''تو پھر وہ قتل کی سازش میں شریک رہی ہوگی۔'' بوڑھا سب انسپکٹر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔

''اس کے متعلق ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

اجنبی دوست

دوسرے دن صبح حمید اور فریدی ناشتہ کرنے کے بعد ڈرائنگ روم میں بیٹھے رات والے واقعے کے متعلق گفتگو کر رہے تھے کہ ملازم نے ایک ملاقاتی کارڈ لا کر میز پر رکھ دیا۔

حمید نے کارڈ اٹھا کر پڑھا۔ ''مس شہناز بیگم۔''

''ارے! یہ یہاں کیسے پہنچ گئی۔'' فریدی نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ضرور تم نے اسے بتا دیا...... آخر خواہ مخواہ مجھ سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنے یا آپ کے متعلق اسے کبھی یہ نہیں بتایا کہ محکمہ سراغ رسانی سے تعلق رکھتے ہیں۔''

''بھیج دو......!'' فریدی نے ملازم سے کہا۔

ملازم چلا گیا۔ دوسرے ہی لمحہ میں شہناز کمرے کے اندر تھی۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر وہ ٹھٹک پڑی۔

''ارے...... آپ لوگ یہاں۔'' اُس نے حیرت سے کہا۔

فریدی اور حمید مسکراتے ہوئے کھڑے ہوگئے۔

''معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگ بھی میری ہی طرح پریشان کئے گئے ہیں۔'' شہناز ایک کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''یہ بہت اچھا ہوا کہ آپ لوگ بھی یہاں موجود ہیں۔ اب میں اپنی بے گناہی کا ثبوت فریدی صاحب کو دے سکوں گی۔''

''آخر بات کیا ہے۔'' حمید بولا۔

''پولیس والوں نے تنگ کر رکھا ہے۔ وہ میں کل کنور کے ساتھ ناچ رہی تھی نا۔ بس اسی

لئے وہ لوگ مجھ پر شبہ کر رہے ہیں۔ کل رات سے اسی پریشانی میں مبتلا ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہ
آتا کہ کیا کروں۔ میرے ایک دوست نے مجھے مشورہ دیا کہ میں فریدی صاحب سے
لوں۔"

"لیکن فریدی اس سلسلہ میں آپ کی کیا مدد کر سکے گا۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے سنا ہے کہ وہ بے گناہوں کی مدد ضرور کرتے ہیں اور پھر خصوصاً ایسی صورت
میں جب کہ آپ لوگ بھی میرے ساتھ ہی تھے، میں اپنی بے گناہی اچھی طرح ثابت کر سکوں
گی۔" شہناز بولی۔ "آپ کی گفتگو کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ فریدی صاحب سے
کافی بے تکلف ہیں۔"

"کیا کہنے ہیں آپ کی بے تکلفی کے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "بس یہ سمجھئے کہ فریدی
بیوی ان کی بیوی ہے۔"

"بیوی.....!" شہناز چونک کر بولی۔ "میں نے سنا ہے کہ انہوں نے شادی ہی نہیں کی
میرے جس دوست نے ان کا پتہ بتایا تھا اُسی سے اُن کی بہتیری عجیب و غریب عادتوں
متعلق بھی معلوم ہوا تھا۔"

فریدی مسکرانے لگا۔

"عجیب و غریب عادتوں سے آپ کا کیا مطلب ہے۔" حمید بولا۔

"یہی کہ وہ عام آدمیوں سے بالکل الگ تھلگ ہیں۔" شہناز نے کہا۔

"غالباً اس سے آپ کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ فریدی صاحب کے سر پر دو سینگ
ہیں۔ ایک سونڈ ہے اور کان سرے سے ہیں ہی نہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔

"تعجب ہے کہ آپ انہیں کے گھر میں بیٹھ کر اس طرح ان کا مضحکہ اڑا رہے ہیں!"
شہناز ترشروئی سے بولی اور فریدی مسکرانے لگا۔

"آپ فریدی سے کیا کہنا چاہتی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"آخر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔" شہناز بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "میں نے تو آپ

ہرگز یہ نہیں پوچھا کہ آپ لوگ یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔"

حمید نے پھر قہقہہ لگایا۔

"میں آپ لوگوں کو اتنا بداخلاق نہیں سمجھتی تھی۔" شہناز بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔
"آپ لوگ نہیں سمجھ سکتے کہ میں کس قدر پریشان ہوں۔"

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہیں، میں اس بات کی گواہی دوں گا کہ حادثے کے وقت آپ
میرے ساتھ تھیں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ کی گواہی کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ یوں تو دو چار جھوٹے گواہ بھی بنائے جا سکتے
ہیں۔" شہناز نے بے بسی سے کہا۔

حمید پھر ہنسنے لگا۔ فریدی نے اسے گھور کر دیکھا۔

"اچھا چھوڑیئے ان باتوں کو..... کچھ چائے وغیرہ پیجئے۔" فریدی نے کہا اور نوکر کو بلا کر
چائے لانے کے لئے کہا۔

"کیا فریدی صاحب آپ کے کوئی عزیز ہیں۔" شہناز متعجب ہو کر بولی۔ "آپ کی بے
تکلفی سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔"

"جی نہیں..... بلکہ میں خود فریدی ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"ارے..... آپ.....!" شہناز گھبرا کر کرسی سے اٹھتی ہوئی بولی۔

"ہاں..... ہاں..... آپ اٹھ کیوں گئیں..... بیٹھئے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔
"اور یہ سرجنٹ حمید ہیں..... میرے اسسٹنٹ اور بہترین دوست۔"

شہناز کبھی حمید کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی فریدی کی طرف۔

"معافی چاہتی ہوں..... ابھی ابھی میں آپ کے ساتھ بڑی گستاخی سے پیش آئی تھی
اور اس کی وجہ محض لاعلمی ہے۔" شہناز شرمندگی کے لہجے میں بولی۔

"کوئی بات نہیں..... ہمارا پیشہ ہی ایسا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"مجھے سخت شرمندگی ہے۔" شہناز بولی۔ "لیکن کل آپ نے اپنا کوئی اور نام بتایا تھا۔"

"میں نے غلط نہیں بتایا تھا۔ میرا پورا نام احمد کمال فریدی ہے لوگ صرف فریدی کے نام سے یاد کرتے ہیں اور حمید نے بھی اپنا نام غلط نہیں بتایا تھا۔"

"میں سمجھتی تھی کہ آپ بوڑھے نہیں تو ادھیڑ ضرور ہوں گے۔ مگر آپ تو......!" شہناز نے کہا۔

"آپ ٹھیک سمجھتی تھیں...... یہ اس وقت بھیس بدلے ہوئے ہیں۔" حمید جلدی سے بولا۔ فریدی ہنسنے لگا۔

"کیا واقعی......!" شہناز حیرت سے بولی۔

فریدی مسکرا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں میاں حمید مطمئن رہو تمہاری محبوبہ مجھے قطعی پسند نہیں آئی۔

اتنے میں چائے آگئی۔ تینوں چائے پینے لگے۔

"میں کیا بتاؤں کہ اس وقت مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے، خدا نے اگر میرے اوپر مصیبت ڈالی تو اس سے بچاؤ کا انتظام بھی پہلے ہی کر دیا۔" شہناز چائے کی پیالی رکھتی ہوئی بولی۔

"آپ مطمئن رہیے...... آپ کو کوئی کچھ نہ کہے گا۔" حمید بولا۔

"ہاں...... ذرا یہ بتایئے...... لیکن ٹھیک بتایئے گا کہ رام سنگھ یعنی کنور صاحب کو کب سے جانتی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"بخدا میں آپ سے سچ کہتی ہوں کہ کل شام کے علاوہ میں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا۔"

"اُس سے آپ کا تعارف کس نے کرایا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"لیڈی سیتا رام نے۔" شہناز نے کہا۔ "لیڈی سیتا رام مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔ میں ان کی چھوٹی بہن کا ٹیوشن کرتی تھی، جب میں کل شام کو آرلکچو پہنچی تو یہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ لیڈی سیتا رام نے مجھے بھی اسی میز پر بلایا۔ وہیں اس سے تعارف ہوا۔ لیڈی سیتا رام کو تھوڑی دیر بعد اچانک کوئی کام یاد آ گیا اور جلد ہی واپس آ جانے کا وعدہ کر کے چلی گئیں۔ مجھے حمید صاحب کا انتظار کرنا تھا۔ کیونکہ انہوں نے مجھ سے آرلکچو میں ملنے کا وعدہ کیا تھا اس لئے میں

برا کنور صاحب کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی پھر کچھ دیر بعد ناچ شروع ہو گیا۔ لیڈی سیتا اس وقت تک نہیں لوٹی تھیں۔ ہمارے حمید صاحب بھی ندارد تھے، میں سوچ رہی تھی کیا ں کہ کنور صاحب نے ناچنے کی درخواست کی۔ دل تو نہیں چاہتا تھا مگر اخلاقاً ناچنا ہی

"اچھا دوسرے راؤنڈ میں جو عورت اس کے ساتھ ناچ رہی تھی وہ کون تھی۔" فریدی نے

"لیڈی سیتا رام...... وہ شاید پہلے ہی راؤنڈ کے درمیان واپس آ گئی تھیں۔" شہناز نے

"اچھا تو وہی لیڈی سیتا رام تھی۔" فریدی نے کہا۔ "وہ تو بالکل جوان ہیں اور سیتا رام کی اٹھ سے کسی طرح کم نہ ہو گی۔"

"یہ اُن کی دوسری بیوی ہیں۔ ابھی تین سال ہوئے ان کی شادی ہوئی ہے۔"

"جس لڑکی کو آپ پڑھاتی ہیں اس کی کیا عمر ہے؟"

"زیادہ سے زیادہ پندرہ سال۔"

"کیا وہ بھی یہیں رہتی ہے۔"

"جی ہاں! لیڈی سیتا رام اُسے اپنے ساتھ رکھتی ہیں۔"

"سر سیتا رام اور لیڈی سیتا رام کے تعلقات کیسے ہیں۔ میرے خیال سے تو آپس میں نہ ہو گی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"بظاہر تو ایسی کوئی بات نہیں معلوم ہوتی۔ تقریباً ایک سال تک میں اُن کے یہاں آتی ارہی ہوں۔"

"اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ پولیس کو اس کی اطلاع کیسے ملی کہ آپ اُس کے ساتھ ناچ تھیں۔ کیا آرلکچو میں کوئی اور بھی شناسا موجود تھا۔" فریدی نے کہا۔

"میرے خیال سے تو آپ دونوں اور لیڈی سیتا رام کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا یا ممکن

ہے کوئی رہا بھی ہو لیکن مجھے اس کی اطلاع نہیں۔"

"آپ نے پولیس کو بیان دیتے وقت یہ بتایا تھا یا نہیں کہ لیڈی سیتا رام عرصہ کے ساتھ رہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مقتول......!" شہناز چونک کر بولی۔ "تو کیا کنور صاحب کو قتل کیا گیا اخبارات میں تو ان کی خودکشی کی خبر شائع ہوئی ہے۔"

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "ہاں آپ نے میرے جواب نہیں دیا۔"

"میں دراصل پولیس کو یہ بتانا بھول گئی کہ لیڈی سیتا رام بھی کنور صاحب کے تھیں۔" شہناز نے کہا۔ "میں ابھی اس کی اطلاع پولیس کے دے دوں گی۔"

"نہیں اب اسکی ضرورت نہیں۔ اب آپ پولیس کو کوئی اور بیان نہ دیجئے گا۔ میں کوتوالی جا کر سب معاملات ٹھیک کرلوں گا۔ آپ قطعی محفوظ ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔" شہناز نے کہا۔

"شکریہ وغیرہ کی ضرورت نہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "یہ اپنے ہی آدمی ہیں۔"

"کیا کہا آدمی......!" فریدی نے بناوٹی غصہ سے کہا۔

"جی نہیں آفیسر......!" حمید نے سنجیدگی اور گھبراہٹ کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔ ہنسنے لگی۔

شہناز غائب

شہناز کے چلے جانے کے بعد فریدی اور حمید دونوں کوتوالی کی طرف روانہ ہو گئے۔ کی کار تیزی سے شہر کی سڑکیں طے کر رہی تھی۔

"کیوں بھئی حمید......شہناز کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔" فریدی نے کہا۔

"یہ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں اور کس حیثیت سے۔" حمید بولا۔

"عاشق کی حیثیت سے نہیں پوچھ رہا ہوں بلکہ سرجنٹ حمید کی حیثیت سے پوچھ رہا ہوں۔"

"تو میرا جواب یہ ہے کہ میں اس کیلئے کسی حالت میں بھی سرجنٹ حمید نہیں ہوسکتا۔"

"اور اگر رام سنگھ کے قتل میں اسی کا ہاتھ ہو تو......!" فریدی نے کہا۔

"تب بھی میں صرف حمید رہوں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"شاباش......اے مجنوں کے بھائی۔ خدا تم پر رحم کرے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اگر یہی بات ہے تو مجبوراً مجھے تم کو اس کیس سے الگ ہی رکھنا پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔

"تو آپ کو یہ کیس ملا ہی کب جاتا ہے۔ کوئی ایسا خاص کیس نہیں۔ رام سنگھ ایک عادی مجرم اور قاتل تھا جب بھی پولیس کے ہتھے چڑھتا اُسے پھانسی ضرور ہو جاتی۔ میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں کچھ زیادہ چھان بین ہی نہ کی جائے گی۔ لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اخبارات میں خودکشی کا واقعہ کیوں شائع ہوا ہے۔ جب کہ آپ پورے دلائل کے ساتھ اُسے قتل ثابت کر چکے تھے۔"

"یہ سب اُسی بوڑھے سب انسپکٹر کی شرارت ہے وہ دراصل اپنی کارگذاری دکھا کر ترقی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ دو تین دن کے بعد وہ اپنے طریقہ پر اس بات کو پبلک کے سامنے لائے گا کہ مرنے والا کسی ریاست کا راج کمار نہیں بلکہ مشہور بدمعاش رام سنگھ تھا اور اس نے خودکشی نہیں کی بلکہ اسے قتل کیا گیا ہے۔ خیر مجھے کیا......اس طرح اس کا بھلا ہوتا ہے تو مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔"

"لیکن آپ نے جس وقت اپنے دلائل پیش کئے تھے وہاں ہوٹل کا منیجر بھی تو موجود تھا۔" حمید نے کہا۔

"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ اس کا منہ نہایت آسانی سے بند کیا جاسکتا ہے، میرے خیال سے تو سب انسپکٹر کی صرف ایک ہی دھمکی کافی ہوئی ہوگی۔"

"خیر اگر ایسا ہے تو میں ان بوڑھے میاں سے سمجھ لوں گا۔" حمید نے ہونٹ بگ
ہوئے کہا۔

"اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور کوتوالی کے پھاٹک
داخل ہونے کے لئے کار گھمائی۔

بوڑھا سب انسپکٹر سنہا کوتوالی میں موجود تھا اور وہ نوجوان سب انسپکٹر بھی جو واردا
رات میں انسپکٹر سنہا کے ساتھ تھا۔

"فریدی صاحب آپ کی رات والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔" انسپکٹ
جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔ "میں اسے خودکشی ہی سمجھتا ہوں۔"

"ممکن ہے آپ ہی کی رائے درست ہو...... مجھ سے غلطی بھی ہوسکتی ہے۔" فریا
خوش اخلاقی سے جواب دیا۔

"نہیں...... خیر میں یہ تو نہیں کہہ سکتا۔" سنہا نے کہا۔

"لیکن آپ نے تحقیقات کے سلسلے میں غلط آدمی کو منتخب کیا ہے۔" فریدی نے
سلگاتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھا نہیں۔" سنہا بولا۔

"جس وقت یہ واردات ہوئی شہناز میرے ساتھ ناچ رہی تھی اور آخیر تک میر
ساتھ رہی، پہلے راؤنڈ میں وہ ضرور رام سنگھ کے ساتھ ناچی تھی لیکن کنور ہی سمجھ کر...... اس
پہلے کبھی اس نے اُسے دیکھا بھی نہ تھا۔"

"تب تو واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔" سنہا نے جواب دیا۔

"خیر کوئی بات نہیں وہ بیچاری بہت پریشان ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ہاں یہ تو بتا
اس بات کا آپ کو کس طرح علم ہوا کہ شہناز رام سنگھ کے ساتھ ناچ رہی تھی اور اس کے
ناچنے والی دوسری عورت کون تھی۔"

"دوسری کے متعلق تو میں کچھ نہیں جانتا۔" سنہا نے جواب دیا۔ "اور بعض وجوہا

بھی نہیں بتا سکتا کہ شہناز کے متعلق اطلاع دینے والا کون ہے۔"

"خیر میں اس کے لئے آپ کو مجبور نہ کروں گا۔ میں تو اس وقت محض شہناز کی طرف
ے صفائی پیش کرنے کے لئے آیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"اس کی طرف سے آپ مطمئن رہئے۔" سنہا نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں اب معافی
ہتا ہوں ایک ضروری کام سے مجھے باہر جانا ہے۔"

"ضرور ضرور......!" فریدی نے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

سنہا چلا گیا...... نوجوان سب انسپکٹر ابھی تک خاموش بیٹھا تھا۔ فریدی اس کی طرف
طب ہوا۔

"کہئے داروغہ جی...... کیا آپ ابھی حال ہی میں یہاں آئے ہیں۔"

"جی ہاں...... ٹریننگ لے کر آئے ہوئے ابھی صرف چھ ماہ ہوئے ہیں۔ ابھی تو کام ہی
کھ رہا ہوں۔"

"آپ ترقی کریں گے۔ آپ کی بلند اور کشادہ پیشانی پکار پکار کر آپ کی ذہانت کا
علان کر رہی ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن اس لائن میں ترقی کرنے کے لئے تھوڑی
ی چالبازی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اب سنہا صاحب ہی کو لے لیجئے۔ کتنی ہوشیاری اور
احتیاط سے کام لے رہے ہیں کہ ابھی تک اس بات کا بھی اعلان نہیں کیا کہ مقتول راج کمار
نہیں بلکہ مشہور بدمعاش رام سنگھ ہے۔ اگر یہ اس کیس میں کامیاب ہوگئے تو ان کا سرکل انسپکٹر
ہوجانا کوئی بڑی بات نہیں۔"

"اگر آپ لوگوں کی عنائتیں ساتھ رہیں تو میرا ترقی کرنا مشکل نہ ہوگا۔" نوجوان سب
انسپکٹر نہایت سعادت مندی سے بولا۔

"بھئی میرے لائق جو خدمت ہو اس کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ مجھے نہ جانے کیوں
آپ سے کچھ انسیت سی ہوگئی ہے۔ لیجئے سگار پیجئے۔" فریدی نے سگار کا ڈبہ بڑھاتے ہوئے
کہا۔ نوجوان سب انسپکٹر نے سلام کر کے ایک سگار لیا اور سلگا کر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

”نہ جانے کیوں میرا دل چاہ رہا ہے کہ اس کیس کی نجی طور پر تفتیش کروں اور ہو جانے پر مشہور کر دوں کہ اس کی کامیابی کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔“

نوجوان سب انسپکٹر کی باچھیں کھل گئیں اور اُسکے منہ سے صرف اتنا ہی نکل سکا۔

”ارے کیا......!“

”نہیں واقعی نہ جانے کیوں میں آپ کو ترقی کرتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں یہ جانتا کہ یہ کیس سنہا صاحب کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے محکمہ سراغ رسانی کے سپرد نہ کیا جائے میرا دل بھی چاہتا ہے کہ اس کی تفتیش کروں، لہٰذا اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ نجی تفتیش کے بعد کسی نہ کسی کے سر اس کی کامیابی کا سہرا ضرور باندھنا پڑے گا۔ اس لئے میں یہ سوچتا ہوں آپ ہی کیوں نہ ہوں۔“

”ارے صاحب اگر ایسا ہو تو کیا کہنا میں خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان تصور گا۔“ نوجوان انسپکٹر بولا۔

”لیکن اس کے لئے راز داری شرط ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور ابھی تک تو یہی پتہ چل سکا کہ شہناز کے متعلق کرنے والا کون ہے۔“

”آپ مطمئن رہیئے میں کسی سے اس کا تذکرہ نہ کروں گا۔“ نوجوان سب انسپکٹر نے کہا۔ ”اور شہناز کے متعلق اطلاع دینے والی ایک عورت ہے۔“

”وہ کون عورت ہے......؟“ فریدی نے جلدی سے پوچھا۔

”لیڈی سیتا رام......!“ نوجوان سب انسپکٹر نے آہستہ سے کہا۔ ”کل آپ کے جانے کے بعد وہ ہمیں آرلکچنو میں ملی تھی۔“

”بہت خوب...... اچھا اس کا تذکرہ سنہا صاحب سے نہ کیجئے گا۔ میں اب چلوں“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ہاں میں آپ کا نام پوچھنا تو بھول ہی گیا۔“

”مجھے جگدیش کمار کہتے ہیں۔“ سب انسپکٹر نے اٹھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

”اچھا جگدیش صاحب ...... گھبرائیے نہیں...... پولیس کے بڑے عہدے آپ کا انتظار رہے ہیں۔“ فریدی نے کہا اور حمید کو لے کر باہر چلا گیا۔

”کہو برخوردار کیسی رہی۔“ فریدی نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

”بھئی آپ کو گھسنا بھی خوب آتا ہے۔“ حمید ہنس کر بولا۔

فریدی ہنسنے لگا۔

”اب کہاں چل رہے ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”سول سرجن کے یہاں۔“ فریدی نے کہا۔

”کیوں...... وہاں کیا کرنا ہے۔“

”رشوت دے کر اپنے لئے ایک ماہ کی چھٹی کے لئے میڈیکل سرٹیفکیٹ لوں گا۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ کیوں......!“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”میں کتوں کی نمائش دیکھنے باہر جا رہا ہوں، اپنے کچھ عمدہ قسم کے کتے بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن آپ تو نجی طور پر اس کیس کی تفتیش کرنے جا رہے تھے۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”میرے خیال سے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں، اصلی مقصد تو شہناز کو بچانا تھا سو وہ پورا ہو گیا۔“

”تعجب ہے کہ آپ ایسا کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ کو اس پر یقین ہے کہ سنہا سچ شہناز کا پیچھا چھوڑ دے گا۔ اگر ایسا تھا تو اس نے لیڈی سیتا رام کا نام کیوں چھپایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صفائی دے دینے کے بعد بھی شہناز پر شبہ کر رہا ہے۔“

”بھئی کچھ بھی ہو...... میرا جانا ضروری ہے۔ میں نمائش کے منتظم سے وعدہ کر چکا ہوں۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ نمائش ختم ہوتے ہی فوراً واپس آ جاؤں۔“ فریدی نے کہا۔

"خیر صاحب جائیے...... آپ بھلا میرے لئے کیوں تکلیف کرنے لگے۔ جانئے
کہ شہناز میری دوست ہے۔" حمید نے منہ پھلا کر کہا۔

"بس بگڑ گئے۔" فریدی نے کہا۔ "تم تو ہو نرے گھامڑ...... آخر اتنی جلدی کون
آجائے گی۔ میرے جانے کے بعد سر سیتا رام کے گھر کی نگرانی کرتے رہنا۔ اچھا
شہناز کو بھی لگے ہاتھوں کچھ ہدائتیں دیتا چلوں۔"

"جی بس...... رہنے دیجئے۔ ہم لوگوں کی فکر نہ کیجئے۔ خدا آپ کے کتوں کو
رکھے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ گدھے ہیں۔" فریدی نے کہہ کر کار شہناز کی طرف موڑ دی۔

شہناز بیلی روڈ پر ایک چھوٹے سے انگریزی وضع کے خوبصورت مکان میں رہتی تھی۔
وقت وہاں نہ جانے کیوں اچھی خاصی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ شہناز کی بوڑھی ملازمہ ہاتھ
لوگوں سے باتیں کررہی تھی۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے کار سے اتر کر اس سے پوچھا۔

"ارے صاحب نہ جانے کیا ہوگیا۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"کیا ہوگیا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ابھی مس صاحب یہاں کھڑی تھیں۔ میں وہاں برآمدے میں دیکھ رہی تھی۔
ایک موٹر یہاں آکر رکی۔ اُس پر سے دو آدمی اترے اور انہوں نے مس صاحبہ کو اٹھا کر
ڈال دیا اور موٹر یہ جا وہ جا...... نہ جانے کہاں غائب ہوگئی۔ ہائے اب کیا ہوگا۔" ملازمہ
ہوئی بولی۔

"موٹر کدھر گئی۔" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "اور کتنی دیر ہوئی، موٹر کا رنگ کیسا تھا۔"

"مشکل سے پندرہ بیس منٹ ہوئے ہوں گے۔" ملازمہ نے دکھن کی طرف ہاتھ
ہوئے کہا۔ "موٹر اسطرف گئی ہے۔ موٹر کا رنگ کتھئی تھا۔ بالکل نئی معلوم ہوتی تھی۔"

"حمید جلدی کرو......!" فریدی نے کار میں بیٹھ کر اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

فریدی کی کار تیزی سے دکھن کی طرف جارہی تھی۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" فریدی نے کہا۔

حمید غصہ میں ہونٹ چبا رہا تھا۔ وہ دونوں گھنٹوں سڑکیں ناپتے پھرے لیکن کتھئی رنگ کی
نئی کار کہیں نہ دکھائی دی۔

"صبر کرو میاں حمید، اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں۔" فریدی نے اس کا شانہ تھپکتے
ہوئے کہا۔

"نمک چھڑکئے زخموں پر......!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"بس چہکنا بھول گئے۔ اب ہی تو آئے جناب چکر میں۔ اچھا اب سول سرجن کے
یہاں چلنا چاہیئے۔" فریدی نے کہا۔

"مجھے تو آپ یہیں اتار دیجئے۔ جب تک میں اس کار کو تلاش نہ کرلوں گا مجھے چین نہ
آئے گا۔" حمید نے کہا۔

"احمق ہوئے ہو، اس شہر میں کتھئی رنگ کی درجنوں کاریں ہوں گی۔ کیا چیف انسپکٹر کی
کار کتھئی رنگ کی نہیں۔ اس طرح بھی کہیں سراغ ملا کرتا ہے۔"

"پھر بتائیے میں کیا کروں۔" حمید نے بے بسی سے کہا۔

"مجھے فی الحال جانے دو اور خود سیتا رام کی کوٹھی کی نگرانی کرتے رہو مگر خبردار کوئی حماقت
نہ ہونے پائے۔ واپسی پر مجھے مکمل رپورٹ دینا اور سیتا رام کی کوٹھی کے اندر جانیکی کوشش نہ کرنا۔"

یلو ڈنگو

سر سیتا رام شہر کے معزز آدمیوں میں سے تھے اور بے پناہ دولت کے مالک تھے۔ ان کی
عمر پچپن یا ساٹھ کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ پچاس سال کی عمر میں ان کی بیوی کا انتقال ہوگیا تھا

وہ لاولد تھے۔ پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ تھی۔ بیوی کے مرنے کے کچھ دن بعد تک وہ یہ کہتے رہے کہ دوسری شادی کسی حال میں نہ کریں گے لیکن آخر کار ان کا دل ان کے ایک بہی خواہ کی جوان لڑکی پر آ ہی گیا اور انہوں نے اس کے ساتھ شادی کر لی، یہی لڑکی موجودہ لیڈی سیتا رام تھی۔ اس کے ساتھ اس کی چھوٹی بہن کمودنی بھی رہ رہی تھی۔ سر سیتا رام اُسے اعلیٰ تعلیم دلا رہے تھے۔ سر سیتا رام کے ساتھ ان کا بھتیجا سریندر کمار بھی رہتا تھا، جو تین سال قبل انگلینڈ سے ایم۔اے کی ڈگری لے کر واپس آیا تھا۔ یہ ایک وجیہہ اور تندرست نوجوان تھا۔ سر سیتا رام اسے بیٹوں کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ عموماً دیکھا گیا ان کے پاس تقریباً ساٹھ ستر کتے رہتے ہوں گے اور سب اپنی مثال آپ۔ دنیا کی کوئی مشہور نسل نہ رہی ہوگی جس کا ایک آدھ جوڑا ان کے پاس نہ ہو۔ شہر میں وہ کتوں کے اسپیشلسٹ سمجھے جاتے تھے۔ اس لائن میں ان کی تجربہ کاری کا یہ عالم تھا کہ محض کتوں کی آواز سن کر اس کی نسل کے بارے میں پورے پورے لیکچر دے ڈالتے تھے۔

حمید نے ان ساری باتوں کا پتہ لگا لیا تھا اسے رہ رہ کر فریدی پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ اس کی پریشانیوں کی پرواہ کئے بغیر کتوں کی نمائش میں حصہ لینے کے لئے بمبئی چلا گیا لیکن وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ فریدی بہرحال اس کا آفیسر تھا۔ یہ اس کی شرافت اور نیک نفسی تھی کہ اس نے کبھی اسے اپنا ماتحت نہیں سمجھا۔ حمید دن میں کئی بار سر سیتا رام کی کوٹھی کا چکر لگاتا لیکن بے سود۔ کسی قسم کا کوئی سراغ نہ ملا۔ اُسے سب سے بڑی پریشانی شہناز کی وجہ سے تھی۔ ورنہ بھلا وہ کیوں خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کرتا۔ معلوم نہیں وہ کہاں اور کس حال میں ہوگی۔

اس دوران میں فریدی کی طرف سے میدان صاف دیکھ کر انسپکٹر سنہا نے بھی نئے نئے گل کھلانے شروع کئے۔ ایک دن اخبارات میں خبر دیکھنے میں آئی کہ آرلکچو میں خودکشی کرنے والا کوئی راج کمار نہیں بلکہ مشہور عورت فروش رام سنگھ تھا۔ پھر دوسرے دن اخبار والے چیخ رہے تھے کہ رام سنگھ نے خودکشی نہیں کی تھی بلکہ اس کو کسی نے قتل کر دیا تھا اور ساری سراغ رسانی کا سہرا انسپکٹر سنہا کے سر باندھا جا رہا تھا۔ اخبارات دل کھول کر اس کی تعریفوں کے پل باندھ

رہے تھے۔ یہ سب دیکھ کر حمید کا خون کھولنے لگا وہ کوتوالی پہنچا...... اتفاقاً انسپکٹر سنہا سے جلد ہی مڈبھیڑ ہوگئی۔

"کہئے حمید صاحب مزاج تو اچھے ہیں۔" انسپکٹر سنہا نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہاں کافی اچھے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "ہمارے مزاج اچھے نہ ہوتے تو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔"

"آپ کچھ پریشان معلوم ہوتے ہیں۔" سنہا نے کہا۔ "بھئی کیا کروں مجبوراً شہناز کا وارنٹ گرفتاری جاری کرنا پڑا۔"

"وارنٹ گرفتاری......!" حمید چونک کر بولا۔ "کیا مطلب......؟"

"جی ہاں...... وہ بہت عیار عورت معلوم ہوتی ہے۔"

"کیا بکواس ہے......!" حمید نے جھلا کر کہا۔ "اسے تو کچھ لوگ زبردستی پکڑ لے گئے۔"

سنہا ہنسنے لگا۔

"ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے حمید میاں...... میں نے بال دھوپ میں سفید نہیں کئے۔" سنہا نے کہا۔

"کیا مطلب......؟" حمید نے کہا۔

"اچھا یہ بتائیے...... کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ کچھ لوگ اُسے زبردستی پکڑ لے گئے۔"

"نہیں...... لیکن ہم لوگ ٹھیک اُس وقت پہنچے تھے جب اس کی نوکرانی مکان کے سامنے کھڑی شور مچا رہی تھی۔"

"تو پھر معاملہ صاف ہے۔" سنہا نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "شہناز نے بڑا عمدہ پلاٹ بنایا۔ ایک طرف اس نے آپ لوگوں سے اپنی صفائی دلوائی اور دوسری طرف اپنی بیگناہی کا اور زیادہ یقین دلانے کیلئے اس طرح غائب ہوگئی۔ بھئی بلا کی عیار عورت نکلی۔"

"تو اس طرح پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ میں اور فریدی صاحب بھی اس قتل میں شریک

ہیں کیونکہ وہ آخیر تک ہمارے ساتھ رہی تھی۔" حمید نے غصہ سے کہا۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ آپ کی گواہی غلط ہے۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس نے آپ لوگ بھی دھوکہ دیا ہو۔" سنہا نے کہا۔

"یہ قطعی ناممکن ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔" سنہا نے آہستہ سے کہا اور اپنی میز پر رکھے ہوئے کاغذات الٹنے لگا۔ حمید غصہ میں اپنے ہونٹ چبا رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک یونہی بیٹھا رہا پھر خاموشی سے اٹھ باہر نکل آیا۔ شام ہورہی تھی، بازار میں کافی بھیڑ ہوگئی تھی۔ حمید بُری طرح الجھ رہا تھا۔ وقت سنہا سے گفتگو کرنے کے بعد سے اس کا موڈ بہت زیادہ خراب ہوگیا تھا۔ دل بہلانے لئے وہ ایک ریستوران میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر تک بیٹھا چائے پیتا رہا لیکن وہاں بھی دل نہ ریستوران سے نکل کر وہ فٹ پاتھ پر کھڑا ہوگیا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کر دفعتاً اس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور اس پر بیٹھ کر سر سیتا رام کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا۔ سے ایک فرلانگ ادھر ہی اُس نے ٹیکسی رکوائی اور وہاں سے پیدل چلتا ہوا کتابوں کی ا دوکان پر آیا۔ یہاں اس کے اور کوٹھی کے درمیان میں صرف سڑک حائل تھی، وہ بظاہر کاؤنٹر لگی ہوئی کتابیں الٹ پلٹ رہا تھا لیکن اس کی نگاہیں کوٹھی کے بائیں باغ کے پھاٹک کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد سر سیتا رام ایک کتھئی رنگ کے اسپینل کتے کی زنجیر تھا کوٹھی سے برآمد ہوئے۔ یہ ان کی سیر کا وقت تھا۔ اُن کی عادت تھی کہ وہ روزانہ شام کو اپنے چہیتے کتے کو ہمراہ لے کر ہوا خوری کے لئے پیدل لارنس گارڈن تک جایا کرتے تھے۔ حمید انہ جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ اُس نے جلدی سے ایک کتاب خریدی اور سر سیتا رام کے پیچھے چل پڑا۔ سیتا رام بڑھاپے کی سرحدوں میں ضرور قدم رکھ چکے تھے لیکن اس کے قویٰ ابھی تک کا مضبوط معلوم ہوتے تھے، چہرہ ڈاڑھی اور مونچھوں سے قطعی آزاد تھا۔ بھرے ہوئے چہرے پتلے پتلے ہونٹ کچھ عجیب سے معلوم ہوتے تھے۔ کنپٹی اور آنکھوں کے درمیان بے شمار شکنیں تھیں، نچلا جبڑا چہرے کے اوپری حصے کی بہ نسبت زیادہ بھاری تھا۔ ان کی چال میں ایک عجیب

تمکنت کی شان پائی جاتی تھی، جس میں غرور کی آمیزش زیادہ تھی یا پھر ان میں یہ انداز پچیس سال کی فوجی زندگی بسر کرنے کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہو، ویسے وہ کافی خلیق اور ملنسار مشہور تھے۔

حمید انہیں کئی بار دیکھ چکا تھا۔ وہ انہیں ایک خطرناک آدمی سمجھنے لگا تھا۔ علم القیافہ کے ماہرین کی طرح وہ بھی اسی پر ایمان رکھتا تھا کہ بھاری جبڑوں کے لوگ عموماً ظالمانہ رجحانات کے مالک ہوتے ہیں، نہ جانے کیوں اس کا دل بار بار کہہ اٹھتا تھا کہ رام سنگھ والے معاملے میں ان حضرت کا ہاتھ ہے اور شہناز کو غائب کرا دینے کے ذمہ دار بھی یہی ہیں۔

حمید برابر سر سیتا رام کا تعاقب کئے جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ لارنس گارڈن پہنچ گئے۔ چند لمحے ٹہلتے رہنے کے بعد وہ ایک بنچ پر بیٹھ کر ستانے لگے۔ حمید بھی کچھ دور ہٹ کر ایک بنچ پر بیٹھ کر نئی خریدی ہوئی کتاب کے ورق الٹنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح سر سیتا رام سے جان پہچان پیدا کرے۔ اچانک غراہٹ کی آواز سنائی دی اور ایک پیلے رنگ کا خوفناک کتا مہندی کی باڑھ پھلانگتا ہوا سر سیتا رام کے کتے پر جھپٹ پڑا۔ اس نے ان کے کتے کو تین پٹخنیاں دیں اور اس کی گردن دبا کر بیٹھ گیا۔ سر سیتا رام کے کتے نے سہم کر آواز بھی نکالنی چھوڑ دی تھی۔ سر سیتا رام بنچ پر کھڑے ہوکر چیخ رہے تھے۔

"اے ہٹو...... ہٹو...... ڈنگو کے بچے۔" ایک آدمی مہندی کی باڑھ کی دوسری طرف سے چیختا ہوا کودا۔ اُس نے جھپٹ کر پیلے کتے کے پٹے پر ہاتھ ڈال دیا۔ اس کی گرفت سے آزاد ہوتے ہی سر سیتا رام کا کتا بھاگ کر بنچ کے نیچے دبک گیا۔ نووارد ایک عجیب الخلقت آدمی معلوم ہوتا تھا۔ دیکھنے میں وہ کافی مہذب معلوم ہوتا تھا۔ لیکن چہرے سے بلا کی عیاری اور مکاری ٹپک رہی تھی۔ اُس کے سرخ و سپید چہرے پر گہرے سیاہ رنگ کی فرنچ کٹ ڈاڑھی بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ لیکن اس میں بے ڈھنگا پن نہیں تھا۔ آنکھوں پر بغیر فریم کا سبک سا چشمہ تھا مونچھیں باریک اور نوکیلی تھیں۔ جسم کی ساخت چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ وہ کڑی محنت کا عادی ہے۔ اس نے سیاہ رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ مجموعی حیثیت سے وہ کسی اونچی سوسائٹی کا فرد معلوم ہوتا تھا۔

"جناب والا مجھے ندامت ہے۔" اس نے بپھرے ہوئے پیلے کتے کو اپنی طرف ک
ہوئے کہا۔

"مگر......مگر......اتنا خوفناک کتا آپ اسے اس طرح آزاد کیوں چھوڑ دیتے ہیں
سر سیتارام نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "آپ ایک بھاری جرم کر رہے ہیں۔"

"جرم!" اجنبی نے چونک کر کہا۔ "بھلا اس میں جرم کی کیا بات ہے۔"

"ایسے خطرناک کتے کو آزاد چھوڑ دینا جرم نہیں تو اور کیا ہے۔" سر سیتارام ترشی
بولے۔ "یا پھر شاید آپ اس کی نسل سے ناواقف ہیں۔ یہ افریقی نسل کا بلیو ڈنگو ہے۔ بعض
اوقات یہ شیر اور چیتے سے بھی ٹکر لے لیتا ہے، یہ آپ کو ملا کہاں سے اور یہاں کی آب و
میں اب تک کیسے ہے۔"

اجنبی سر سیتارام کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

"واہ رے میری قسمت......!" وہ تقریباً چیخ کر بولا۔ "سارے ملک میں آپ ہی ا
کتوں کے معاملے میں اتنے تجربہ کار نظر آئے ہیں، مجھے آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔
اور مجھے خود حیرت ہے کہ یہ کتا یہاں کی آب و ہوا میں کس کے پاس تھا اور یہاں زندہ ک
رہا۔"

"کیا مطلب....؟" سر سیتارام نے چونک کر کہا۔ "تو کیا یہ کتا آپ کا نہیں ہے۔"

"جی نہیں! یہ بہت ہی عجیب و غریب طریقے سے مجھ تک پہنچا ہے۔" اجنبی نے ا
پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

سر سیتارام توجہ اور دلچسپی کے ساتھ اجنبی کو دیکھ رہے تھے۔ حمید کا دل بڑی شدت
دھڑک رہا تھا۔ کیونکہ وہ اس کتے کو پہچانتا تھا۔

"تین چار دن کی بات ہے۔" اجنبی کہنے لگا۔ "میں شکار کھیل کر واپس آ رہا تھا میں
ایک چلتی ہوئی ٹرین کے جانوروں کے ڈبے سے اس کتے کو کود کر باہر آتے دیکھا۔ ٹرین گذ
اور یہ بھاگتا ہوا میری طرف آ رہا تھا۔ میں نے کار روک دی اور اتر کر اسے پکڑ لیا۔ تب

رے پاس ہے۔"

"لیکن یہ اتنی جلدی آپ کے قابو میں کیسے آ گیا۔" سر سیتارام پلکیں جھپکاتے ہوئے
بولے۔

"اوہ میرے لئے یہ کون سی بڑی بات ہے۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "میں نے اپنی زندگی کا
بڑا حصہ افریقہ کے جنگلوں میں گزارا ہے۔ میں اس ذات کے کتوں کی نس نس سے واقف
ہوں۔" سر سیتارام جلدی سے بولے۔

اجنبی نے اپنے کتے کے گلے میں زنجیر ڈال کر اسے ایک بنچ کے پائے سے باندھ دیا اور
یتارام کے کتے کو گود میں اٹھا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"مجھے چھوٹی ذات کے اسپنیل بہت پسند ہیں۔" اجنبی بولا۔ "آپ بہت شوقین آدمی
علوم ہوتے ہیں۔ کیا آپ کے پاس اور کتے بھی ہیں۔"

"جی ہاں......!" سر سیتارام مسکرا کر بولے۔ "تقریباً پانچ یا چھ درجن۔"

"پانچ چھ درجن۔" اجنبی چونک کر بولا۔ "تب تو آپ واقعی بالکل میرے ہم مذاق
ہیں۔"

"تو کیا آپ بھی۔" سر سیتارام نے کہا۔

"جی ہاں......!" اجنبی نے جواب دیا۔

"آپ کی تعریف......!" سر سیتارام نے کہا۔

اجنبی نے اپنا ملاقاتی کارڈ جیب سے نکال کر سر سیتارام کے ہاتھ میں دے دیا۔ "کرنل
پرکاش سی بی ای' سر ستیارام نے بلند آواز سے کارڈ پڑھا۔

"اور آپ......!" اجنبی نے کہا۔

"لوگ مجھے سر سیتارام کے نام سے پکارتے ہیں۔"

"سر سیتارام......!" اجنبی نے خوشی کے لہجے میں چیخ کر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر...... بھلا پھر کیوں نہ ہو...... آپ سے زیادہ کتوں کے

بارے میں کون جان سکتا ہے۔ یہی تو میں کہوں...... میں نے آپ کی تعریف ایک اگر
دوست سے افریقہ میں سنی تھی، اس اچانک ملاقات سے مجھے کتنی خوشی ہوئی ہے۔ یہ میں بی
بیان کرسکتا۔"

"آپ مجھے خواہ مخواہ شرمندہ کر رہے ہیں، ارے آپ بھلا کس سے کم ہیں۔" سر سیتارا
نے منکسر المزاجی کے ساتھ کہا۔ "کیا اس وقت میں افریقہ کے مشہور کروڑ پتی سے ہم کلام ہو
ہوں۔"

"یہ میری خوش نصیبی ہے کہ یہاں بھی لوگ مجھے جانتے ہیں۔" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔

"ایک بار میرا ارادہ ہوا تھا کہ افریقہ کی ایک ہیرے کی کان کا حصہ دار ہو جاؤں، ا
دوران میں مجھے آپ کا نام معلوم ہوا تھا، واقعی میں بہت خوش قسمت ہوں کہ آج آپ سے ا
طرح ملاقات ہوگئی۔"

اب دونوں گفتگو کرتے ہوئے بنچ پر بیٹھ گئے تھے۔ حمید کی نظریں کتے پر جمی ہوئی تھیں
اس نے ان دونوں کی گفتگو صاف سنی تھی۔ یہ کرنل پرکاش اسے حد درجہ پراسرار معلوم ہو رہا تھ
بظاہر وہ کتاب پڑھ رہا تھا لیکن کنکھیوں سے بار بار ان کی طرف دیکھتا جا رہا تھا۔ دفعتاً ایک خیا
اس کے دل میں پیدا ہوا، اسے آج ہی اطلاع ملی تھی کہ مقتول رام سنگھ کے کچھ ساتھی اس
قاتل کی تلاش میں سرگرداں ہیں تو کیا یہ اجنبی انہی میں سے کوئی ایک ہے؟ مگر یہ اسے کیسے
گیا کہیں اس کی آنکھیں اسے دھوکا تو نہیں دے رہی ہیں، مگر نہیں، وہ اسے ہزار میں پہچان
ہے۔

حمید ادھر ان گتھیوں میں الجھ رہا تھا اور وہ دونوں نہایت انہماک اور گرم جوشی کے سا
گفتگو میں مشغول تھے، لیکن ان کی آواز اب زیادہ صاف نہیں سنائی دے رہی تھی، حمید
الجھن میں پڑ گیا، ان دونوں میں ابھی ابھی ملاقات ہوئی تھی اور اتنی جلدی یہ راز داری کیسی
سرگوشیاں کیسی...... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دونوں برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔

تھوڑی دیر تک دونوں آہستہ آہستہ باتیں کرتے رہے پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا کرنل صاحب اب چلنا چاہیے۔ واقعی آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" سر سیتا
نے کرنل پرکاش سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کل آپ آ رہے ہیں نا......!"

"ضرور ضرور، میرے لئے یہ خوش نصیبی کم نہیں کہ خلاف توقع یہاں اتنی اچھی سوسائٹی مل
" کرنل پرکاش نے ہنستے ہوئے کہا۔

دونوں اٹھ کر باغ کے باہر آئے۔

حمید اب سیتا رام کے بجائے کرنل پرکاش کا تعاقب کر رہا تھا۔

"اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ کرنل پرکاش آرلکچو ہوٹل کے انہیں کمروں میں ٹھہرا
ہے جن میں مقتول رام سنگھ ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کا شبہ یقین کی سرحدیں چھونے لگا۔ ضرور یہ
رام سنگھ ہی کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے اسے رہ رہ کر فریدی پر غصہ آ رہا تھا کہ ایسے وقت
اسے تنہا چھوڑ کر خود سیر سپاٹے کرتا پھر رہا ہے۔ شہناز کی گمشدگی کا خیال اُسے بُری طرح
کئے ہوئے تھا۔ یہ تو وہ کسی طرح سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ رام سنگھ کے قتل کی سازش
بھی شریک رہی ہے، اُسے پورا پورا یقین تھا کہ وہ محض اسی لئے غائب کی گئی ہے کہ
اسی کو مجرم تصور کر کے قاتل کی تلاش چھوڑ دے۔

دوسری الجھن

ابھی پر حمید کو فریدی کا خط ملا۔ اُس نے لکھا تھا۔

"ڈیئر حمید

کیا بتاؤں کس مصیبت میں پھنس گیا۔ یہاں آتے ہی ملیریا میں مبتلا ہونا پڑا۔ ابھی تک
فی الحال سفر کے لائق نہیں۔ دوسرا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ میرا افریقی نسل کا

یلو ڈنگو راستے میں کہیں ٹرین سے لاپتہ ہوگیا۔ یہاں آنے کا اصل مقصد یہی تھا کہ ا
میں شریک کروں۔ سخت پریشانی ہے۔ اسے تلاش کرانے کے لئے ہر ممکن طریقہ اخ
ہے، تم بھی خیال رکھنا۔ شہناز کا سراغ ملا یا نہیں، مجھے اس کا خیال ہے، لیکن کیا کرو
مجبور ہوں۔ اب معلوم ہوا کہ میں نے یہاں آکر بھاری غلطی کی...... فریدی۔"

حمید نے خط پڑھ کر بیزاری سے ایک طرف ڈال دیا۔ یلو ڈنگو کا معاملہ اب بالک
ہو چکا تھا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ آخر یہ کرنل پرکاش ہے کون۔ اتنی مکاری اور عیاری
آج تک کسی کے چہرے پر نہ دیکھی تھی، جتنی کہ اس کرنل پرکاش کے چہرے پر نظر آ
وہ شرارت آمیز مسکراہٹ کتنی خطرناک تھی۔ اس کی مسکراہٹ اور اس بلی کی آنکھوں ک
چمک میں جس نے کوئی تازہ شکار پکڑا ہو، کوئی مشترک سی چیز محسوس ہوتی تھی اور وہ چ
پیاس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ سوچتے سوچتے وہ اٹھ کر فریدی کی لائبریری میں آیا
طرف الماریاں ہی الماریاں کتابوں سے بھری نظر آرہی تھیں۔ وہ ایک الماری کے قر
رک گیا۔ کچھ دیر تک کتابوں کا جائزہ لیتا رہا پھر ایک کتاب نکالی جس کا نام "جنوبی اف
کامیاب ہندوستانی" تھا کئی صفحات الٹنے کے بعد مطلب کی چیز مل گئی، وہ پڑھنے لگا۔

"کرنل جی پرکاش، سی بی ای۔ جنوبی افریقہ کا کروڑ پتی ...... متعدد ہیروں کی
حصہ دار ۱۹۱۰ء میں پراسرار طریقہ پر اپنی تجارت کو فروغ دینے لگا۔ نڈر اور بے با
ہے۔ کئی بار چیتوں کے شکار میں بُری طرح زخمی ہو چکا ہے۔ درندوں کے شکار کا شوق
حد رکھتا ہے۔ بہتیرے خونخوار قسم کے کتے پال رکھے ہیں۔ کتوں کے متعلق معلومات م
رکھتا ہے۔ گرمیوں کا موسم عموماً سوئٹزرلینڈ میں گزارتا ہے۔ زمانہ جنگ کی خدمات
ہو کر سرکار انگلشیہ نے سی۔ بی۔ ای کے خطاب سے نوازا۔"

حمید نے معنی خیز انداز میں اپنا سر ہلا دیا اور صفحہ الٹ دیا۔ دوسرے صفحہ پر کرنل پ
تصویر تھی۔ تصویر کا چہرہ بھی عیارانہ تاثرات سے عاری نظر نہیں آتا تھا۔ بہرحال حمید کا
بھی غلط ثابت ہوا کہ کرنل پرکاش رام سنگھ کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر بھی فریدی کا

ہاں تو یلو ڈنگو اس کی الجھن کا باعث بنا ہوا تھا۔ آخر وہ اس سے اتنی جلدی مانوس کیسے ہوگیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ اسے اس سے حاصل کس طرح کیا جائے، لیکن جلد ہی اس نے اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال پھینکا۔ جب فریدی نے شہناز کی زیادہ پرواہ نہ کی تو پھر وہ اس ذلیل کتے کی پرواہ کیوں کرے، اس کی قیمت شہناز سے زیادہ نہیں۔

حمید ان خیالات میں الجھا ہی ہوا تھا کہ نوکر نے انسپکٹر سنہا کی آمد کی اطلاع دی۔ وہ متحیر ہوا۔ آخر ان حضرت نے آنے کی زحمت کیوں گوارا کی۔ وہ لائبریری سے ڈرائنگ روم میں آیا۔ انسپکٹر سنہا اس کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا، اسے دیکھ کر کھڑا ہوگیا۔

"تشریف رکھئے......!" حمید نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "فرمایئے میرے لائق کوئی خدمت......!"

"بھئی دراصل میں آپ کی غلط فہمی دور کرنے آیا ہوں، اس وقت آپ ناراض ہوکر چلے گئے تھے اور میں بھی ایک اشد ضروری کام میں مشغول تھا۔ اس لئے آپ کو مطمئن نہ کر سکا۔"

"مطمئن تو آپ مجھے زندگی بھر نہیں کر سکتے جبکہ میں شہناز کی بے گناہی سے اچھی طرح واقف ہوں۔" حمید نے انسپکٹر سنہا کی طرف سگار کا ڈبہ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"فریدی صاحب کہاں تشریف رکھتے ہیں۔"

"ایک ماہ کی چھٹی پر ہیں۔" حمید نے جواب دیا۔

"کیا کہیں باہر گئے ہوئے ہیں؟"

"جی ہاں...... کتوں کی عالمی نمائش دیکھنے گئے ہیں، وہاں بیمار ہوگئے ہیں۔"

"اس کے باوجود بھی آپ شہناز کی بے گناہی ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔" انسپکٹر سنہا نے کہا۔

"کیوں...... اس سے کیا۔"

"تعجب ہے کہ آپ اتنا بھی نہیں سمجھتے۔" سنہا نے ہنس کر کہا۔ "اگر فریدی صاحب شہناز کو بے گناہ سمجھتے ہوتے تو اس طرح معاملے کو کھٹائی میں ڈال کر تفریح کرنے نہ چلے جاتے۔"

"یہ تو اپنی اپنی طبیعت کی بات ہے......اب اسے کیا کہا جائے کہ انہیں آدمی
زیادہ کتے پسند ہیں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"یہ بات نہیں حمید صاحب، میں فریدی صاحب کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اگر ا
شہناز کی بے گناہی کا یقین آجاتا تو وہ سردھڑ کی بازی لگا دیتے۔"

"مجھ سے زیادہ آپ انہیں نہیں جانتے۔" حمید نے کہا۔

"اب ہٹ دھرمی کو کیا کہا جائے۔" انسپکٹر سنہا نے سگار کا کش لے کر کہا۔ بہرحال
اس سے بحث نہیں، میں اُسے مجرم سمجھتا ہوں، اسلئے میں اسی کے مطابق کام کررہا ہوں۔ او
کچھ آپ سمجھتے ہیں اس کیلئے آپ کوشش کرتے رہیے۔ فیصلہ وقت کرے گا۔"

"آخر اُسے مجرم سمجھنے کی کوئی وجہ بھی تو ہو۔" حمید نے کہا۔ "اس کے لئے محض شہ
غائب ہوجانا ہی کافی نہیں۔ جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں، ممکن ہے کہ مجرموں نے پولیس ا
راستے پر لگانے کے لئے اسے غائب کردیا ہو۔"

"میں اس وقت آپ کو یہی بتانے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ میں اتنا بیوقوف نہیں۔
کے لئے میرے پاس بہت ہی پختہ قسم کے ثبوت ہیں، اتنا میں بھی سمجھتا ہوں کہ مجرم اس
چال چل سکتے ہیں۔"

"خیر صاحب......وہ ثبوت بھی دیکھ لیتا ہوں۔"

"نہیں آپ مذاق نہ سمجھئے......میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔" انسپکٹر سنہا نے جیب
ایک کاغذ کا ٹکڑا نکالتے ہوئے کہا۔ "اسے دیکھئے۔"

حمید نے کاغذ لے کر پڑھنا شروع کیا۔

"تم نے جس ہوشیاری سے اپنا کام انجام دیا ہے اس کی داد نہیں دی جاسکتی۔ تم
سے باقاعدہ گروہ میں شامل کرلی گئیں۔ لیکن اب بہت زیادہ ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ پ
کو تم پر شک ہوگیا ہے لہٰذا کچھ دنوں کے لئے یہاں سے ہٹ جاؤ۔ بی ون اور بی ٹو آج
بجے دن کتھئی رنگ کی کار پر تمہارے مکان کے سامنے سے گزریں گے، تم انہیں سڑک پ

یہ کام وہ دونوں خود کرلیں گے، بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔"

پڑھتے پڑھتے حمید کی پیشانی پر پسینہ پھوٹ پڑا۔ اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔
ں کی دھمک اسے اپنے سر میں محسوس ہورہی تھی۔ ہونٹ خشک ہوگئے تھے۔ اس نے ہونٹوں پر
بان پھیرتے ہوئے کاغذ سنہا کو د

"بھئی یہ ثبوت بھی کچھ ایسا مستحکم نہیں معلوم ہوتا۔" حمید نے خود پر قابو پانے کی کوشش
رتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی ممکن ہے کہ ایک طرف مجرموں نے اُسے غائب کردیا ہو اور دوسری
رف پولیس کا شبہ اور زیادہ مضبوط کرنے کے لئے یہ خط بھی لکھ دیا، لیکن آپ کو یہ خط کہاں
ے ملا۔"

"یہ خط شہناز کے گھر کی تلاشی لیتے وقت اس کی لکھنے کی میز کے نیچے پڑا ملا تھا۔" سنہا
نے کہا۔ "اور رہ گئی امکانات کی بات تو یہ بھی ممکن ہوسکتا ہے کہ میں ہی اصل مجرم ہوں یا فریدی
صاحب محض اصل مجرم ہونے کی وجہ سے باہر چلے گئے ہوں یا پھر آپ......امکانات کے تحت
ب ہی کچھ ہوسکتا ہے۔"

"خیر......خیر......!" حمید نے اکتا کر کہا۔ "ان سب باتوں سے کیا حاصل۔ اصل بات
ایک نہ ایک دن سامنے آ ہی جائے گی، بہرحال میں اپنے مشاہدات کی بناء پر شہناز کو بے
واپس کردیا۔
ناہ سمجھنے پر مجبور ہوں۔"

"آپ اس کے لئے قطعی آزاد ہیں۔" انسپکٹر سنہا ہنس کر بولا۔ "خیالات پر تو پابندی
ائد نہیں کی جاسکتی۔"

تھوڑی دیر کے بعد سنہا اٹھ کر چلا گیا۔ حمید ابھی تک خود کو مطمئن ظاہر کرنے کی کوشش
کررہا تھا۔ لیکن سنہا کے جاتے ہی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ تو کیا واقعی شہناز مجرم ہے......مگر نہیں وہ
ایسا نہیں کرسکتی۔ اُسے بہرحال اپنے اور اپنے خاندان کی عزت کا بہت خیال تھا۔ مجرم دور سے
پہچانے جاسکتے ہیں۔ لیکن شہناز کو قریب سے دیکھ کر بھی کبھی اُس کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں
ہوا تھا کہ شہناز جرم بھی کرسکتی ہے اور پھر ایسا بھیانک اور دل لرزا دینے والا جرم۔ اس کی فطرت

ئیں نسائیت کا رچاؤ......اسے کسی ایسے بھیانک کام کی طرف بھی نہیں لے جا سکتا۔ پھر آخر
بات کیا ہے۔ یہ سب آخر کیسے ہوا اور پھر یہ خط۔ سوچتے سوچتے حمید کا سر چکرانے لگا اور
صوفے کی پشت پر سر ٹیک کر نڈھال سا ہو گیا۔

پُراسرار عورت

حمید کا دل بُری طرح الجھ رہا تھا۔ کبھی وہ سچ مچ شہناز پر شک کرنے لگتا اور کبھی یہ ٹک
محبت کی لہر اپنے ساتھ بہا لے جاتی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر واقعی وہ خط شہناز کو ملا ہوتا تو وہ ا
اتنی بے احتیاطی سے میز کے نیچے نہ ڈال دیتی اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ پولیس کا شبہ ر
کرنے کے لئے روپوش ہو گئی۔ ایسی صورت میں تو اسے یہیں موجود رہنا چاہئے تھا تاکہ پولیس
کے شکوک رفع ہو جائیں۔ مگر نہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس گروہ کے لوگوں نے اُسے محض اس
لئے غائب کر دیا ہے کہ کہیں پولیس اس پر جبر کر کے سارا راز اگلوا نہ لے، مگر ایسی صورت میں
بھی شہناز وہ خط پڑھنے کے بعد ضرور جلا دیتی۔ پھر آخر کیا بات ہے۔ وہ اکتا کر فریدی کے خط
کا جواب لکھنے بیٹھ گیا۔ مگر لکھے کیا۔ فریدی کی طرف سے ایک طرح کی نفرت اس کے دل میں
پیدا ہو گئی تھی۔ کچھ نہ کچھ تو لکھنا ہی تھا کیونکہ بہر حال وہ اس کا ماتحت ٹھہرا۔ اس نے یونہی ایک
رسمی سا خط لکھنا شروع کر دیا لیکن یلو ڈنگو کا تذکرہ سوا اس کے کچھ اور نہ لکھا کہ اس کے کھو جانے
پر اُسے افسوس ہے۔ شہناز کے متعلق بھی یہ لکھ دیا کہ وہ ابھی تک نہیں مل سکی۔ اس درمیان میں
اس نے کیا کیا' اس کے متعلق اس نے کچھ لکھنا قطعی بیکار سمجھا۔ اس نے مکمل ارادہ کر لیا کہ اس
مہم کو وہ اکیلے ہی سر کرنے کی کوشش کرے گا اور فریدی کو یہ دکھا دے گا کہ وہ نرا بدھو ہی نہیں
ہے۔ آخر اسے بھی تو ترقی کرنی ہی ہے۔ کب تک فریدی کا سہارا لیتا رہے گا۔ اس طرح تو
شاید اسے زندگی بھر ترقی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہو۔ رہ گیا فریدی تو وہ اچھا خاصا جھکی ہے۔ کتنی

انسپکٹری ملی۔ ٹھکرا دیا۔ نہ جانے کس قماش کا آدمی ہے۔ اس کی بات ہی سمجھ میں نہیں
بھی یہ حال ہوتا ہے چاہے کوئی واسطہ ہو یا نہ ہو خواہ مخواہ ہر معاملے میں ٹانگ اڑائی جاتی
ہر جب کوئی خاص موقع آتا ہے تو اتنی صفائی سے الگ ہو جاتا ہے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔
کے اور اس کے تعلقات برادرانہ تھے لیکن پھر بھی اس نے اس کی پرواہ نہیں کی اور یہاں
چلا گیا۔ اگر شہناز سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوتا تو شاید آپ اپنی جان تک کی بازی لگا
حمید جتنا سوچتا جا رہا تھا اس کی طبیعت کی اکتاہٹ بڑھتی ہی گئی۔ دیوار پر لگی ہوئی گھڑی
بجا رہی تھی۔ اس نے سوچا کیوں نہ آرلکچو ہی میں چل کر دل بہلایا جائے اور اس طرح
کرنل پرکاش کے متعلق بھی کچھ معلوم ہو سکے۔ مگر اس کے متعلق کچھ معلوم کرنے کی ضرورت
ہے کیونکہ وہ تو قطعی غیر متعلق آدمی ہے۔ صورت سے خطرناک ضرور معلوم ہوتا ہے لیکن
واقعہ سے اس کا کیا تعلق ہے۔ اس کے پیچھے پڑنا خواہ مخواہ وقت برباد کرنا ہے۔

اس نے کپڑے پہنے، پہلے سوچا کہ فریدی کی کار نکال لے لیکن پھر کچھ سوچ کر پیدل ہی
آگے چل کر ایک ٹیکسی کی اور آرلکچو کی طرف روانہ ہو گیا۔

رقص گاہ میں کافی رونق تھی۔ ابھی ناچ شروع نہیں ہوا تھا۔ لوگ ادھر اُدھر بیٹھے کچھ کھا پی
تھے۔ شراب کے کاؤنٹر پر اچھی خاصی بھیڑ تھی۔ حمید نے چھچھلتی سی نظر پورے مجمع پر ڈالی۔
میز پر کرنل پرکاش بیٹھا کچھ پی رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ کوئی اخبار بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ وہ
میز پر تنہا ہی تھا۔ باقی تین کرسیاں خالی تھیں۔ اسی کے قریب ایک اور میز خالی تھا۔ حمید نے
جانے کیوں اپنے لئے وہی جگہ منتخب کی۔

کرنل پرکاش اپنے گردوپیش سے بے خبر پڑھنے میں مشغول تھا۔ اس وقت حمید کو اُسے
اتنا قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ وہ اُسے پہلے سے زیادہ خطرناک معلوم ہو رہا تھا۔

حمید ادھر اُدھر بیٹھی ہوئی عورتوں کو عمداً اس طرح گھورنے لگا جیسے وہ ایک بہت اوباش قسم
آدمی ہو۔ دفعتاً اس نے یونہی پیچھے مڑ کر دیکھا لیڈی سیتا رام ہال میں داخل ہو رہی تھی۔ وہ
سے کرنل پرکاش کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ کرنل پرکاش بدستور پڑھنے میں مشغول رہا۔ لیڈی

سیتارام ستائیس اٹھائیس سال کی ایک قبول صورت عورت تھی۔ اس کے ہونٹ بہت زیا
تھے، جن پر بہت شوخ رنگ کی لپ اسٹک لگائی گئی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس
ہونٹ بھینچ رکھے ہوں پیشانی پر پڑی ہوئی سلوٹیں بدنما نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ وہ چند
طرح کرنل پرکاش کے پیچھے کھڑی رہی پھر آہستہ سے کچھ کہا اور واپس جانے کے
کرنل پرکاش چونک کر پیچھے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر شرارت آمیز مسکراہٹ رقص
تھی۔ لیڈی سیتارام اوپر گیلری میں جانے کے لئے زینے پر چڑھ رہی تھی۔ اس کے جا
تین چار منٹ بعد کرنل پرکاش بھی اٹھا۔ اب وہ بھی اسی زینے پر چڑھ رہا تھا۔ حمید حیر
پلکیں جھپکانے لگا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں قطعی نہ آئی کہ لیڈی سیتارام کرنل پرکاش
قسم کی واقفیت کیسے رکھتی ہے، جب کہ خود سیتارام اس کے لئے قطعی اجنبی تھے، اور ان
کی پہلی ملاقات لارنس باغ میں خود اسی کے سامنے ہوئی تھی۔

آخر یہ ماجرا کیا ہے، حمید تھوڑی دیر تک سوچتا رہا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔
لاپرواہی سے ٹہلتا ہوا خود بھی اسی زینے پر چڑھنے لگا۔ گیلری خالی پڑی تھی۔ اس نے بالکنی
جھانک کر دیکھا۔ وہ دونوں جنگلے پر جھکے کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے، انہیں کے قریب
دو کھمبوں کے نیچے سے آتی ہوئی لتر پھیلی ہوئی تھی۔ اوپر آ کر لتر نے اتنا پھیلاؤ اختیار کیا تھا
بالکنی کا وہ حصہ بالکل بیکار ہو گیا تھا۔ سرجنٹ حمید دوسرے دروازے سے نکل کر لتر کی آڑ
چھپ گیا۔ اس طرف اندھیرا ہونے کے سبب سے ادھر والوں کی نگاہیں حمید تک پہنچ
تھیں۔ بہرحال وہ ایک ایسی جگہ پہنچ چکا تھا جہاں سے ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ صاف
تھا۔

لیڈی سیتارام کہہ رہی تھی۔

"کرنل...... تم شاید کوئی جادوگر ہو۔"

"کیوں...... کیوں خیریت تو ہے۔" کرنل پرکاش قہقہہ لگا کر بولا۔

"مجھے بتاؤ کہ میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت تمہارے ساتھ کیوں گزارنا چاہتی ہوں۔"

"یہ اپنے دل سے پوچھو۔" کرنل پرکاش بہت ہی رومانٹک انداز میں بولا۔

"کاش میں افریقہ میں پیدا ہوئی ہوتی۔"

"تب تم اتنی حسین نہ ہوتیں۔"

"تو کیا میں واقعی حسین ہوں۔"

"کاش میں تمہارے حسن کی تصویر الفاظ میں کھینچ سکتا۔"

"ہٹو بھی۔" لیڈی سیتارام نے شرمیلے انداز میں کہا۔

"لیڈی سیتارام میں سچ کہتا ہوں کہ......!"

"دیکھو کرنل تم میرا نام جانتے ہو۔" وہ پرکاش کی بات کاٹ کر بولی۔ "مجھے اس منحوس نام سے مت یاد کیا کرو۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے۔"

"اچھا چلو یہی سہی...... ہاں تو حسین ریکھا...... میں ایک سپاہی قسم کا اکھڑ آدمی ہوں۔ لیکن تمہاری پیاری پیاری سی شخصیت نے مجھے بالکل موم بنا دیا ہے۔"

"تم مجھے بیوقوف بنا رہے ہو۔" لیڈی سیتارام ناز سے بولی۔

"نہیں ریکھا تم پہلی عورت ہو جس نے مجھے اتنا متاثر کیا ہے۔ میں ابھی تک کنوارا ہوں۔ بعض اوقات سوچتا ہوں کہ کاش تم میرے حصے میں آئی ہوتیں۔"

"میری ایسی قسمت کہاں تھی۔" لیڈی سیتارام سرد آہ بھر کر بولی۔

"ہاں اور سنو......!" کرنل پرکاش بولا۔ "آج شام اتفاقاً تمہارے کھوسٹ سے ملاقات ہو گئی۔ مجھ سے مل کر بہت خوش ہوا ہے اور کل شام کو چائے کی دعوت دی ہے۔ کتنا لطف رہے گا۔ جب وہ میرا تعارف تم سے ایک اجنبی کی حیثیت سے کرائے گا۔ مجھے تو سوچ سوچ کر ہنسی آ رہی ہے۔"

"بہت اچھا ہوا ڈیئر کرنل...... اب میں تم سے باقاعدہ مل سکوں گی۔ میں کتنی خوش قسمت ہوں۔"

"تم نہیں بلکہ میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے یہاں ایک ایسے انمول ہیرے کا قرب

نصیب ہوا ہے جس کا ثانی دنیا میں نہیں۔"

"اور تم ٹھہرے ہیروں کے تاجر......!" لیڈی سیتا رام قہقہہ لگا کر بولی۔

کرنل پرکاش ہنسنے لگا۔

"آں یہ کون آ رہا ہے۔" لیڈی سیتا رام چونک کر بولی۔ "میرا بھتیجا سریندر کمار......

اچھا کرنل صاحب...... اب تم نیچے جاؤ...... میں بھی ابھی آئی۔ سریندر کے سامنے ہمیں ایک دوسرے کے لئے قطعی اجنبی بننا پڑے گا۔"

"اچھا میں چلا...... لیکن یہ تو بتاؤ کہ اب کب ملیں گے۔"

"بہت جلد......!" لیڈی سیتا رام نے کہا اور ٹہلتی ہوئی بالکنی کے دوسرے کنارے تک چلی گئی۔

تقریباً دس پندرہ منٹ تک وہ وہاں ٹہلتی رہی پھر وہ بھی نیچے چلی گئی۔ حمید لتر کی آڑ سے نکلا اور پوری بالکنی کا چکر لیتا ہوا دوسرے زینے سے نیچے اتر آیا۔ ناچ شروع ہو چکا تھا۔ کرنل پرکاش ایک نوعمر لڑکی کے ساتھ ناچ رہا تھا۔ لیڈی سیتا رام اور سریندر ایک کنارے بیٹھے ہوئے کچھ پی رہے تھے۔ حمید دونوں کو دیکھتا ہوا بار کی طرف چلا گیا۔ اس کی نگاہیں انہیں دونوں پر جمی ہوئی تھیں۔ سریندر ایک معمولی جسامت کا مگر خوبصورت نوجوان تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا، جو اس پر بہت زیادہ کھل رہا تھا۔ دوسرا راؤنڈ شروع ہونے پر لیڈی سیتا رام اور سریندر اٹھ کر ٹہلتے ہوئے گیلری کے زینوں کی طرف گئے۔ دوسرے لمحے میں دونوں غائب تھے۔ کرنل پرکاش اب ایک دوسری عورت کے ساتھ ناچ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں حمید کا دل چاہا کہ ان دونوں کے پیچھے جائے، وہ ٹہلتا ہوا زینے کے قریب آیا لیکن یہ دیکھ کر ٹھٹک گیا کہ کرنل پرکاش کی نگاہیں ذرا ادھر اُدھر ہوں اور وہ زینے پر چڑھ جائے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کرنل پرکاش کے قدم کچھ مضمحل تھے۔ وہ اس طرح لڑکھڑا رہا تھا جیسے وہ بہت زیادہ پی گیا ہو۔ اُس کے ساتھ ناچنے والی عورت نے شاید اُسے محسوس کر لیا تھا لہٰذا وہ اس کی گرفت سے نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ یک بیک کرنل پرکاش نے خود اسے چھوڑ دیا اور لڑکھڑاتا

زینے کی طرف بڑھا۔

حمید متحیر تھا کہ آخر یہ بات کیا ہے۔ یہ اوپر کیوں جا رہا ہے، کیونکہ ابھی ابھی لیڈی سیتا نے اس سے کہا تھا کہ وہ سریندر کی موجودگی میں ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبی ہوں حمید ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ وہ کیا کرے کہ کرنل پرکاش لڑکھڑاتا ہوا نیچے اتر آیا۔ غصے سے کے نتھنے پھول رہے تھے، نچلا ہونٹ اس نے اپنے دانتوں میں دبا رکھا تھا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا طرف چلا گیا۔ حمید نے ادھر اُدھر دیکھا اور دبے پاؤں زینے پر چڑھتا چلا گیا۔

اب پھر وہ اسی لتر کی آڑ میں چھپ گیا تھا۔ لیڈی سیتا رام اور سریندر ایک دوسرے کے میں ہاتھ ڈالے جنگلے پر جھکے ہوئے تھے۔

"سریندر ڈارلنگ، میں اب اسطرح زندہ رہنا نہیں چاہتی۔" لیڈی سیتا رام بولی۔

"تو آخر اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔ دنیا کی نظروں میں اگر ہم چچی بھتیجے رہ کر زندگی کا لطف اٹھائیں تو کیا حرج ہے۔" سریندر نے کہا۔

"لیکن مجھے یہ پسند نہیں۔" لیڈی سیتا رام نے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس میں بُرائی کیا ہے۔" سریندر بولا۔

"میں اس بوڑھے کھوسٹ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔" لیڈی سیتا رام نے کہا۔

"یہ ذرا دشوار چیز ہے لیکن تم جو کہو میں کرنے کیلئے تیار ہوں۔" سریندر بولا۔

"آؤ ہم تم کہیں دور چلے جائیں، بہت دور..... جہاں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہ ہو۔"

"اررر نہیں...... وہاں ہمارا کھانا کون پکائے گا۔" سریندر ہنس کر بولا۔

"شریر کہیں کے۔" لیڈی سیتا رام نے کہا اور سریندر "او او" کرتا ہوا ایک طرف ہٹ

غالباً لیڈی سیتا رام نے اس کے چٹکی کاٹ لی تھی۔

حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا اور چپکے سے گیلری میں آ گیا۔

گیارہ بجے رات کو جب وہ گھر واپس آ رہا تھا تو اس کے ذہن میں عجیب قسم کا انتشار برپا

تھا۔ عجیب و غریب عورت ہے، ایک طرف تو بھتیجے کو پھانس رکھا ہے اور دوسری طرف کرنل
پرکاش کو بیوقوف بنا رہی ہے۔ کرنل بڑے غصے میں نیچے اترا تھا، غالباً اس نے بھی ان کی گفتگو
سنی ہوگی۔ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔ اس کا دماغ پھر الجھنے لگا، لیکن ان سب باتوں کا شہناز کے
واقعے سے کیا تعلق۔ وہ آخر ان کے پیچھے کیوں لگا ہوا ہے۔ مگر پھر لیڈی سیتارام ہی نے تو
پولیس کو شہناز کی طرف سے شبہے میں مبتلا کیا تھا اور یہ بھی تو رام سنگھ کے ساتھ ناچتی تھی۔ یہ
ایک فاحشہ عورت ہے اور رام سنگھ ایسی عورتوں کی تجارت کرتا تھا۔ یہاں تک تو کڑیاں ملتی ہیں
لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لیڈی سیتارام ایک دولت مند آدمی کی بیوی ہے۔ مفلس تو ہے
نہیں کہ عورت فروشوں سے اس کی رسم و راہ ہو۔ عجیب معمہ ہے۔ ایسی پراسرار عورت آج تک
اس کی نظروں سے نہیں گزری تھی۔ کم بخت چہرہ اتنا پروقار ہے کہ کوئی بھی اس سے ذلیل حرکتوں
کی توقع نہیں رکھ سکتا۔ یہی عورت جو سوسائٹی میں کافی عزت کی نظروں سے دیکھی جاتی ہے کس
قدر گری ہوئی ہے۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے شہناز بھی ایسی ہی ہو۔ وہ کافی آزاد خیال
ہے۔ رقص گاہوں میں مردوں کے ساتھ ناچتی پھرتی ہے۔ اُسے اپنی محبت پر نفرت کی ہلکی سی تہہ
چڑھتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

سر سیتارام

دوسرے دن حمید سخت الجھن میں تھا کہ کس طرح سر سیتارام تک رسائی حاصل کرے۔
اسے اس دلچسپ ڈرامے کا اختتام دیکھنے کی آرزو تھی۔ اس سلسلے کے دلچسپ اور حیرت انگیز
واقعات نے اس کی ساری توجہ منعطف کرالی تھی، وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ لیڈی سیتارام اور کرنل
پرکاش جو پہلے سے ایک دوسرے کے گہرے دوست ہیں سر سیتارام کے سامنے اجنبیوں کی
طرح کیسے ملتے ہیں، وہ دن بھر تمام تدبیریں سوچتا رہا کہ کس طرح اسی وقت سر سیتارام کے

یہاں پہنچ جائے، جب کہ کرنل پرکاش بھی یہاں موجود ہو۔ آفس میں بھی اس کا دل نہ لگا اور
آفس بند ہونے کے وقت سے پہلے ہی گھر لوٹ آیا، جیسے جیسے شام نزدیک آتی جا رہی تھی اس
کے اضطراب میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر لیٹا خیالات میں گم
تھا کہ نوکر نے ایک ملاقاتی کارڈ لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"ڈاکٹر محمود......!" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "انہیں اندر بھیج دو۔" حمید اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"آداب عرض ہے حمید صاحب۔" ڈاکٹر محمود نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے
کہا۔ یہ ایک ادھیڑ عمر کا جامہ زیب آدمی تھا۔ چہرہ ڈاڑھی اور مونچھوں سے صاف تھا۔ اس کے
لیڈی کے ساتھ تعلقات بہت اچھے تھے جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ جانوروں کے
ہسپتال کا انچارج تھا اور کتوں کے امراض کا ماہر۔ وہ اپنی اسی خصوصیت کی بناء پر اونچی سوسائٹی
میں خصوصی اہمیت رکھتا تھا۔ ویسے وہ خود متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ خود نمائی
کی بُری عادت کا شکار ہوگیا تھا۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ ایسے لوگ اپنے طبقے کے لوگوں میں بیٹھ
کر ہمیشہ لمبی چوڑی باتیں کیا کرتے ہیں۔ مقصد محض یہ جتانا ہوتا ہے کہ اونچی سوسائٹیوں میں
ان کی خاص اہمیت ہے۔ اس کا ملاقاتی کارڈ دیکھتے ہی حمید کو الجھن ہونے لگی تھی۔ ایسے لوگوں
سے گفتگو کرنا وہ محض تضیع اوقات سمجھتا تھا کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ان کی باتوں میں
نوے فیصدی جھوٹ کی آمیزش ہوتی ہے۔ خصوصاً ڈاکٹر محمود تو بعض اوقات قدیم شاعری کے
مبالغے کی سرحدوں سے ٹکرانے لگتا ہے۔ وہ زیادہ تر اونچے طبقے کی عورتوں کی باتیں کیا کرتا تھا،
مثلاً فلاں جج کی بیوی نے اسے یوں مسکرا کر دیکھا، فلاں سیٹھ کی بیوی اس کے ساتھ بھاگ
جانے پر آمادہ ہوگئی تھی۔ فلاں کرنل کی بیوہ بہن اس پر بُری طرح لٹو ہو رہی ہے۔ فلاں
ایڈووکیٹ کی لڑکی تو اس کے لئے زہر تک کھا لینے کے لئے تیار بیٹھی ہے، لیکن وہ اس کی ذرہ
برابر بھی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ خود اس کی بیوی کئی بچے جن چکنے کے باوجود بھی صرف تیرہ برس کی
معلوم ہوتی تھی اور اس کے حسن کا تو یہ عالم ہے کہ شاید حوریں بھی اس کی قسم کھاتی ہوں گی۔
حمید ڈاکٹر محمود کو دیکھ کر زبردستی مسکراتا ہوا اٹھا۔ اس سے ہاتھ ملاتے وقت خواہ مخواہ گرم

جوشی کا مظاہرہ کرتا ہوا بیٹھ گیا۔

"کیا فریدی صاحب گھر پر موجود نہیں ہیں۔" ڈاکٹر محمود نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں، وہ باہر تشریف لے گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"بھئی حمید صاحب کیا بتاؤں...... معلوم نہیں آپ لوگوں سے اتنی محبت ہوگئی ہے، یہ ہے کہ اگر زیادہ دنوں تک آپ لوگوں سے نہ ملوں تو عجیب قسم کی الجھن ہونے لگتی ہے۔" ڈاکٹر محمود نے کہا۔

"محبت ہے آپ کی......!" حمید مسکرا کر بولا۔ "وہ دانستہ طور پر زیادہ بات چیت نہیں کر چاہتا تھا تاکہ جلد ہی پیچھا چھوٹ جائے۔"

"اس وقت سر سیتا رام کے یہاں ٹی پارٹی میں جا رہا تھا، سوچا لگے ہاتھ آپ لوگوں بھی ملتا چلوں، ویسے مجھے فرصت کہاں۔" ڈاکٹر محمود نے کہا۔ "بھئی کیا بتاؤں میں تو ا پارٹی کو محض تضیع اوقات سمجھتا ہوں۔ مگر کیا کروں یہ لوگ کسی طرح مانتے ہی نہیں۔ اب آج کا واقعہ لے لیجئے سر سیتا رام کا آدمی دعوت نامہ لے کر آیا۔ میں نے ٹالنے کے لئے جواب دیا کہ میں معافی چاہتا ہوں۔ کیونکہ میرے پاس ایک مہمان آگئے ہیں، لیکن صاحب بھلا رام کہاں ماننے لگے، فوراً ہی کہلا بھیجا کہ مہمان سمیت آجاؤ۔ مرتا کیا نہ کرتا جانا ہی پڑے جا کر کہوں گا کہ مہمان کی طبیعت کچھ خراب تھی، اس لئے وہ نہ آسکے۔"

حمید کی آنکھیں چمکنے لگیں، اس نے سوچا کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھائے حالانکہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ یہ مہمان والی بات سو فیصدی غپ ہے، لیکن وہ پھر بھی کہہ ہی بیٹھا۔

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، میں آپ کا مہمان بن کر چلا جاؤں گا۔"

"ارے آپ کہاں...... آپ مذاق کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر محمود نے جھینپی ہوئی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"اور اگر کسی نے پہچان لیا تو......!" ڈاکٹر محمود نے پیچھا چھڑانے کے لئے کہا۔ "پھر

بڑی شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔"

"کمال کر دیا آپ نے......!" حمید نے ہنس کر کہا۔ "ارے صاحب میں بھیس بدل کر چلوں گا۔"

"تب تو آپ واقعی مذاق کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر محمود نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بخدا میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "بات یہ ہے کہ مجھے سر سیتا رام کے کتوں کو دیکھنے کا بے حد شوق ہے۔ میں نے کئی بار کوشش کی کہ وہاں تک پہنچوں مگر کوئی معقول بہانہ ہاتھ نہ آسکا۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں کسی موقع پر آپ کو ان سے ملاؤں گا۔" ڈاکٹر محمود نے کہا۔

"آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اتنی فرصت کہاں...... آج کل خوش قسمتی سے کوئی کیس نہیں ہے۔ اس لئے فرصت ہی فرصت ہے، ورنہ معلوم نہیں کب اور کس وقت پھر مصروف ہونا پڑے۔"

"مگر......!" ڈاکٹر محمود نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اگر مگر کچھ نہیں...... میں اس وقت آپ کے ساتھ ضرور چلوں گا۔" حمید نے کہا۔ "آخر آپ کو پریشانی کس بات کی ہے جب کہ سیتا رام آپ کو مہمان سمیت مدعو کر چکے ہیں۔"

"پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ سوچتا ہوں کہ اگر آپ بھیس بدلنے پر پہچان لئے گئے تو بڑی خرابی ہوگی۔" ڈاکٹر محمود نے زچ ہو کر کہا۔

"اس کا ذمہ میں لیتا ہوں۔" حمید نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "اگر کوئی پہچان لے تو میں مبلغ ایک ہزار روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا، کہئے تو اس کے لئے تحریر دے دوں۔"

ڈاکٹر محمود سخت الجھن میں پڑ گیا۔ وہ ٹی پارٹی میں مدعو ضرور تھا، لیکن مہمان والی بات اس نے محض اپنی لاپروائی اور اونچے طبقے کی نظروں میں کوئی اہمیت نہ ہونے کے اظہار کے لئے یونہی کہہ دی تھی۔ اب اسے اپنی حماقت پر سخت افسوس ہو رہا تھا لیکن اب ہو ہی کیا سکتا تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا...... مجبوراً اسے حمید کی بات ماننی ہی پڑی۔ حمید اسے ڈرائنگ روم میں

بٹھا کر خود چلنے کی تیاری کرنے کے لئے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ ڈاکٹر محمود بیٹھا دانت پیس رہا تھا۔ خواہ مخواہ کی بلا گلے لگ گئی۔ وہ ہمیشہ ایسی باتوں سے کتراتا تھا جن سے اونچی سوسائٹی میں اس کی سبکی ہو۔ کبھی بن بلائے مہمان کو اپنے ساتھ ایسی جگہ لے جانا سراسر تہذیب کے خلاف سمجھا جاتا ہے، متوسط طبقے کی زندگی میں تو خیر ہر چیز جائز ہے، لیکن اعلیٰ طبقے کے افراد باتوں کا خاص خیال رکھتے ہیں، محمود بیٹھا الجھ رہا تھا کہ ایک پرانے وضع کے مسلمان رئیس نے ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر کہا۔ ''السلام علیکم۔''

ڈاکٹر محمود چونک کر کھڑا ہو گیا۔ آنے والے کی ظاہری وجاہت اُسے بُری طرح مرعوب کر رہی تھی۔

''کیا فریدی صاحب تشریف رکھتے ہیں۔'' آنے والے نے بے تکلفی سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں...... وہ تو باہر تشریف لے گئے ہیں۔'' ڈاکٹر محمود نے جلدی سے کہا۔

''آپ کی تعریف......!'' اجنبی نے ڈاکٹر محمود کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے ڈاکٹر محمود کہتے ہیں، جانوروں کے ہسپتال کا انچارج ہوں۔''

''بہت خوب...... آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔'' اجنبی نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

''آپ نے میری تعریف نہیں پوچھی، انتہائی بداخلاق معلوم ہوتے ہیں آپ۔'' اجنبی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

ڈاکٹر محمود گڑبڑا کر ہکلانے لگا۔

''گھبراؤ نہیں پیارے ڈاکٹر......!'' اجنبی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ''جب تم مجھے نہیں پہچان سکے تو پھر کون مائی کا لال پہچان سکے گا۔''

''ارے صاحب......!'' ڈاکٹر نے اچھل کر کہا۔ ''خدا کی قسم کمال کر دیا۔''

''اچھا تو اب اچھی طرح سمجھ لیجئے میری تعریف یہ ہے۔'' حمید ہنس کر بولا۔ ''خان بہادر

نمبر1 مجاہد مرزا...... اودھ کا بہت بڑا تعلق دار...... کیا سمجھے اور کتوں کا شوقین۔''

''سمجھ گیا...... اچھی طرح سمجھ گیا۔ مجھے اب کوئی پریشانی نہیں۔'' ڈاکٹر محمود نے کہا۔

دونوں کار پر بیٹھ کر سر سیتارام کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔

کوٹھی کے پائیں باغ میں ایک بڑی سی میز بچھی ہوئی تھی، جس پر دعوت کا سامان سلیقے سے چنا ہوا تھا۔ سر سیتارام، لیڈی سیتارام، سریندر اور دو ایک دوسرے آدمی کرسیوں پر بیٹھے خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ کرنل پرکاش ابھی نہ آیا تھا۔ ڈاکٹر محمود اور حمید کے پہنچنے پر سب اٹھ کھڑے ہو گئے۔ اس کے ساتھ ایک قدیم وضع کے اجنبی کو دیکھ کر لیڈی سیتارام نے بُرا سا منہ بنایا۔ سر سیتارام کا موڈ بھی کچھ خراب ہو گیا۔

''سر سیتارام آپ سے ملئے۔'' ڈاکٹر محمود نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ ہیں میرے دوست خان بہادر مجاہد مرزا اودھ کے بہت بڑے تعلق دار...... آپ کا سلسلہ نسب واجد علی شاہ مرحوم سے ملتا ہے۔''

''اوہ بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' سر سیتارام نے اٹھ کر گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''مجھے آپ سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا......'' حمید نے کہا۔ ''حالانکہ مجھے اس وقت نہ آنا چاہئے تھا لیکن میں آج رات گاڑی سے لکھنؤ واپس جا رہا ہوں، محمود صاحب یہاں آ رہے تھے تو میں نے سوچا لگے ہاتھ آپ سے بھی مل لوں۔''

''ارے خان بہادر صاحب...... یہ خانہ بے تکلف ہے۔'' سر سیتارام نے کہا۔

''میری خوش قسمتی ہے کہ اس طرح آپ سے نیاز حاصل ہوا، مجھے خاندانی آدمیوں سے مل کر بے حد مسرت ہوتی ہے۔''

''خلوص ہے آپ کا۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔ ''دراصل مجھے جو چیز یہاں تک کھینچ کر لائی ہے وہ آپ کے کتے ہیں۔ مجھے بھی کتوں کا شوق ہے۔''

''تب تو آپ سے مل کر اور بھی خوشی ہوئی۔'' سر سیتارام نے بچوں کی طرح ہنستے ہوئے

کہا۔ لیڈی سیتارام نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔ سر سیتارام اور حمید میں کتوں کے
ایک لمبی بحث چھڑ گئی۔ دونوں ہی اپنی معلومات کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کرنا چاہتے
طے پایا کہ چائے پینے کے بعد سر سیتارام کے کتا خانہ کی سیر کی جائیگی۔

تھوڑی دیر کے بعد کرنل پرکاش بھی آ گیا اور وہ اس وقت پہلے سے زیادہ شاندار نظر
تھا۔ اُسے دیکھ کر سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ سر سیتارام زیادہ گرمجوشی کے ساتھ اس کا ا
کرنے کے لئے بڑھے۔

''آیئے آیئے کرنل صاحب...... ہم سب بے چینی سے آپکا انتظار کر رہے تھے۔''

''شکریہ، شکریہ۔'' کرنل پرکاش مسکراتا ہوا بولا۔

''ان سے ملئے۔'' سر سیتارام نے تعارف کرانا شروع کیا۔ ''ریکھا میری بیوی۔''

''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' کرنل پرکاش نے ہاتھ ملاتے وقت قدرے جھ
کہا۔

لیڈی سیتارام کے ماتھے پر پسینے کی ہلکی ہلکی بوندیں پھوٹ آئیں تھیں۔ وہ ہاتھ ا
زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتی ہوئی خاموشی سے بیٹھ گئی۔ اس کے بعد فرداً فرداً سب
تعارف ہوا۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ کرنل پرکاش کی نظر بار بار اس پر پڑ رہی ہے۔ وہ کچھ گھ
گیا۔ لیکن فوراً ہی خود پر قابو پا کر مسکرا مسکرا کر باتیں کرنے لگا۔ لیڈی سیتارام بدستور خا
تھی۔ غالباً سر سیتارام نے بھی اسے محسوس کر لیا تھا۔ لہٰذا ایک موقع پر بے اختیار کہہ اٹھے۔

''کرنل صاحب ریکھا کو زیادہ باتیں کرنے کی عادت نہیں اور اجنبیوں سے وہ کچھ شر
بھی ہے۔''

''خوب یہ تو اچھی عادت ہے۔'' کرنل پرکاش نے مسکرا کر کہا۔ ''کم از کم ہر شریف عو
میں یہ صفت تو ہونی ہی چاہئے۔ کیا خیال ہے نواب صاحب!''

''بجا ارشاد ہوا......!'' حمید نے کہا۔

چائے کا دور ختم ہو جانے کے بعد سر سیتارام سب کو لے کر کتا خانے کی طرف چلے گئے۔

کرنل پرکاش اور حمید نے کتوں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے شروع کئے۔
ایک کتے کی نسل کے بارے میں دونوں میں بحث ہو گئی۔ دونوں کسی طرح چپ ہونے کا نام
ہی نہ لیتے تھے۔ حمید کو اپنی معلومات پر پورا بھروسہ تھا کیونکہ وہ بھی فریدی جیسے ماہر کا صحبت یافتہ
تھا۔ بحث کو طول پکڑتے دیکھ کر آخر کار سر سیتارام کو بیچ بچاؤ کرانا پڑا۔

سب کتوں کو دیکھ لینے کے بعد وہ پھر باغ میں پڑی ہوئی کرسیوں پر آ بیٹھے۔

''اچھا سر سیتارام...... اب میں اجازت چاہوں گا۔'' کرنل پرکاش نے کہا۔

''ایسی بھی کیا جلدی۔''

''ذرا مجھے تجارتی معاملات کے سلسلے میں ایک صاحب سے ملنا ہے۔''

''اب تو برابر ملاقات ہوتی رہے گی نا۔'' سر سیتارام نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔

''جب تک یہاں مقیم ہوں آپ کا دم غنیمت ہے...... یہاں اور کوئی اچھی سوسائٹی ابھی
تک ملی ہی نہیں۔''

سر سیتارام نے دانت نکال دیئے۔

کرنل پرکاش کے رخصت ہو جانے پر بقیہ لوگ بھی ایک ایک کر کے اٹھ گئے۔

''جب بھی یہاں تشریف لایئے گا غریب خانے کو نہ بھولئے گا۔'' سر سیتارام نے حمید
سے کہا۔

''ضرور ضرور...... آپ کے اخلاق نے میرے دل پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ کبھی لکھنؤ تشریف
لایئے۔''

''کیا بتاؤں نہ جانے کیوں اب گھر چھوڑتے وقت کچھ الجھن سی محسوس ہوتی ہے۔''

حمید یوں ہی خواہ مخواہ ہنسنے لگا اور اس کی نگاہ لیڈی سیتارام کی طرف اٹھ گئی، جو اُسے
بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

بُرے پھنسے

حمید کو اپنی حماقت پر سخت افسوس ہوا کہ اس نے یہ کیوں کہہ دیا کہ وہ آج ہی رات کی گاڑی سے لکھنؤ واپس جا رہا ہے۔ اب اس طرح فی الحال وہ وہاں نہ جا سکے گا۔ اُسے فریدی کی ہدایت یاد آ گئی کہ کوٹھی کے اندر جانے کی کوشش نہ کرنا۔ معلوم نہیں اس نے یہ کیوں کہا تھا۔ حمید سوچنے لگا۔ کہا ہوگا اپنا اپنا طریقہ کار ہے، جب فریدی کو اس کیس سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تو خواہ مخواہ کیوں اس کی ہدایتوں کے چکر میں پڑ کر اپنا کام خراب کرے۔ اب وہ پھر کرنل پرکاش کے پیچھے لگ گیا تھا۔ دو تین دن اسی قسم کے چکروں میں گزر گئے۔ لیکن کوئی کارآمد بات نہ معلوم ہو سکی۔ ان تین چار دنوں میں لیڈی سیتا رام اور کرنل پرکاش باقاعدہ طور پر کھلم کھلا ایک دوسرے سے ملنے لگے تھے۔ لیڈی سیتا رام اب آرلیچو میں سریندر کے سامنے بھی کرنل پرکاش کے ساتھ ناچ سکتی تھی۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ سریندر کو کرنل پرکاش اور لیڈی سیتا رام کی بے تکلفی قطعی پسند نہیں۔ حمید کو حیرت تو اس بات پر تھی کہ کرنل پرکاش لیڈی سیتا رام اور سریندر کے تعلقات کے بارے میں جانتے ہوئے بھی کیوں اس پر بُری طرح ریجھا ہوا ہے۔ بار بار اس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی کہ کاش فریدی یہاں موجود ہوتا۔ اُسے اس درمیان فریدی سے تھوڑی سی چڑ ضرور ہو گئی تھی۔ لیکن وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر وہ یہاں موجود ہوتا تو کبھی کا سارا معمہ حل ہو گیا ہوتا۔ اس کو اب افسوس ہو رہا تھا کہ کیوں نہ اس نے فریدی کو سارے حالات لکھ دیئے اس طرح ممکن تھا کہ وہ ایسے عجیب و غریب معمے کو حل کرنے کے شوق میں بیماری ہی کی حالت میں چلا آتا۔

ان دنوں اسے شہناز کی یاد بُری طرح ستا رہی تھی۔ اسے اس کی بے گناہی کا پورا پورا

یقین تھا۔ ویسے کبھی کبھی وہ اس کی بڑھی ہوئی آزادی اور لیڈی سیتا رام کے عادات و اطوار کو سامنے رکھتے ہوئے اس سے بد دل ضرور ہو جاتا تھا لیکن یہ کیفیت بالکل عارضی ہوتی تھی۔ وہ پھر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ دنیا کی ساری عورتیں یا سارے مرد ایک جیسے نہیں ہوتے، عشق محبت کے معاملے میں وہ ایک کھلنڈرا اور بے پرواہ آدمی تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ قیس و فرہاد قسم کی محبت کا دنیا میں وجود ہی نہیں تھا۔ اس نے اب سے پہلے بھی کئی عشق کیے تھے لیکن وہ صرف فلمی گانوں اور بے تکی ہائے وائے ہی تک محدود رہے تھے اور ویسے وہ فریدی کو چڑانے کے لئے بھی اکثر ایک آدھ عشق کر بیٹھتا تھا۔ ایسی کہانیوں کے محبوب عموماً فرضی ہوا کرتے تھے۔ شہناز سے بھی اس کی محض دوستی تھی لیکن اس درمیان میں اسے اُس سے حد درجہ ہمدردی ہو گئی تھی۔ اور یہ ہمدردی آہستہ آہستہ دوسری شکل اختیار کرتی جا رہی تھی۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہوا تھا کہ اس نے اپنی کوئی رات تارے گن گن کر گزاری ہو۔ یا محض آہیں بھرنا شعار بنا لیا ہو۔ دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھاتا تھا۔ آرلیچو میں جا کر ایک آدھ راؤنڈ ناچتا بھی تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ ضرور تھا کہ شہناز کو حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کی بھی بازی ضرور لگا سکتا تھا۔ اپنے خون کا آخری قطرہ بھی صرف کر سکتا تھا۔

آج شام کو جب وہ آفس سے واپس آیا تو اسے فریدی کا خط ملا۔ جس میں اس نے سب سے پہلے شہناز کے بارے میں پوچھا تھا۔ پھر ریلو ڈنگو کا نوحہ تھا اور آخر میں اپنی بیماری کا حال لکھا تھا۔ وہ ابھی تک بیمار تھا۔ نقاہت بہت زیادہ تھی اس لئے سفر کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ آخیر میں اس نے پھر تاکید لکھی تھی کہ اُسے تمام حالات سے مطلع کیا جائے۔ فریدی کا خط پڑھ کر حمید کے دل میں ہمدردی کے جذبات جاگ اٹھے۔ وہ محبت جاگ اٹھی جو اسے فریدی سے تھی، اسے فریدی سے اتنی ہی محبت تھی جتنی کہ اپنے بڑے بھائی سے ہو سکتی ہے۔ اگر فریدی نے اُسے یہ نہ لکھ دیا ہوتا کہ تم پریشان ہو کر یہاں آنے کی کوشش نہ کرنا بلکہ شہناز کے سلسلے میں تفتیش میں مشغول رہنا تو وہ ایک آدھ ہفتے کی چھٹی لے کر بمبئی ضرور جاتا اور جس طرح بھی بن پڑتا فریدی کو وہاں سے لانے کی کوشش کرتا۔

ناشتہ کرنے کے بعد حمید نے فریدی کو خط لکھنا شروع کیا۔ سارے حالات مفصل لکھے۔ ا
ڈنگو کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ محض اُس کی وجہ سے اسے اتنی باتیں معلوم ہوگئیں اور وہ بہت
جلد اسے کرنل پرکاش سے قانونی طور پر چھین لے گا۔ خط ختم کر چکنے کے بعد وہ سو گیا۔

آج رات کو آرلکچو میں خاص پروگرام تھا۔ ٹکٹ کا دام اتنا بڑھا دیا گیا تھا کہ زیادہ تر
صرف اعلیٰ طبقہ ہی کے لوگ اس میں حصہ لے سکتے تھے۔ کرنل پرکاش کی دریافت کے بعد سے
حمید روزانہ آرلکچو جاتا تھا اس لئے رات کو سونے کا موقع کم ملتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آج کل دن
میں سونا اس کے لئے ضروری ہوگیا تھا۔

تقریباً آٹھ بجے وہ سو کر اٹھا۔ ناوقت سونے سے طبیعت کچھ کسلمند ہوگئی تھی۔ لیکن کافی
کے ایک پیالے نے اس کے جسم میں حرارت و توانائی پیدا کر دی تھی۔ کھانے سے فارغ ہوکر
اس نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور آرلکچو کی طرف روانہ ہوگیا۔

آرلکچو کی رقص گاہ آج بالکل انوکھے انداز میں سجائی گئی تھی۔ چاروں طرف قہقہوں کے
فوارے اچھل رہے تھے۔ حمید کی نگاہیں کرنل پرکاش اور لیڈی سیتارام کو ڈھونڈھ رہی تھیں لیکن
وہ دونوں ابھی تک نہیں آئے تھے۔ حمید اوپر گیلری میں گیا۔ بالکنی بھی خالی تھی۔ پھر ٹہلتا ہوا کرنل
پرکاش کے کمرے کی طرف گیا وہ بھی بند تھا۔ تھک ہار کر وہ ہال میں لوٹ آیا۔ ایک جگہ ایک میز
خالی نظر آئی، قریب جانے پر معلوم ہوا کہ کرنل پرکاش کے لئے پہلے ہی سے "مخصوص" کر دی
گئی ہے۔ ایک میز کے گرد دو اینگلو انڈین لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں، بقیہ دو کرسیاں خالی تھیں، وہ
ان کے قریب گیا۔

"اگر کوئی حرج نہ ہو تو میں یہاں بیٹھ جاؤں۔" حمید نے کہا۔

"ضرور ضرور......!" دونوں بیک وقت بولیں۔

حمید ان کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ وہ یوں بھی کافی حسین تھا اور اس وقت عمدہ قسم کے
سیاہ سوٹ میں وہ کوئی ذی حیثیت اینگلو انڈین معلوم ہو رہا تھا۔ غالباً وہ دونوں بھی اُسے اینگلو
انڈین سمجھی تھیں۔ حمید نے بیٹھتے ہی ان پر رعب ڈالنے کے لئے کچھ کھانے پینے کی چیزوں کا

"آپ ہم لوگوں کے لئے تکلیف نہ کیجئے۔" لڑکیوں میں سے ایک بولی۔

"واہ یہ کیسے ممکن ہے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"معاف کیجئے گا ہم لوگ ایسے لوگوں کی دعوت قبول نہیں کرتے، جنہیں ہم جانتے نہ
ہوں۔"

"تو اس میں ہرج ہی کیا ہے...... اب آپ مجھے جان جائیں گی۔ مجھے آرتھر کہتے ہیں،
اس شہر میں نووارد ہوں۔"

دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگیں۔

"یہ جولیا ہے اور میں لزی...... ہم دونوں اسٹوڈنٹ ہیں۔"

"کتنے پیارے ہیں آپ دونوں کے نام...... جولیا...... لزی...... ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی
نے کانوں میں شہد ٹپکا دیا ہو۔"

"تو آپ شاعر بھی ہیں۔" جولیا نے مسکرا کر کہا۔

"کاش میں شاعر ہوتا، جولیا... لزی... لزی... جولیا...!"

اتنے میں بیرا طلب کی ہوئی چیزیں لے کر آ گیا۔ تینوں کھانے پینے میں مشغول ہوگئے۔

تھوڑی دیر کے بعد ناچ کے لئے موسیقی شروع ہوگئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں ناچ کے لئے کس سے درخواست کروں۔" حمید نے
کہا۔

"ہم دونوں باری باری سے ناچیں گے۔" جولیا نے کہا۔

اور لزی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ حمید نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور دونوں آہستہ آہستہ
تھرکتے ہوئے ناچنے والوں کی بھیڑ میں آ گئے۔

"تم نے بہت زیادہ پی رکھی ہے۔" لزی مسکرا کر بولی۔

"کس نے...... نہیں ایک قطرہ بھی نہیں۔"

"کون سی پیتے ہو......!"

"اسکاچ......!" حمید نے جلدی سے کہا۔ "لیکن میں نے اتوار کے دن پینے ر
رکھی ہے۔"

"کیوں......؟"

"میں تھوڑا سا مذہبی آدمی بھی ہوں۔"

"یہ بہت بُری بات ہے۔"

"اچھی ہو یا بُری......اصول بہرحال اصول ہے۔" حمید نے کہا۔ "تم کونسی پیتی ہو۔"

"شیری......!"

"اچھا تو میں تمہیں شیری ضرور پلاؤں گا۔"

"تم بہت حسین ہو۔"

"ایک بار ایک بڑھیا نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا۔"

لڑکی کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

"تم بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

"تم جیسی خوبصورت لڑکیوں کا قرب مجھے سب کچھ بنا دیتا ہے۔"

"باتیں خوب بنا لیتے ہو۔"

"میں روزانہ ایک درجن باتیں بناتا ہوں اور پھر انہیں پیک کر کے بکنے کے لئے
میں بھیج دیتا ہوں۔"

"تم ضرور پیئے ہوئے ہو۔"

"تمہاری ستاروں سے زیادہ چمکدار آنکھوں کی قسم میں نشے میں نہیں ہوں۔"

"خیر ہوگا......تم بہت اچھا ناچ لیتے ہو۔"

دفعتاً حمید کی نظریں اس میز کی طرف اٹھ گئیں جو کرنل پرکاش کے لئے مخصوص تھی
کرنل پرکاش، لیڈی سیتا رام اور سریندر ابھی ابھی آ کر بیٹھے تھے۔ لیڈی سیتا رام ا

بہت زیادہ جچ رہی تھی۔ تھوڑی دیر ستانے کے بعد کرنل پرکاش اور لیڈی سیتا رام ناچنے کے
لئے تیار ہو گئے۔

حمید اور لڑکی کئی بار ناچتے ہوئے کرنل پرکاش اور لیڈی سیتا رام کے قریب سے گزرے۔
لیڈی سیتا رام شراب کے نشے میں بدمست تھی۔

رقص کی موسیقی رفتہ رفتہ تیزی ہوتی جا رہی تھی کہ اچانک پورے ہال میں اندھیرا چھا گیا
تھا۔ شاید فیوز اڑ گیا تھا۔ اندھیرے میں عجیب قسم کا ہیجان برپا ہو گیا۔ دفعتاً ایک عورت کی چیخ
سنائی دی۔

"ارے ارے......چھوڑو......ارے چھوڑ......میرا ہار......میرا ہار......!" وہ بُری
طرح چیخ رہی تھی۔ اسی کے ساتھ اور بھی کئی تیز قسم کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ چند لمحوں کے
بعد پھر روشنی ہو گئی۔ ایک جوان عورت جو لباس سے کافی دولت مند معلوم ہو رہی تھی "میرا ہار میرا
ہار" ابھی تک چیخے جا رہی تھی۔ لوگ اس کے گرد اکٹھا ہو گئے۔

"کسی نے میرا ہیروں کا ہار اُتار لیا......!" وہ چیخ کر بولی۔

اتنے میں منیجر بھی آ گیا۔ اس نے ہال کے سب دروازے مقفل کرا دیئے۔

"خواتین وحضرات!" وہ ایک میز پر کھڑا ہو کر بولا۔ "مجھے سخت افسوس ہے کسی بدمعاش
نے لیڈی اقبال کا ہار چرا لیا۔ مجبوراً مجھے اس وقت تک کے لئے سب دروازے مقفل کرا دینے
پڑے جب تک کہ پولیس آ کر کوئی کاروائی نہ شروع کر دے۔ اُمید ہے کہ آپ لوگ مجھے اس
گستاخی پر معاف فرمائیں گے۔"

"بالکل ٹھیک ہے......بالکل ٹھیک ہے۔" بہت سی آوازیں سنائی دیں۔

کچھ دیر بعد پولیس آ گئی۔ ایک سرے سے سب کی تلاشی شروع ہو گئی۔ تلاشی لینے والوں میں
انسپکٹر جگدیش بھی تھا۔ جب وہ حمید کے قریب آیا تو حمید نے بھی اپنے ہاتھ اٹھا دیئے۔

"ارے آپ......!" جگدیش ٹھٹک کر بولا۔ "کیوں مذاق کرتے ہیں۔"

وہ آگے بڑھنے لگا۔

"ٹھہرو...... میری تلاشی بھی لیتے جاؤ۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

جگدیش بھی ٹھٹک گیا۔

"جلدی کرو...... ہچکچاؤ نہیں...... مصلحت یہی ہے اور میرے لئے بالکل اجنبی بنے رہو۔" جگدیش نے حمید کی بھی تلاشی لی اور آگے بڑھ گیا۔ حمید خود بھی اپنی تیز نظروں سے برابر کام لے رہا تھا۔ لیکن اسے اچھی طرح یقین ہوگیا تھا کہ چور اس وقت ہال میں موجود نہیں۔ کیونکہ عورت کے چیخنے کے دو تین منٹ بعد تک ہال میں اندھیرا رہا تھا۔ اس وقفہ میں چور نہایت آسانی سے باہر جاسکتا تھا۔ اس وقت کی تلاشی محض رسمی کاروائی سمجھ رہا تھا۔

تلاشی کا سلسلہ تقریباً تین گھنٹہ تک جاری رہا۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ آخر تھک ہار کر پولیس والوں نے دروازے کھلوا دیئے۔ تھوڑی دیر بعد ہال میں بالکل سناٹا تھا۔ صرف وہی لوگ باقی رہ گئے تھے جو آرلکچو میں مستقل طور پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ لیڈی سیتا رام اور سریندر بھی ابھی موجود تھے۔ انہیں کے قریب کی ایک میز پر حمید بھی کافی پی رہا تھا۔ پولیس والے کچھ دیر ٹھہر کر واپس چلے گئے۔ لیڈی اقبال ابھی تک منیجر سے الجھی ہوئی تھی۔ منیجر غریب بُری طرح بدحواس تھا کیونکہ اس کے ہوٹل میں یہ دوسرا حادثہ تھا اور اب کوئی چیز ہوٹل کو بدنامی سے نہیں بچا سکتی تھی۔

"اب چلنا چاہئے۔" لیڈی سیتا رام بولی۔

"ایسی بھی کیا جلدی۔" کرنل پرکاش نے کہا۔ "کچھ دیر چل کر میرے کمرے میں بیٹھئے پھر چلی جایئے گا...... کیوں سریندر صاحب۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" سریندر نے کہا۔

تینوں اٹھ کر زینوں کی طرف بڑھے۔

حمید ان کا پیچھا کرنے کی خواہش کو کسی طرح نہ دبا سکا۔ وہ اس وقت خاص طور پر کرنل پرکاش کا پیچھا کرنے کا عادی ہوگیا تھا جب لیڈی سیتا رام بھی اس کے ساتھ ہوتی تھی اور اس وقت تو سریندر بھی تھا۔ کرنل پرکاش کا رقیب۔ اس وقت ان کا پیچھا کرنے کی سب سے بڑی

نجی کہ کرنل پرکاش نے ان دونوں کو اتنی رات گئے روکا کیوں ہے۔ حمید بھی اٹھا زینے طے کر کے وہ اوپر آیا۔ کرنل پرکاش کے کمروں کے سامنے ایک چھوٹا سا صحن تھا، جسے قد آدم دیوار نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اس طرح یہ حصہ ہوٹل کے بقیہ حصوں سے بالکل الگ ہوگیا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ حمید دروازے سے لگ کر کھڑا ہوگیا۔ اسے اطمینان تھا کہ اس وقت ادھر کوئی نہیں آسکتا اس نے اپنی آنکھ دروازے کی کنجی کے سوراخ سے لگادی۔

لیڈی سیتا رام اور سریندر صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور کرنل پرکاش ٹہل رہا تھا۔

"میں اس وقت آپ لوگوں کو اپنا ایک کرتب دکھانا چاہتا ہوں۔" وہ ٹہلتے ٹہلتے رک کر

سریندر اور لیڈی سیتا رام اُسے تعجب سے دیکھنے لگے۔

"یہ دیکھئے...... یہ رہا...... لیڈی اقبال کا ہار......!"

"ارے......!" کہہ کر لیڈی سیتا رام اور سریندر کھڑے ہوگئے۔

کرنل پرکاش نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"میں آپ کو اتنا گرا ہوا نہیں سمجھتا تھا۔" سریندر نے تیز لہجہ میں کہا۔

"اوہ میرے شیر......!" کرنل پرکاش طنزیہ ہنسی کیساتھ بولا۔ "تم کس سے کم ہو۔"

"کیا مطلب......!" سریندر جلدی سے بولا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار پیدا ہوگئے۔

"مطلب صاف ہے، ذرا اسے ملاحظہ فرمایئے۔" کرنل پرکاش نے ایک کاغذ نکال کر سریندر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

سریندر کاغذ لیکر پڑھنے لگا۔ اسکی پیشانی سے پسینے کی بوندیں ڈھلکنے لگیں، اس نے کاغذ پھاڑنے کا ارادہ کیا لیکن دوسرے ہی لمحہ میں کرنل پرکاش کے ہاتھ میں پستول تھا۔

"خبردار...... ادھر لاؤ، ورنہ بھیجا اڑا دوں گا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "تم غلط سمجھے۔ میں تم سے سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں۔"

سریندر نے کاغذ لوٹا دیا۔ لیکن وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ لیڈی سیتارام کے چہ
ہوائیاں اڑ رہی تھیں، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یک بیک وہ گونگی ہو گئی ہو۔ کبھی وہ س
طرف دیکھتی اور کبھی کرنل پرکاش کی طرف۔

"میں اس کاغذ کی پوری کہانی سے اچھی طرح واقف ہوں۔" کرنل پرکاش نے کہا

"نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" سریندر بدقت تمام بولا۔

"خیر تم ابھی بچے ہو...... مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ ہاں اب آؤ کام کی بات کی ط
میں تم سے سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"کس بات کا سمجھوتہ۔"

"ہاں اب آئے ہو سیدھی راہ پر۔" کرنل پرکاش میز پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"جانتے ہو میں افریقہ سے یہاں کس لئے آیا ہوں، یہ تینوں ہار میرے ہی ہیں
دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ اس ہار کی اصلی قیمت سے لیڈی اقبال بھی واقف نہیں۔
یہ ہار میری تجوری سے چرائے گئے تھے۔ میں عرصہ تک ان کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ آ
پتہ چلا کہ تینوں ہار اس ملک میں فروخت کئے گئے ہیں۔ میں یہاں آیا اور عرصہ تک ادھر ا
خاک چھانتا رہا۔ آخر کار مجھے معلوم ہو ہی گیا کہ تینوں ہار اسی شہر میں فروخت کئے گ
ایک تو میں نے حاصل کر ہی لیا۔ باقی رہے دو ہار...... ان کے متعلق کوئی پتہ نہیں چل سکا
نے قبضے میں ہیں۔ بہرحال میں جس معاملے میں تم سے سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ
دونوں مجھے یہاں کے بڑے آدمیوں سے ملاؤ۔ میں اپنے ہار حاصل کر کے واپس چلا جا
اور ایک بہادر کی طرح وعدہ کرتا ہوں کہ تم لوگوں کا راز میرے سینے میں دفن رہے گا۔"

لیڈی سیتارام اور سریندر کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ دونوں بے بسی سے ایک دوسر
طرف دیکھ رہے تھے۔

"میرا دوستی کا ہاتھ ہمیشہ تم لوگوں کی طرف بڑھا رہے گا۔" کرنل پرکاش پھر بولا
جب بھی یہاں اپنے لئے خطرہ محسوس کرو، نہایت بے تکلفی کے ساتھ افریقہ آ سکتے ہو، میں

...اپنا ہی سمجھوں گا۔ تم لوگ ابھی مجھ سے واقف نہیں۔ میں تمہیں ایک رات میں کروڑ پتی
...ملا ہوں...... بولو کیا کہتے ہو۔"

"منظور ہے......!" سریندر نے کہا۔

"شاباش...... مجھے تم سے یہی امید تھی...... بغیر ایک دوسرے کے کام آئے...... زندہ
...ے کار ہے۔"

کرنل پرکاش خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کسی چیز پر غور کر رہا ہو۔ اچانک وہ
...ے کی طرف جھپٹا...... اور دروازہ کھول دیا۔ حمید سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ کرنل پرکاش کا ہاتھ
...ا گردن پر پڑا۔

"خبردار شور نہ کرنا...... ورنہ یہیں ڈھیر کر دوں گا۔" کرنل پرکاش نے حمید کو کمرے کے
...یل کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

لیڈی سیتارام اور سریندر گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔

"یہ کون ہے......؟" دونوں بے ساختہ بولے۔

...مید بے بسی سے فرش پر پڑا کرنل پرکاش کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کو دیکھ رہا تھا۔

"کون ہے ابے تو......!" کرنل پرکاش گرج کر بولا۔

"تمیز سے بات کرو۔" حمید اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اچھا جی...... سیدھی طرح بتاؤ نہیں تو......!"

"اگر میں نہ بتاؤں تو۔"

"میرا ایک کارتوس خواہ مخواہ خراب ہوگا......" کرنل پرکاش بولا۔ "اس کے لہجے میں
...درندگی محسوس ہو رہی تھی۔"

...مید لرز اٹھا۔

"جانتے ہو کرنل پرکاش کا راز معلوم کرنے والے کی سزا موت ہے۔" کرنل نے کہا۔
...نا چاہتے ہو تو سیدھی طرح بتا دو کہ تم کون ہو۔"

"تم ذرا گولی چلا کر تو دیکھو۔" حمید جی کڑا کر کے بولا۔ "کرنل پرکاش تم نے شاید
تک کسی برابر والے سے ٹکر نہیں لی۔"

"واہ رے میری مینڈکی۔" کرنل پرکاش نے کہا۔ "میرے پاس زیادہ وقت نہیں
میں ابھی تم سے اگلوا لیتا...... خیر پھر سہی۔"

کرنل پرکاش نے میز پر رکھا ہوا رول اٹھا کر حمید کے سر پر دے مارا...... حمید تیو
پڑا۔ اس نے دو تین رول اور رسید کئے۔ حمید بیہوش ہو چکا تھا۔

"دیکھا تم نے......!" کرنل دونوں کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "اس طرح لوگ
پیچھے لگے ہوئے ہیں، معلوم نہیں یہ کون ہے۔ شکر ہے کہ میں نے بات کی رو میں تمہار
کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ مگر یہ مشکوک ضرور ہو گیا ہوگا۔ یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ یہ ک
ورنہ میں اس کو اسی وقت ٹھکانے لگا دیتا۔ مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسے ک
جائے۔"

"اس کا انتظام میں کروں گی۔" لیڈی سیتا رام جلدی سے بولی۔ "لیکن اسے ی
کس طرح لے جایا جائے گا۔"

"نہایت آسانی سے...... یہ میں کرلوں گا۔" کرنل پرکاش نے کہا اور حمید پر
حمید کا سر پھٹ گیا تھا۔ زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ کرنل پرکاش نے زخم صاف کر کے
دی۔

"سریندر آؤ...... اسے پکڑ کر نیچے لے چلیں۔ کار تو تم لائے ہی ہو گے۔" کرنل۔

"تو کیا اسی طرح نیچے لے جایئے گا۔" لیڈی سیتا رام حیرت سے بولی۔

"ہاں...... اسی طرح...... تم گھبراؤ نہیں...... تم ابھی مجھے نہیں جانتیں۔"

حمید کو ایک طرف سے سریندر نے پکڑا اور دوسری طرف سے کرنل پرکاش۔
سہارا دیتے ہوئے لے چلے۔

نیچے اتر کر وہ ہال سے گزر رہے تھے کہ منیجر لپکتا ہوا ان کی طرف آیا۔

"کیوں...... کرنل صاحب کیا بات ہے۔"

"ارے صاحب کیا بتاؤں...... آج کل کے لونڈوں کے جسم میں سکت نہیں اور پینے پر
یں گے تو قرابے کے قرابے صاف...... صاحبزادے نے وہ اچھل کود مچائی کہ سر ہی پھوڑ
ھے۔ اب انہیں ان کے گھر پھینکنے جا رہا ہوں۔ منع کر رہا تھا کہ زیادہ نہ پیو...... مگر کون
تا ہے۔"

منیجر مسکرا کر سر ہلاتا ہوا واپس چلا گیا۔

"کیوں سریندر کیسی رہی۔" کرنل پرکاش کار میں بیٹھ کر بولا۔

"مانتا ہوں استاد......!"

"میں آپ کو اتنا دلیر نہیں سمجھتی تھی۔" لیڈی سیتا رام بولی۔

"ابھی تم لوگوں نے دیکھا ہی کیا ہے...... مجھے کرنل پرکاش کہتے ہیں۔"

کار تاریک سڑکوں پر اپنی روشنی بکھیرتی ہوئی تیزی سے سر سیتا رام کی کوٹھی کی طرف
رہی تھی۔

پریم کہانی

حمید کو ہوش آیا تو اسے اپنے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلی ہوئی معلوم ہوئی، سر
ی طرح دکھ رہا تھا۔ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے نقاہت بہت بڑھ گئی تھی۔ اس نے لیٹے
لیٹے ادھر اُدھر ہاتھ پیر چلائے۔ وہ ایک چٹائی پر پڑا تھا، تھوڑی دیر تک وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ
ریکی میں گھورتا رہا پھر آنکھیں بند کرلیں۔ آہستہ آہستہ سارے واقعات اس کے ذہن
ناچنے لگے۔ معلوم نہیں وہ اس وقت کہاں پڑا ہوا ہے۔ اس کا تو اُسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ
ی کی قید ہے۔ اس نے کرنل پرکاش کا راز معلوم کر لیا تھا۔ لہٰذا وہ اُسے آزاد کیوں چھوڑنے

لگا۔ آخر لیڈی سیتا رام وغیرہ کا راز کیا تھا، جس کی طرف کرنل پرکاش نے اشارہ کیا تھا۔ کم از کم
رام سنگھ کے قتل کی طرف تو اشارہ نہیں تھا۔ یہ کرنل پرکاش بھی انتہائی سفاک آدمی معلوم ہوتا
ہے۔

حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی اس کے سر پر ہتھوڑے چلا رہا ہو۔ اس پر آہستہ
آہستہ غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا وہ سوتا رہا۔

اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی کی نرم و لطیف سانس اس کے چہرے کو چھو رہی ہو
کوئی اس پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن ایسا معلوم ہوا جیسے ان میں
مرچیں بھر دی گئی ہوں۔ لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہ آنکھیں نہ کھول سکا۔ اب کسی کی نرم
انگلیاں اس کے بالوں پر آہستہ آہستہ رینگ رہی تھیں۔

"حمید صاحب۔" کسی نے آہستہ سے پکارا۔

وہ چونک پڑا۔ آواز جانی پہچانی معلوم ہوئی۔ اس نے پھر پکارا۔ اب کی بار حمید نے
تحاشہ آنکھیں کھول دیں اور انتہائی نقاہت کے باوجود بھی وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"ارے تم...... شہناز......!" وہ خوشی اور تعجب کے ملے جلے لہجے میں چیخا۔

شہناز نے سر ہلا دیا۔ اس کا سرخ و سپید رنگ ہلدی کی مانند پیلا ہو گیا تھا۔ آنکھوں
گرد حلقے پڑ گئے تھے۔ ہونٹوں پر سیاہی کی ہلکی سی تہہ جم گئی تھی۔ آنکھوں میں آنسو جھلک
تھے۔

"یہ آپ کے سر میں کیا ہوا...... آپ کے کوٹ پر خون کے دھبے کیسے ہیں۔" شہناز
ہی سانس میں کہہ گئی۔

"یہ ایک لمبی داستان ہے......" حمید نے کہا۔ "مجھ میں اتنی سکت نہیں کہ ابھی بتا سکوں
میں تمہارے متعلق معلومات کرنے کیلئے بیتاب ہوں۔ تم یہاں کس طرح پہنچیں۔"

"یہ میں بعد کو بتاؤں گی۔ آپ کی حالت مجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔ میں کیا کروں۔"

"سچ......!" حمید نے ایک نقاہت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور پھر چٹائی پر لیٹ

نے اپنا دوپٹہ تہہ کر کے اس کے سر کے نیچے رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں میں رکے ہوئے
گالوں پر ڈھلک آئے۔

"تم رو رہی ہو پگلی کہیں کی۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "میں تمہیں پانے کے لئے جدوجہد
تھا...... پالیا...... اب میں نہایت سکون کے ساتھ مر سکتا ہوں۔"

شہناز ہچکیاں لے کر رونے لگی۔

"تم مجھے اپنا دوست سمجھتی ہو۔" حمید نے پوچھا۔

شہناز نے سر ہلا دیا۔

"تو میں اسی دوستی کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ رو نہیں...... میں اپنے دل کو اس وقت
زیادہ کمزور محسوس کر رہا ہوں۔"

شہناز نے آنسو پونچھ ڈالے اور اپنی ہچکیوں کو دبانے کی کوشش کرنے لگی۔

"تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ میں شروع ہی سے تمہیں بے گناہ سمجھتا رہا ہوں...... جب تمہارا
گرفتاری نکلا تھا تو میں انسپکٹر سنہا سے لڑ گیا تھا۔"

"وارنٹ گرفتاری......!" شہناز چونک کر بولی۔ "وہ کس لئے۔"

"تمہارے غائب ہو جانے کے بعد تمہارے گھر سے ایک مشکوک خط برآمد ہوا جس
کی گروہ کی طرف سے غائب ہو جانے کی ہدایت دی گئی تھی۔"

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مجھے اس قسم کے کسی خط کا علم نہیں اور نہ میرا تعلق کسی
سے ہے۔"

"اب قسم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔" حمید نے کہا۔ "تمہاری بے گناہی سورج کی
روشن ہے۔"

"اچھا یہ بتا سکتی ہو کہ تم کس کی قید میں ہو۔"

"یہ مجھے آج تک نہ معلوم ہو سکا۔ البتہ مجھے قید کرنے والے مجھ پر مہربان ضرور
...... انہوں نے مجھے بھوکوں نہیں مارا۔"

"اچھا تو کیا کوئی کھانا لے کر آتا ہے۔"

"نہیں...... اس سامنے والی دیوار کی جڑ میں ایک دراڑ سی پیدا ہو جاتی ہے اور ا
کھانا اندر کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے اور جب میں برتن اس دراڑ سے باہر نکال دیتی
دراڑ خود بخود بند ہو جاتی ہے۔"

اب حمید نے لیٹے ہی لیٹے اس جگہ کا جائزہ لینا شروع کیا۔ یہ ایک وسیع کمرہ
طرف بڑی سی میز اور کچھ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ کمرے کی ساخت بتا رہی تھی کہ وہ
ہے، چھت میں دو تین جگہ موٹے موٹے اور دھندلے شیشے لگے ہوئے تھے، جن سے
تھوڑی بہت روشنی اندر آتی تھی۔ شیشے اس قدر دھندلے تھے کہ اس کے پار کی کوئی چ
نہیں دیتی تھی۔ اس پورے کمرے میں باہر جانے کے لئے کوئی دروازہ نہیں تھا۔ صر
دروازہ نظر آ رہا تھا وہ بھی اس کمرے کے ایک کونے میں بنی ہوئی کوٹھڑی کا تھا۔

"کیا یہ دروازہ باہر جانے کا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں غسل خانہ ہے۔"

"تو اس کا مطلب کہ یہ کمرہ نہیں ہمارا مقبرہ ہے۔" حمید نے کہا۔ "ذرا ہاتھ پا
کچھ طاقت آئے تو باہر نکلنے کی جدوجہد کی جائے۔"

اتنے میں سامنے والی دیوار کی جڑ میں ایک کھٹکے کے ساتھ دو بالشت چوڑی
ہوگئی جس سے ایک کشتی جس میں ناشتہ تھا کمرے کے اندر کھسکا دی گئی۔ شہناز نے
اٹھالی۔ حمید اس دراڑ کو بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس دراڑ کی باقاعدہ حفاظ
ہوگی۔ حمید خیالات میں الجھتا رہا۔ اتنی دیر میں شہناز نے دو پیالیاں چائے کی تیار کیں
قطعی بھوک نہیں تھی لیکن شہناز کے اصرار پر کچھ نہ کچھ کھانا ہی پڑا۔ شہناز نے برتن
سے واپس کر دیئے۔

"کل تک میں بہت پریشان تھی، لیکن آج نہ جانے کیوں ایسا معلوم ہو رہا
اپنے گھر ہی میں بیٹھی ہوں۔" شہناز نے کہا۔

"خدا نے چاہا تو تم بہت جلد اپنے گھر میں ہوگی۔ میں نے اپنی زندگی میں ایک ہی کام
ندگی کا کیا ہے۔"

"وہ کیا......؟"

"یہی کہ اس حادثے سے پہلے میں فریدی صاحب کو یہاں کے مفصل حالات لکھ دیئے
ئے۔"

"تو کیا فریدی صاحب موجود نہیں تھے۔"

"نہیں...... وہ باہر گئے ہوئے ہیں۔" حمید نے کہا اور اس کے بعد اس نے شروع سے
لے کر آخر تک شہناز کو سارے واقعات بتا دیئے۔

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں لیڈی سیتارام کی قید میں ہوں۔" شہناز نے حیرت
سے کہا۔

"قطعی......!"

"لیکن آخر کیوں......؟ میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔"

"وہ دراصل اپنا جرم کسی دوسرے کے سر تھوپنا چاہتی تھی۔ اتفاق سے تم ہی زد میں
آ گئیں۔"

"تو کیا لیڈی سیتارام ہی رام سنگھ کی قاتل ہیں۔"

"حالات تو یہی کہتے ہیں۔"

"اب مجھے یہاں سے بچ نکلنے کی کوئی امید نہیں۔"

"ایسا مت سوچو...... فریدی صاحب ضرور آئیں گے اور اگر وہ نہ بھی آئے تو میری
موجودگی میں تمہیں پریشان ہونے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں۔"

"آپ بہت اچھے آدمی ہیں......!" شہناز نے کہا۔

"بس اتنی سی بات...... نہیں میں بہت برا آدمی ہوں۔"

"ہوں گے لیکن میرے لئے نہیں۔"

"تو کیا واقعی تم مجھ پر بھروسہ کرتی ہو۔"

"آخر کیوں نہ کروں۔"

"ایک بات پوچھوں...... یہ کہ تم نے لیڈی سیتا رام کے یہاں کا ٹیوشن کیوں چھوڑ
تھا۔"

"مجھے ناپسند تھا۔"

"آخر ناپسندیدگی کی وجہ۔"

"وہاں کئی بہت ہی آوارہ اور اوباش قسم کے لوگ آنے لگے تھے۔ اکثر وہ مجھے بھی ا
طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ چیز مجھے ناپسند تھی۔"

حمید کچھ اور پوچھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ شہناز نے اُسے روک دیا۔

"آپ زیادہ باتیں نہ کیجئے...... سر سے بہت زیادہ خون نکل گیا ہے...... کہیں پھر چکر
آ جائے۔"

"اتنے دنوں کے بعد تم ملی ہو...... دل چاہتا ہے بس باتیں کئے جاؤ۔"

"نہیں بس آنکھ بند کیجئے...... میں سر سہلاتی ہوں۔"

حمید نے آنکھیں بند کر لیں اور وہ ہولے ہولے اس کا سر سہلانے لگی۔ حمید کو اپنے
میں ایک عجیب قسم کی غم آلود نرماہٹ پھیلتی معلوم ہونے لگی۔ وہ خلوص اور پیار جس کا ہر مرد
عورت سے متمنی ہوتا ہے حمید کو آج تک نہ ملا تھا۔ حمید کو شہناز کے اس رویئے میں ایک ا
لگاوٹ محسوس ہوئی جسے ماتا کے بعد درجہ دیا جا سکتا ہے۔ اس کی بند آنکھوں سے آنسو پھو
نکلے۔

"ارے...... ارے آنسو کیوں؟"

"کچھ نہیں......!" حمید نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ کو میری قسم بتائیے کیا بات ہے۔"

"مجھ سے تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔" حمید نے کہا۔

"فی الحال آپ اپنی حالت دیکھئے...... میری بعد میں دیکھئے گا۔"

"یہ آفت تم نے خود اپنے سر مول لی ہے۔" حمید نے کہا۔

"وہ کیسے......؟"

"نہ تم اتنی سوشل ہوتیں اور نہ یہ دن دیکھنا نصیب ہوتا۔"

"اپنی اس حماقت پر تو عرصہ سے رو رہی ہوں۔" شہناز نے کہا۔ "اگر کبھی آسمان دیکھنا
نصیب ہوا تو انشاء اللہ صحیح معنوں میں ایک شریف عورت کی طرح زندگی بسر کرنے کی کوشش
کروں گی۔"

"جب تک کہ ہمارے سماج کا پورا ڈھانچہ ہی نہ بدل جائے عورتوں کی آزادی کوئی معنی
نہیں رکھتی۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں...... اب یہ بات میری سمجھ میں بھی آ گئی ہے۔"

"خیر چھوڑو ان باتوں کو...... اب یہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر کرنی چاہئے۔" حمید نے
اٹھتے ہوئے کہا۔

"تو لیٹے رہئے نا......!"

"نہیں یہ لیٹنے کا وقت نہیں۔ اب کسی لمحے بھی ہم موت سے دوچار ہو سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے......!"

"کرنل پرکاش محض یہ معلوم کرنے کے لئے یہاں لایا ہے کہ میں کون ہوں۔ میں نے
اس کا راز معلوم کر لیا ہے...... لہٰذا وہ مجھے کبھی زندہ نہ چھوڑے گا۔"

"خدانخواستہ...... ایسی بات منہ سے نہ نکالئے۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں شہناز...... یہاں سے بچ کر نکلنے کے لئے جلدی ہی کچھ نہ کچھ کرنا
چاہئے۔"

حمید اٹھ کر تہہ خانے کی دیواروں کا جائزہ لینے لگا۔ وہ بڑی محنت اور جانفشانی سے دیوار کا
ایک ایک حصہ ٹھونک بجا کر دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پسینے پسینے ہو گیا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

"معلوم ہوتا ہے شاید مرنے کا وقت سچ مچ قریب آ گیا ہے۔" حمید نے بے بسی
کہا۔

شہناز کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، وہ نڈھال ہو کر چٹائی پر لیٹ گئی۔

"کیوں...... کیا بات ہے۔" حمید نے کہا۔

"کچھ نہیں...... یونہی چکر سا آ گیا ہے۔"

"گھبراؤ نہیں...... ضرور کوئی نہ کوئی اچھی صورت پیدا ہوگی۔ میں اس پر یقین رکھتا ہو
بے گناہوں کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔" حمید نے کہا۔

شہناز نے کوئی جواب نہ دیا۔ حمید بیٹھا سوچتا رہا۔ دفعتاً اس کا خیال دیوار کے اس حص
طرف گیا جہاں دراڑ پیدا ہوئی تھی۔ وہ جھک کر دیکھنے لگا۔ وہیں قریب ہی فرش کی ایک ا
اکھڑی ہوئی تھی اور خالی جگہ اتنی بھری ہوئی تھی کہ سطح فرش کے برابر ہوگئی تھی۔ حمید نے پ
اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا لیکن پھر سوچنے لگا کہ یہاں اس تہہ خانے میں اتنا گر
کہاں سے آیا کہ خالی اینٹ کی جگہ خود بخود بھر گئی اور اگر اینٹ نکل جانے کے بعد اس م
اس لئے بھری گئی ہے کہ فرش برابر ہو جائے تو یہ بات بالکل بے تکی سی لگتی ہے۔ کیونکہ جہا
جگہ دوسری اینٹ جڑی جا سکتی تھی مٹی سے اسے بھرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

حمید نے ادھر اُدھر دیکھا۔ میز پر ایک چمچہ پڑا ہوا تھا۔ وہ اس سے مٹی کھودنے لگا۔
مٹی نکل جانے کے بعد اچانک چمچہ کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔ اس نے جلدی جلدی مٹی نکالنی
کی۔ یہ سخت چیز لوہے کا ایک لٹو تھا۔ اس نے اسے گھمانے کی کوشش کی، لیکن اس میں جنبش
نہ ہوئی۔ اس نے اب اسے دوسری طرف گھمانا شروع کیا۔ ذرا سی محنت کے بعد ہی لٹو گھو
اور جہاں پر دراڑ پیدا ہوئی تھی وہاں کی دیوار کا کچھ حصہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہا تھا۔

"شہناز یہ دیکھو......!" حمید خوشی میں چیخا۔

شہناز اور حمید کھڑے متحیر ہو کر دیکھ رہے تھے۔ سامنے کی دیوار میں ایک قد آدم
نمودار ہو گیا تھا۔ چند گز کے فاصلے پر اوپر جانے کے لئے زینے تھے۔

دوسرا بھیانک ناچ

ابھی دونوں کی حیرت رفع نہ ہوئی تھی کہ زینوں پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ کرنل
اش اور لیڈی سیتا رام نے زینے طے کرتے ہوئے نیچے کی طرف آ رہے تھے۔ حمید کو ایسا
لوم ہوا جیسے کسی نے اُسے پہاڑ پر سے زمین کی طرف لڑھکا دیا ہو۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا
کہ اب کیا کرے۔ کرنل پرکاش نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"بڑے چالاک ہو برخوردار......" اس نے جیب سے پستول نکالتے ہوئے کہا۔ "پیچھے
"

شہناز اور حمید سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔

"لوریکھا اچھے وقت پر پہنچ گئے ورنہ یہ ابھی چوٹ ہی دے گیا تھا۔" کرنل پرکاش نے
رے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"ڈارلنگ...... تم ہمیشہ ٹھیک وقت پر کام کی باتیں سوچتے ہو۔" لیڈی سیتا رام اس کے
انے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"تم لوگ وہاں کونے میں جا کر بیٹھو۔" کرنل پرکاش نے حمید اور شہناز سے کہا۔

"اگر ذرہ برابر بھی شرارت کی تو یاد رکھنا یہ پستول بڑا خونی ہے۔"

حمید اور شہناز کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔

"جانتی ہو ریکھا ڈارلنگ یہ کون ہے۔" پرکاش نے کہا۔

"نہیں......!"

"سرکاری سراغ رساں سارجنٹ حمید......!"

"ارے......!"

"ہاں...... یہ مجھے صبح کو معلوم ہوا۔ کہو بیٹا حمید صاحب اب تمہارا کیا حشر کیا جائے؟"

"کرنل پرکاش ...... کان کھول کر سن لو...... اگر میرا ایک بال بھی بیکا ہوا تو میرا تمہیں زندہ نہ چھوڑے گا۔ چاہے تم پاتال ہی میں جا کر کیوں چھپو۔" حمید نے کہا۔

"اچھا ریکھا...... ابھی میں ان دونوں کا خاتمہ کئے دیتا ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ افریقہ کیا رہی۔ اگر تم تیار ہو جاؤ تو میں اپنے دونوں ہار لئے بغیر ہی چلا جاؤں گا۔ تم سے زیادہ ہاروں کی قیمت نہیں ہے۔"

"مگر یہ ابھی کیسے ممکن ہے۔" لیڈی سیتارام نے کہا۔

"جو چیز تمہیں روک رہی ہے میں اسے بھی سمجھتا ہوں۔ تم اطمینان رکھو...... سریندر سے سمجھوتہ کرنا ہی پڑے گا۔"

"کیا مطلب......!" لیڈی سیتارام چونک کر بولی۔

"ارے تم اس کا مطلب نہیں سمجھیں۔ کیا وہ کل رات والا کاغذ یاد نہیں، جو میں سریندر کو دیا تھا۔ دیکھو...... میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارے اور سریندر کے ناجائز تعلقات ہیں۔ رام سنگھ کے ہاتھ تمہارا ایک خط لگ گیا تھا، جو تم نے سریندر کو لکھا تھا، وہ آئے دن لوگوں کو اسی خط کا حوالہ دیتے ہوئے دھمکا کر تم سے روپیہ اینٹھتا تھا آخر ایک دن تنگ آ کر تم نے اسے قتل کر دینے کا پلاٹ بنایا اور اسے قتل بھی کر دیا۔ کرنل پرکاش سے کوئی بات چھپی نہیں ہے۔"

لیڈی سیتارام کا چہرہ فق ہو گیا اور وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"لیکن میری ریکھا...... میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں تمہاری پچھلی سے کوئی سروکار نہ رکھوں گا۔ محبت اندھی ہوتی ہے۔ وہ اچھائی یا برائی کچھ نہیں دیکھتی۔"

"کرنل میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ اتنی برائیوں کے باوجود بھی مجھ میں نیکی جذبہ موجود ہے اور میں اسے صرف تمہارے ہی لئے وقف کر چکی ہوں۔ میں کیا بتاؤں

مجبوریوں کے تحت سریندر......!"

"سریندر کے ساتھ عیاشی کرتی تھی۔" دروازے کی طرف سے آواز آئی۔

سب کی نگاہیں اُدھر اٹھ گئیں۔ دروازے میں سریندر ہاتھ میں پستول لئے کھڑا تھا، جس کا رخ کرنل پرکاش کی طرف تھا

"تم دونوں یہ آرزو ہی لئے ہوئے دنیا سے چلے جاؤ گے۔" وہ گرج کر بولا۔

کرنل پرکاش نے اٹھنا چاہا...... سریندر نے بیٹھ کر لٹو گھما دیا۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔

"خبردار...... اپنی جگہ سے ہلنا مت......!" سریندر نے چیخ کر کہا۔

کرنل پرکاش نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

"پیچھے ہٹو...... پیچھے ہٹو...... نہیں تو گولی چلا دوں گا۔" سریندر چیخا۔

"چلا بھی دو میری جان۔" کرنل پرکاش رک کر بولا۔ "مجھے تم سے بھی اتنی ہی محبت ہے جتنی کہ ریکھا سے ہے۔"

"چپ رہو...... سؤر کے بچے۔" سریندر نے گرج کر کہا اور ٹریگر دبا دیا۔ مگر دھماکے کی آواز نہیں سنائی دی۔

کرنل پرکاش نے پھر قہقہہ لگایا۔ سریندر گھبرا کر پستول کی طرف دیکھنے لگا۔

"واہ برخوردار...... اسی کے بل بوتے پر بہادری دکھانے چلے تھے۔ سنو بیٹا...... میں ماتھے کی لکیروں میں دل کا حال پڑھ لیتا ہوں، میں نے اسی وقت تمہاری جیب میں پڑے ہوئے پستول کی گولیاں نکال لی تھیں جب تم اوپر مجھ سے بات کر رہے تھے۔ میں کل رات ہی سمجھ گیا تھا کہ تم کوئی چال ضرور چلو گے۔ تو گویا تم اس تہہ خانے کو ہم دونوں آدمیوں کا مقبرہ بنانا چاہتے تھے۔ خیر اب بھی یہاں تین ہی لاشیں ہوں گی۔"

کرنل پرکاش نے بڑھ کر سریندر کی گردن پکڑ لی۔ سریندر بچوں کی طرح چیخ رہا تھا۔ کرنل نے اسے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

"دیکھو سریندر میں اب تم سے سمجھوتہ ہی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم مجھے ریکھا کو نکال لے

جانے میں مدد دینے کا وعدہ کرو تو تمہیں چھوڑ دوں۔"
"مجھے منظور ہے۔" سریندر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
"یوں نہیں۔" کرنل ہنس کر بولا۔ "تم بہت بھیانک آدمی ہو۔ تمہیں اپنا فیصلہ تبدیل کرتے دیر نہیں لگتی۔ میں کوئی ایسی چیز چاہتا ہوں جس سے ہمیشہ تمہاری کور مجھ سے دبی رہے تاکہ تم بعد میں کوئی شرارت نہ کر سکو۔"
"آخر تم چاہتے کیا ہو......؟"
"تم مجھے یہ لکھ کر دے دو کہ تم رام سنگھ کے قاتل ہو۔ اس پر تمہارے اور ریکھا دونوں کے دستخط ہوں گے۔ تم گھبراؤ نہیں...... میں یہ صرف اپنے اطمینان کے لئے کر رہا ہوں۔"
سریندر کے سارے جسم سے پسینہ چھوٹ پڑا۔ کبھی وہ لیڈی سیتا رام کی طرف دیکھتا اور کبھی کرنل پرکاش کی طرف۔
"میں مسودہ تیار کئے دیتا ہوں۔ تم دونوں اپنے دستخط کر دو۔" کرنل پرکاش نے کہا۔
"میں کیوں دستخط کروں۔" ریکھا نے کہا۔
"ریکھا ڈارلنگ...... تم گھبرا کیوں گئی ہو۔ تمہارے دستخط سے یہ چیز اور مضبوط ہو جائے گی کیونکہ تم بطور گواہ اس پر دستخط کرو گی۔ تبھی ہم دونوں چین سے رہ سکیں گے، ورنہ حضرت۔"
کرنل پرکاش نے جلدی جلدی مسودہ تیار کیا اور دستخط کے لئے سریندر کی طرف بڑھا دیا۔ سریندر نے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے دستخط کر دیئے۔ لیڈی سیتا رام نے بھی اس کی تقلید کی، کرنل پرکاش نے کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔
"اب تم دونوں مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" اس نے حمید اور شہناز کی طرف دیکھ کر کہا پھر اچانک کرنل پرکاش نے جنگلیوں کی طرح اچھل اچھل کر ناچنا شروع کر دیا۔ ساتھ ساتھ وہ گاتا بھی جا رہا تھا لیکن مفہوم ان کی سمجھ سے باہر تھا۔ کیونکہ زبان غیر ملکی تھی۔ وہ وحشیوں سے بدتر ہوتا جا رہا تھا۔

"پرکاش ڈارلنگ...... پرکاش ڈارلنگ......!" لیڈی سیتا رام چیخی۔
کرنل پرکاش اسی طرح ناچتا ہوا بولا۔ "بولومت...... بولومت...... چیں خیں چیں گیرالا۔ میں خوشی کا ناچ ناچ رہا ہوں۔ افریقہ کے جنگلیوں کا ناچ...... گیرولا چپی پینی ٹمٹائیں گیرولا۔"
ناچتے ناچتے اس کا چشمہ اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ مونچھ اور ڈاڑھی اکھڑ کر فرش پر آ رہی اور حمید بے اختیار چیخ پڑا۔ "فریدی صاحب۔"
فریدی کھڑا قہقہے لگا رہا تھا۔ لیڈی سیتا رام چیخ مار کر بیہوش ہو گئی۔ سریندر بیٹھا اس طرح کانپ رہا تھا جیسے اُسے جاڑا دے کر بخار آ گیا ہو۔
فریدی نے جیب سے ہتھکڑیاں نکال کر حمید کو دیں۔ حمید نے جلدی جلدی دونوں کو ہتھکڑیاں پہنا دیں۔

خوشگوار لمحے

فریدی اور حمید اپنے ڈرائینگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔
"ابھی تک جگدیش نہیں آیا۔" فریدی نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"تو کیا واقعی اس کیس کی کامیابی کا ذمہ دار اسی کو بتائیں گے۔" حمید بولا۔
"میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں۔ اگر اس نے لیڈی سیتا رام کے بارے میں مجھے نہ بتایا ہوتا تو میں زندگی بھر کامیاب نہیں ہو سکتا تھا اور میں نے یہ ساری دردسری محض شہناز کے لئے مول لی تھی۔"
"تو کیا آپ واقعی شہناز......!" حمید بے اختیار بول پڑا۔ اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔
"تم اچھے خاصے اُلو ہو۔ شہناز کی تلاش مجھے محض تمہارے خیال سے تھی، تم اتنی جلدی

بدگمان کیوں ہوجاتے ہو۔"

"معاف کیجئے گا...... میں سمجھا شائد۔"

"جی نہیں...... آپ براہِ کرم مجھ سے پوچھے بغیر کچھ نہ سمجھا کیجئے۔ میں اور عور
لاحول ولاقوۃ۔"

"اچھا صاحب...... لاحول ولاقوۃ......!" حمید ہنس کر بولا۔

"آؤ شہناز آؤ......!" فریدی دروازے کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

شہناز مسکراتی ہوئی کمرے کے اندر داخل ہو رہی تھی۔

"بولو! حمید اب کیا کہتے ہو...... کہہ دوں شہناز سے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

حمید بوکھلا گیا۔

"کیا بات ہے۔" شہناز بیٹھتی ہوئی بولی۔

"کچھ نہیں...... کچھ نہیں۔" حمید جلدی سے بولا۔

"خیر کہو شہناز کوئی نئی بات۔" فریدی نے کہا۔

"کوئی نئی بات نہیں...... نئی باتیں تو میں آپ سے سننے آئی ہوں۔"

"ہاں اب سارے حالات بتا جائیے، مجھے بھی بہت بے چینی ہے۔" حمید نے کہا۔

"حالات کوئی خاص نہیں، سوائے اس کے کہ میں نے بڑی بے دردی سے تمہارا سر
دیا تھا۔"

"اس کی شکایت تو مجھے بھی ہے۔ اگر آپ ذرا سا اشارہ کردیتے تو میں خود ہی
ہوجاتا۔"

"ضرور ضرور...... آپ سے یہی امید ہوتی تو اتنی قلابازیاں کھانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اچھا یہ بتایئے کہ وہ کاغذ کیسا تھا، جو آپ نے سریندر کو دیا تھا اور ہار چرانے کی
ضرورت تھی۔"

"اتنا ہی سمجھنے لگو تو پھر سرجنٹ کیوں......" فریدی ہنس کر بولا۔ "اچھا شروع سے

ں۔ جگدیش سے لیڈی سیتا رام کے متعلق معلوم کرلینے کے بعد بھی میرا ارادہ خواہ مخواہ اس
ڑے میں پڑنے کا نہیں تھا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ شہناز غائب کردی گئی ہے تو میں نے
ی وقت پلاٹ تیار کرلیا، جب ہم لوگ ان کی تلاش میں سڑکیں ناپتے پھر رہے تھے۔ چھٹی
نے سچ مچ اس لئے لینی چاہی تھی کہ کتوں کی نمائش میں حصہ لوں۔ لہٰذا شہناز کے غائب
جانے کے بعد بھی میں اسی پر اڑا رہا کہ جاؤں گا۔ تم مجھے اسٹیشن چھوڑنے آئے تھے۔ مجھے
ین پر سوار کراکر تم واپس لوٹ گئے تھے۔ میں اگلے اسٹیشن پر اتر گیا۔ وہاں سے بھیس بدل کر
ر واپس آیا۔ مجھے سر سیتا رام سے جان پہچان پیدا کرنی تھی، اس لئے میں نے کرنل پرکاش کا
یس بدلا کیونکہ وہ بھی کتوں کا ایک مشہور شوقین تھا اور اپنے افریقی نسل کے بلو ڈنگو کی وجہ سے
ے اور بھی آسانی ہوگئی۔ میں نے آرلکچو کا وہی کمرہ کرایہ پر لیا جس میں رام سنگھ ٹھہرا ہوا تھا۔
ب دن اچانک جب کمرے کی صفائی ہو رہی تھی مجھے قالین کے نیچے ایک خط مل گیا۔ یہ خط
ڑی سیتا رام نے سریندر کو لکھا تھا۔ فوراً میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ شاید رام سنگھ دونوں کو
ا خط سے بلیک میل کر رہا تھا اور ان لوگوں نے تنگ آکر اُسے قتل کردیا۔ اب میں نے
اعدہ کام شروع کردیا۔ سب سے پہلے تو میں نے تمہیں نمائش گاہ سے خط بھجوانے کا انتظام کیا
ا کہ تمہیں بالکل یقین ہوجائے کہ میں وہیں گیا ہوں اس دوران میں۔ میں نے یہیں آرلکچو
ا لیڈی سیتا رام پر ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ وہ بہت جلد قابو میں آگئی۔ پھر میں سر سیتا رام
ے پارک میں ملا اور جب واپس لوٹ رہا تھا تو تم میرا تعاقب کر رہے تھے اب میں دیدہ
انستہ تمہیں تعاقب کا موقع دینے لگا۔ تمہاری موجودگی میں ہمیشہ میں کوئی نہ کوئی ایسی حرکت
ُر اور کر بیٹھتا جس سے تمہارا شبہ اور زیادہ پختہ ہوجائے۔ اس دن بالکنی میں بھی تم نے ہم دونوں
کی باتیں سنی تھیں اور اس کے بعد سریندر اور ریکھا کی باتیں بھی سنی تھیں۔ مجھے پہلے ہی یقین تھا
ر سیتا رام کی کوٹھی میں کوئی تہہ خانہ ضرور ہے اور شہناز صاحبہ اسی میں بند ہیں اور یہ تو میں
ی اندازہ لگا چکا تھا کہ بے چارہ سر سیتا رام ان واقعات سے بالکل لاعلم ہے لہٰذا میں نے
ا پوشیدہ مقام کا پتہ لگانے کے لئے ہار چرانے والا پلاٹ بنایا۔ یہ میں جانتا تھا کہ تم سایہ کی

طرح میرے پیچھے لگے رہتے ہو۔ لہٰذا تم آج بھی ہماری گفتگو سننے کی ضرور کوشش کرو گے اور ایسا ہی ہوا بھی۔ اگر تمہیں اس بات کا پہلے سے علم ہوتا تو واقعات میں اتنی بے ساختگی ہرگز پیدا ہوسکتی۔"

"وہ تو سب کچھ ہے لیکن مجھے چکر آنے لگے ہیں...... اس کا کیا علاج ہوگا۔" حمید نے کہا۔

"اوہ اس کا علاج تو......!" فریدی اتنا کہہ کر شہناز کی طرف دیکھنے لگا اور شہناز نے شرما کر سر جھکا لیا۔

"ہاں بھئی...... اب تم نے کیا سوچا ہے۔ کیا کالج کی ملازمت جاری رکھو گی۔" فریدی نے شہناز سے کہا۔

"اب جیسی آپ رائے دیں۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں جو مجھے کوئی معقول مشورہ دے سکے"

"میرے خیال سے اب ملازمت ترک کردو۔ اس واقعے کے بعد سے تمہاری بدنامی ہوچکی ہے۔ ہر چند کہ تم بے گناہ تھیں، لیکن اس قسم کی بدنامی کے اثرات مشکل سے مٹتے ہیں۔"

"تو پھر بتایئے میں کیا کروں۔"

"میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم اور حمید ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو۔ میری رائے تو...... کیوں حمید صاحب آپ کی کیا رائے ہے۔"

حمید شرمانے کی ایکٹنگ کرنے لگا اور شہناز جو سچ مچ شرما رہی تھی، ضبط کرنے کے باوجود بھی اپنی ہنسی نہ روک سکی۔

اتنے میں انسپکٹر جگدیش آ گیا۔ اس کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"آؤ بھئی جگدیش صاحب، خوب وقت پر آئے۔" فریدی نے کہا۔ "حمید ذرا چائے کے لئے کہہ دو۔"

"میں آپکا شکریہ کس منہ سے ادا کروں انسپکٹر صاحب...... کہ آپ نے میرا کیریئر بنا

"شکریہ تو مجھے تمہارا ادا کرنا چاہیئے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر تم میری مدد نہ کرتے تو بیچاری شہناز نہ جانے کہاں ہوتیں۔"

"میں نے تو صرف زبانی مدد کی تھی، لیکن آپ نے اتنی تکلیفوں کا سامنا کر کے میرے لئے ترقی کی راہ نکالی۔"

"اگر ایسا ہی ہے تو پھر شہناز کا شکریہ ادا کرو۔ نہ یہ اس طرح غائب ہوتیں اور نہ میں اس کیس میں ہاتھ ڈالتا۔"

"اچھا صاحب...... شہناز بہن کا بھی شکریہ۔" جگدیش نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

"اچھا جگدیش...... لیڈی اقبال کا ہار بھی لیتے جانا، یہ کارنامہ بھی تمہارا ہی رہیگا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" جگدیش نے حیرت سے کہا۔

فریدی نے اُسے ہار کی چوری کے سارے واقعات بتائے۔ جگدیش کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔

"لیکن میں لیڈی اقبال سے کہوں گا کیا۔"

"سیدھی سی بات ہے...... کہہ دینا کہ شاید بھاگتے وقت چور کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔" مجھے ایک نالی میں پڑا ملا۔

"آپ کے احسانات کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔" جگدیش نے کہا۔

"اچھا یہ تو بتاؤ کہ سنہا کا کیا حال ہے۔"

"منہ لٹکا رہتا ہے...... بات بات پر مجھ سے الجھ پڑتا ہے۔"

"خیر وہ تو ہونا ہی تھا......!" حمید نے کہا۔

چاروں چائے پینے لگے۔ کبھی کبھی حمید اور شہناز نظریں چرا کر ایک دوسرے کو دیکھ لیتے اور عجیب قسم کی شرمیلی مسکراہٹ دونوں کے ہونٹوں پر رقص کرنے لگتی۔

ختم شد

نمبر1

جاسوسی دنیا نمبر 4

تجوری کا راز

(مکمل ناول)

پیشرس

جاسوسی دنیا کا چوتھا ناول آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ اب یہ آپ کے لئے کوئی نئی چیز نہیں رہ گئی ہے۔ ہندو پاکستان کا تقریباً ہر اردو پڑھنے والا جاسوسی دنیا سے روشناس ہوچکا ہے اور ہر ایک کو اس کا اعتراف ہے کہ فی زمانہ دنیا کی کوئی زبان اتنا دلچسپ لٹریچر اتنی کم قیمت پر پیش نہیں کررہی ہے۔

آپ اس ناول کو پلاٹ اور تکنیک کے اعتبار سے سابقہ ناولوں سے کہیں زیادہ دلچسپ پائیں گے، محیر العقول واقعات دل دہلا دینے والے مناظر، جرأت و ہمت سے لبریز کارنامے، سرجنٹ حمید کی دلچسپ حرکتیں اور آپ کے ہردلعزیز انسپکٹر فریدی

کا عجیب وغریب رول، آپ کے پسندیدہ جاسوس آپ کو عجیب و غریب حرکتیں کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ میرا دعویٰ ہے کہ آپ ایک بار کتاب اٹھانے کے بعد اختتام پر پہنچے بغیر کتاب ہاتھ سے نہیں رکھ سکتے۔

اس ناول میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی خون نہیں ہوا پھر بھی ایسے واقعات سے لبریز ہے کہ دلچسپی بڑھتی ہی جاتی ہے۔

بہر حال ناول آپ کے سامنے ہے آپ خود فیصلہ کیجئے کہ میں اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔

ابن صفی

حیرت انگیز ڈاکہ

تقریباً رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ سارے شہر میں خاموشی طاری تھی۔ بازار میں اکادکا پان کی دوکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ شاید پان والوں کو ان گاہکوں کا انتظار تھا جو سیکنڈ شو دیکھ کر لوٹتے وقت پان خریدا کرتے ہیں۔ کبھی کبھار ایک آدھ ٹرک سناٹے کا سینہ چیرتا سنسان سڑکوں پر دوڑتا نظر آجاتا تھا۔ سردی اپنے پورے شباب پر تھی۔ سردی ہی کی وجہ سے شہر اتنی جلدی سناٹے سے ہم آغوش ہوگیا تھا ورنہ گرمیوں میں عموماً شاہراہوں پر تقریباً رات بھر آمدورفت رہتی مگر اس وقت یہ عالم تھا کہ شہر کے مشہور سیٹھ اگروال کی کوٹھی شہر کے سب سے بارونق روڈ پر واقع ہونے کے باوجود بھی پراسرار آدمیوں کو اپنے اندر داخل ہونے سے نہ روک سکی۔

یہ دونوں ایک چھوٹی سی خوبصورت کار میں بیٹھ کر آئے تھے جسے وہ سڑک کے دوسرے کنارے پر چھوڑ کر کوٹھی کی دیوار سے آلگے تھے۔ اس دیوار کے قریب بہت زیادہ اندھیرا تھا۔ ان دونوں نے چونکہ سیاہ رنگ کا لباس پہن رکھا تھا اس لئے وہ اس تاریکی میں اس طرح گم

ہو گئے تھے جیسے دودھ میں پانی۔ ان میں ایک زمین پر اکڑوں بیٹھ گیا اور دوسرا اس کے کاندھے
پر چڑھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد بیٹھا ہوا آدمی آہستہ آہستہ سے اٹھنے لگا۔ اوپر والے نے بارہ
تیرہ فٹ اونچے روشندان میں ہاتھ ڈال کر اسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ دوسرے لمحہ میں وہ
روشندان کے اوپر تھا۔ اس نے روشندان کا شیشہ اٹھا کر اندر جھانکا۔ کمرے میں نیلے رنگ کا
دھندلی روشنی والا بلب روشن تھا۔ شائد اس شخص کی قسمت یاور تھی کہ اسے ٹھیک روشندان کے
نیچے لگی ہوئی ایک اونچی میز مل گئی، وہ آہستگی سے اس کے اوپر اتر گیا۔

اب باہر ایک آدمی رہ گیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا صدر دروازے کے قریب
پہنچا۔ صدر دروازے پر ایک بلب روشن تھا یہاں اس کی روشنی میں اس کا چھپنا محال تھا۔ لہٰذا وہ
بیچ سڑک پر آ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے چسٹر کے کالر کانوں سے اونچے کر رکھے تھے اور فلٹ
ہیٹ چہرے پر اس طرح جھکی ہوئی تھی کہ اس کے خدوخال تاریکی میں چھپ کر رہ گئے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد دروازے میں ذرا سی درز ہوئی اور باہر کھڑا ہوا آدمی ادھر اُدھر دیکھ کر
تیزی سے چلتا ہوا صدر دروازے کے قریب آیا۔ صدر دروازہ کھلا اور وہ بھی دیکھتے ہی دیکھتے
کوٹھی کے اندر تھا۔

دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے تاریکی میں چھپتے چھپاتے آہستہ آہستہ آگے بڑھ
رہے تھے۔ چاروں طرف تاریکی پھیلی تھی۔ ایک جگہ انہیں اوپر کی منزل میں کسی کمرے کے
دروازے کے دھندلے شیشوں میں روشنی دکھائی دی۔ یہ اندازہ لگانے کے لئے کہ وہ اس وقت
کہاں ہیں انہوں نے ٹارچ روشن کی۔ یہ ایک بہت بڑا ہال تھا جس میں بے شمار صوفے پڑے
ہوئے تھے۔ دیواروں پر قد آدم تصویریں تھیں اور فرش پر قیمتی قالین، اوپر جانے کے لئے ایک
طرف سنگ مرمر کے زینے تھے، ہال میں سناٹا تھا۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ زینوں پر چڑھنے
لگے، انہوں نے اس کمرے میں جھانک کر دیکھا جس کے دروازوں کے شیشوں سے روشنی چھن
رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا ان میں سے ایک نے دروازے کو آہستہ سے کھولا۔ سیٹھ
اگروال دیوار کی طرف منہ کئے بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ یہ دونوں اتنی آہستگی سے کمرے میں داخل

ہوئے کہ سیٹھ اگروال کو خبر تک نہ ہوئی۔

''سیٹھ جی......!'' ایک نے آہستہ سے کہا۔

سیٹھ اگروال چونک کر مڑا...... اس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے ہی تھے کہ ایک
نے ریوالور نکال لیا۔

''منہ سے آواز نہ نکلے......!'' ریوالور والے نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

سیٹھ اگروال کے چہرے کا رنگ اڑ گیا لیکن وہ جی کڑا کر کے بولا۔

''تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔''

''ڈرو نہیں..... اگر خاموشی سے بیٹھے رہے تو ہم تمہیں قتل نہیں کرینگے۔'' دوسرے نے کہا۔

''تم لوگوں نے یہاں آ کر غلطی کی......!'' سیٹھ اگروال نے کہا۔ ''یہاں تمہیں کچھ زیادہ
نہ مل سکے گا میں سب کچھ بینک میں رکھتا ہوں۔''

دونوں ہنسنے لگے۔

''ہم لوگ معمولی چور یا ڈاکو نہیں......!'' دوسرا آدمی بولا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی کی
طرف مڑ کر کہا۔ ''تم یہیں ٹھہرو۔''

وہ ایک چھوٹے سے دروازہ کی طرف بڑھا۔

''ادھر کہاں جاتے ہو......'' اگروال نے کہا۔ ''وہ میرے سونے کا کمرہ ہے۔''

''اور وہیں تم نے اپنی تجوری رکھ چھوڑی ہے۔'' دوسرے نے کہا۔

''لیکن اس کی کنجی نیچے ہے۔'' اگروال بولا۔

''مجھے کنجی نہیں چاہئے......!'' دوسرے نے کہا اور دروازہ کھول کر کمرے میں چلا گیا۔

ایک آدمی ریوالور لئے ہوئے بدستور سیٹھ اگروال کے پاس کھڑا رہا۔

سیٹھ اگروال نے کئی بار اسے دھوکہ دے کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہر بار پستول کی نال
اس کی کنپٹی سے ٹکرائی۔

''دیکھو سیٹھ صاحب! اگر تم نے زیادہ گڑبڑ کی تو تمہیں یہیں ختم کر دیا جائے گا۔ تم یہ نہ

سمجھنا کہ یہ محض دھمکی ہے۔ یہ ریوالور بغیر آواز کا ہے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی، اور ہم تمہیں مار کر چلتے بنیں گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن تم لوگ خواہ مخواہ جھک مار رہے ہو!" سیٹھ اگروال نے کہا "تجوری میں دو تین ہزار سے زیادہ تمہیں نہ مل سکے گا۔"

"خیر...... یہ ہمارا اپنا سودا ہے، تمہیں اس سے کیا۔"

سیٹھ اگروال خاموش ہوگیا لیکن اس کی آنکھیں اپنے سونے کے کمرے کے درواز ی طرف لگی ہوئی تھیں۔ گھنٹہ گھر کی گھڑی نے بارہ بجائے، دوسرا آدمی ابھی تک اگروال کے کمرے ہی میں تھا۔ سڑک پر سیکنڈ شو دیکھ کر لوٹنے والوں کی آمد و رفت شروع تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسرا آدمی کمرے سے نکل آیا۔

"کہیے استاد کیا رہا۔" پہلا آدمی بولا۔

"ٹھیک ہے......!" دوسرے نے کہا۔ "لاؤ پستول اب مجھے دو اور تم سیٹھ جی کو کرسی باندھ دو اور انکے منہ میں کپڑا ٹھونس دو۔ تا کہ یہ ہمارے جاتے ہی شور نہ مچانا شروع کردیں

پہلے آدمی نے دوسرے کے ہاتھ میں پستول دے دیا اور خود ریشم کی پتلی ڈور سے اگروال کو کرسی میں جکڑنے لگا۔

"میرے منہ میں کپڑا مت ٹھونسو میں وعدہ کرتا ہوں کہ نہیں چیخوں گا۔" سیٹھ اگ نے کہا۔

"سیٹھ جی...... اگر تم اتنے ہی ایماندار ہوتے تو ہمیں تکلیف کرنے کی ضرورت ہوتی۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

پہلے آدمی نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔

دونوں ابھی ہال میں پہنچے ہی تھے کہ بچاؤ بچاؤ، دوڑو دوڑو کی آوازیں آنی ہوگئیں۔ شاید اگروال نے کسی طرح سے اپنے منہ سے کپڑا نکال لیا تھا اور اب وہ بے تحا رہا تھا۔ دفعتاً اندھیرے میں دو تین آدمی دوڑتے ہوئے معلوم ہوئے۔

"شاید سیٹھ جی کے کمرے سے آواز آرہی ہے۔" ایک آواز سنائی دی۔

"ہاں چلو اوپر چلیں......!" دوسری آواز آئی اور زینہ پر قدموں کی آہٹ معلوم ہونے لگیں۔

"استاد اب کیا کیا جائے۔" ایک نے کہا۔

"چلو جلدی کرو...... صدر دروازہ کی طرف۔"

"مگر شاید باہر بھی آدمی جمع ہوگئے ہیں۔"

"ڈرو نہیں...... آگے بڑھو...... میں سب ٹھیک کرلوں گا۔"

دونوں تیزی سے صدر دروازہ پر پہنچے جو اندر سے بند تھا۔ باہر بھی شور سنائی دے رہا تھا۔

"شاید لوگ دروازہ کھلنے کا انتظار کر رہے ہیں۔"

استاد نے دروازہ پر پہنچ کر چیخنا شروع کردیا۔

"ہائے مار ڈالا...... مار ڈالا...... مار ڈالا...... بچاؤ...... بچاؤ......!"

لوگ باہر سے دروازہ پیٹنے لگے۔

استاد نے چیختے ہوئے دروازہ کھول دیا اب پہلے آدمی نے بھی اپنے استاد کی تقلید شروع کردی تھی اور وہ بھی چیخ رہا تھا۔

لوگ "کیا ہے...... کیا ہے" کہتے ہوئے اندر گھسنے لگے اور یہ دونوں بچاؤ بچاؤ چیختے ہوئے باہر نکل گئے۔

سڑک کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر دونوں کار میں بیٹھ گئے۔

"ارے وہ کار میں بیٹھ گئے...... پکڑو...... پکڑو...... وہی تو ہیں......!" سیٹھ اگروال اوپر کی کھڑکی سے سر نکالے چیخ رہا تھا۔

جیسے ہی لوگ کار کی طرف جھپٹے استاد نے نوٹوں کا بنڈل کھول کر مجمع پر پھینک دیا۔ فضا میں سینکڑوں نوٹ اڑ رہے تھے۔ مجمع بے تحاشہ نوٹوں کی طرف جھک پڑا اور کار جواب اسٹارٹ ہو چکی تھی یہ جا وہ جا۔ نظروں سے غائب ہوگئی۔

نئی الجھنیں

دوسرے دن صبح جب سارجنٹ حمید اور انسپکٹر فریدی سیر کے لئے جانے کی تیاری کر
تھے نوکر نے سب انسپکٹر جگدیش کا ملاقاتی کارڈ لا کر دیا۔

"مجھے افسوس ہے انسپکٹر صاحب کہ میں ناوقت مخل ہوا۔" جگدیش نے اندر داخل ہو کر

"آؤ...... آؤ بھی کوئی بات نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"خیریت تو ہے آپ کچھ بدحواس سے نظر آرہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"خیریت کہاں حمید بھائی......!" جگدیش نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "انسپکٹر صاحب کی
سے میرے افسر مجھے بہت زیادہ سمجھنے لگے ہیں اور یہ چیز میرے لئے وبال جان بن گئی

فریدی ہنسنے لگا۔

"آخر کہو تو کیا بات ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا عرض کروں...... رات ایک عجیب و غریب واردات ہوگئی۔ جس کی تفتیش
ذمہ ڈالی گئی ہے اور میں جو کچھ ہوں میں ہی بہتر جانتا ہوں۔ ابھی مجھ میں اتنی صلاحیت
ہے کہ کسی معمولی چوری کا سراغ لگا سکوں۔"

"خیر...... چلو آگے کہو۔"

"کل رات سیٹھ اگروال کے یہاں دو آدمی گھس آئے اُن میں سے ایک سیٹھ
کے سر پر پستول تانے کھڑا رہا اور دوسرا ان کے سونے کے کمرے میں گھس گیا جہاں تج
ہوئی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے واپس آ گیا۔ دونوں نے اگروال کو کرسی میں
کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ وہ دونوں کمرے سے نکل کر تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ
نے منہ سے کسی طرح کپڑا نکال لیا اور چیخنے لگا۔ اس وقت ساڑھے بارہ بجے ہوں
ختم ہوئے تھے اس لئے سڑک پر بھی کافی آمد و رفت ہوگئی تھی۔ اگروال کے چیخنے پر
تو ان کے گھر والے بیدار ہوگئے اور دوسری طرف سڑک پر ان کے صدر دروازے پ
لگ گئی۔ دونوں آدمیوں نے جب یہ دیکھا تو وہ بھی چور، چور چلاتے ہوئے دروازے کی طرف
بھاگے۔ اسی حالت میں انہوں نے صدر دروازہ کھولا اور باہر نکل گئے۔ باہر نکلتے وقت انہوں
نے چیخنا شروع کردیا۔ ارے مار ڈالا، ارے مار ڈالا...... لوگ سمجھے کہ شائد وہ بھی اسی کوٹھی کے
رہنے والے ہیں لیکن اگروال کے چلانے پر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور وہ بدمعاشوں کی
موٹر کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ان دونوں نے دو تین ہزار روپوں کے نوٹ مجمع کی طرف پھینک
دیئے۔ لوگ نوٹوں کی طرف پلٹے اور وہ دونوں کار اسٹارٹ کر کے چلتے بنے۔"

"بھئی بہت خوب......!" فریدی بے تحاشہ ہنستے ہوئے بولا۔ "وہ چاہے جو کچھ بھی رہے
ہوں لیکن میں ان کی ذہانت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا بھئی کمال کردیا۔"

"یہی نہیں اور سنئے......!" جگدیش نے کہا۔ "ادھر وہ لوگ فرار ہوئے اور ادھر کسی نے
پیچھے سے اگروال پر پستول سے حملہ کردیا۔ فائر گھر کے اندر سے ہوا تھا، گولی داہنے بازو کو چھید
گئی۔ خیریت یہ ہوئی کہ ہڈی پر کوئی ضرب نہیں آئی وہ اس وقت ہسپتال میں ہیں۔"

"تو یہ فائر ان دونوں کے فرار ہوجانے کے بعد ہوا تھا۔"

"جی ہاں......!"

"اچھا تجوری تو بالکل صاف ہوگئی ہوگی سیٹھ صاحب کی۔"

"یہی تو تعجب کی بات ہے کہ ان لوگوں نے تجوری میں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔"

"کیا مطلب......؟"

"سیٹھ اگروال کا بیان ہے کہ تجوری کی ساری چیزیں جوں کی توں موجود ہیں اور کمرے
سے کوئی اور چیز بھی چوری نہیں ہوئی۔"

"تب تو یہ کیس واقعی دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔"

"بہت دلچسپ......!" جگدیش نے کہا۔

"خیر بھئی اب تو چائے کا وقت بھی ہوگیا۔" فریدی نے کہا۔ "حمید چائے منگواؤ...... تو
پھر تم نے کیا کیا۔" فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

"کرتا ہی کیا...... مجھے آتا ہی کیا ہے۔ خواہ مخواہ لوگوں پر رعب ڈالنے کے لئے اُن
شیشہ سے مجرم کی انگلیوں کے نشانات تلاش کرتا رہا۔ دو چار الٹے سیدھے سوالات سیٹھ صاحب
کے گھر والوں سے کئے۔ خود سیٹھ کا بیان لیا اور بس۔"

"خیر کوئی پریشانی کی بات نہیں...... کام کرنے ہی سے آتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"وہ تو میں بھی سمجھتا ہوں...... مگر......!"

"اوہ...... مگر کیا...... سب ٹھیک ہوجائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "لو چائے پیو...... شاید
رات بھر جاگے ہو۔ ناشتہ کر کے یہیں سو رہو اور اب تو تم اپنے حلقہ کے آفیسر انچارج ہو تم
اتنی محنت نہ کرنی چاہئے۔ اتنی جلدی ڈی۔ ایس۔ پی یا ایس۔ پی بننے کے خواب نہ دیکھو۔"

"اگر آپ اسی طرح مجھ پر مہربان رہے تو اس دن کو بھی دور نہیں سمجھتا۔" جگدیش نے

"جگدیش صاحب...... آپ خواہ مخواہ غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں۔" حمید نے کہا۔
شخص خود آج تک چیف انسپکٹر نہ ہو سکا وہ کیا کسی کو ترقی دلا سکے گا۔"

"شاید تم اس لئے کہہ رہے ہو کہ آج تک سارجنٹ ہی رہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں آپ کے اس خیال کی تردید نہیں کرسکتا......!" حمید نے جواب دیا۔

"حمید تم آج انسپکٹر ہو سکتے ہو لیکن یہ سمجھ لو کہ پھر ہم تم ایک جگہ نہ رہ سکیں گے۔" فریدی
نے کہا۔ "اچھا یہ بتاؤ تمہیں انسپکٹری عزیز ہے یا فریدی۔"

"اب میں کیا عرض کروں...... خود ہی سمجھ لیجئے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں حد درجہ
چاپلوس واقع ہوا ہوں۔"

فریدی اور جگدیش ہنسنے لگے۔

"اچھا تو پھر انسپکٹر بنوا ہی دیا جائے۔"

"نہیں معاف رکھئے۔ رات میں جو تین چار گھنٹے سو لیتا ہوں اس سے بھی جاؤں
خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے۔"

یہاں آتے وقت جگدیش راستہ بھر یہ سوچتا آیا تھا کہ فریدی ایسا عجیب و غریب کیس

کر اچھل پڑے گا۔ واردات کے متعلق سوالات کی بوچھاڑ کردے گا کچھ دیر تک ناک بھوں پر
زور دے گا اور پھر اٹھ کر ٹہلنے لگے گا۔ لیکن ان سب باتوں کے خلاف اس وقت فریدی کا رویہ دیکھ کر
اسے سخت حیرت ہوئی۔ اصل موضوع کو چھوڑ کر وہ نہ جانے کہاں کے بکھیڑے نکال بیٹھا تھا اور
اب حمید اور فریدی میں بالکل نجی قسم کی باتیں چھڑ گئی تھیں۔ فریدی اسے چڑا رہا تھا اور وہ
جھلا جھلا کر جواب دے رہا تھا۔ جگدیش نے پھر اصل موضوع کی طرف آنے کی کوشش کی۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔" جگدیش نے چائے کی پیالی رکھتے ہوئے کہا۔
"آخر مجرم آئے کس نیت سے تھے۔ کیا انہوں نے محض اس لئے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا کہ
مکان میں صرف ٹہل کر واپس چلے جائیں۔"

"اتنی معمولی سی بات بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آئی۔" حمید نے کہا۔ "مقصد اصل میں
سیٹھ اگروال کو قتل کرنا تھا، مجرم یقیناً دو سے زیادہ رہے ہوں گے۔ دو نے بھاگ دوڑ کر لوگوں کو
اپنی طرف متوجہ کیا اور تیسرے نے سیٹھ پر گولی چلائی اور اسی ہنگامہ میں وہ بھی نکل بھاگا۔"
فریدی مسکرانے لگا۔

"کیا بچپنے کی باتیں کر رہے ہو۔" فریدی نے سگار کا کش لے کر کہا۔ "اگر قتل ہی کرنا تھا
تو اتنا شور مچانے کی کیا ضرورت تھی ان دونوں نے جس طرح خاموشی سے سیٹھ اگروال کو کرسی
میں باندھ کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تھا اسی طرح اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار بھی سکتے
تھے۔ وہ لوگ جو اتنی ذہانت کا ثبوت دے کر نکل بھاگے ہوں اتنے لغو پلاٹ نہیں بنا سکتے۔"

"یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" جگدیش جلدی سے بولا۔

"اصل میں جو چیز زیادہ حیرت انگیز ہے وہ یہ کہ اتنے چالاک آدمیوں نے سیٹھ کو اتنی
بد احتیاطی کے ساتھ کیوں بے بس کیا کہ وہ ان کے پیٹھ پھیرتے ہی آزاد ہو کر چیخنے لگا۔ جو لوگ
اتنے ذہین ہوں کہ تعاقب کرنے والوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے ان پر نوٹ برسا دیں ایسی
حماقت نہیں کر سکتے۔"

"واقعی یہ بات بھی سوچنے والی ہے۔" جگدیش نے کہا۔

''یہاں کون سی ایسی بات ہے جو سوچنے والی نہیں ہے۔'' حمید بولا۔

''ہاں یہ تو بتاؤ'' فریدی نے جگدیش سے کہا۔ ''مجرموں نے جو نوٹ پھینکے تھے ان سے کوئی نوٹ تمہیں بھی دستیاب ہوا۔''

''جی ہاں...... ایک سو روپے کا نوٹ ہے!'' جگدیش نے جیب سے ایک تہہ کیا ہوا نوٹ نکالتے ہوئے کہا۔ ''یہ نوٹ ایک پان والے کو ملا تھا جس کی دوکان سیٹھ اگروال کی کوٹھی کے قریب ہی ہے۔''

فریدی نوٹ لے کر دیکھتا رہا۔

''اس پر امپیریل بینک کی مہر پڑی ہوئی ہے۔'' فریدی بولا۔

''میرا ارادہ ہو رہا ہے کہ اس نوٹ کو لے کر امپیریل بینک جاؤں۔'' جگدیش نے کہا۔

''بہت ممکن ہے کہ یہ اب سے ایک سال قبل وہاں سے ایشو کیا گیا ہو۔ اس طرح چلنا محال ہے۔''

''پھر آخر بتایئے کہ میں کیا کروں۔'' جگدیش نے کہا۔

''دھیرج دھیرج......!'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''آخر اتنی جلدی کیوں ہے۔ اس معمولی قسم کی وارداتوں میں مہینوں خاک چھاننی پڑتی ہے۔''

''تم ایک ہی دن میں تاج محل کیوں تعمیر کر ڈالنا چاہتے ہو۔''

''اچھا تو صاحب...... اب میں جا کر سوتا ہوں۔ یہ کیس میرے بس کا روگ نہیں ا... یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اپنی نااہلی کا ثبوت دوں، اگر آپ نے مجھے حلقہ کا آفیسر انچارج بنا کر جنجال میں پھنسوایا ہے تو آپ ہی اسے بھی سنبھالئے۔''

''بھئی میں تمہاری مدد کے لئے ہر وقت تیار ہوں......!'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن کیا صورت ہوگی۔ رام سنگھ والے کیس کی اور بات تھی معاملہ کسی نہ کسی طرح نبھ گیا... دشواریاں پیش آسکتی ہیں اور پھر اگر کسی طرح بھانڈا پھوٹ گیا تو تمہاری بڑی بھد ہوگی۔ میں تمہیں ہر قسم کے مشورے دینے کے لئے تیار ہوں۔''

''خیر کچھ سہی...... آپ کی مدد کے بغیر یہ گاڑی چلتی نظر نہیں آتی۔''

''میں پہلے ہی کہہ چکا کہ تمہاری مدد ضرور کروں گا۔ مگر اس سلسلہ میں کوئی ایسا اقدام نہیں کر سکتا جس سے تمہاری اس شہرت کو دھکا لگے جو تم نے رام سنگھ والے کیس میں حاصل کی ہے۔''

''اچھا تو پھر اب میں چلوں۔'' جگدیش نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ذرا اس نوٹ کا نمبر تو مجھے لکھوا دو'' فریدی نے الماری پر سے نوٹ بک اٹھاتے ہوئے کہا۔ جگدیش نے نوٹ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ نمبر لکھ کر فریدی نے وہ نوٹ اسے پھر کہتے ہوئے واپس کر دیا کہ تم بینک مت جانا، ورنہ خواہ مخواہ اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے کام خراب کر دو گے۔ جگدیش کے چلے جانے کے بعد وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

''کہئے کیا خیال ہے۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

فریدی بھی بے اختیار مسکرا پڑا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر گولی کس نے چلائی۔'' فریدی نے کہا۔

''یہی تو سوچنے کی بات ہے۔'' حمید بولا۔ ''لیکن آخر یہ آپ کو سوجھی کیا تھی۔''

''ہر بات اگر تمہاری سمجھ میں آنے لگے تو بات ہی کیا رہ گئی۔'' فریدی نے کہا۔

''آپ نے یہ بھی نہ سوچا کہ اگر پکڑ لئے گئے تو کیا حشر ہوگا۔''

''برخوردار دو ہزار روپے کا خون اس لئے نہیں کیا تھا کہ پکڑ لئے جائیں۔''

''مگر عین وقت پر آپ کو سوجھی خوب...... میرے تو ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔''

''عین وقت پر نہیں سوجھی...... میں اس کے لئے پہلے ہی سے تیار ہو کر گیا تھا۔ ورنہ یونہی خواہ مخواہ دو ہزار کے بنڈل جیب میں لئے پھرنے کی کیا تک ہے۔''

''بہر حال خدا کا شکر ہے کہ بخیر و خوبی نکل آئے۔'' حمید نے کہا۔

''اور یہ سارا ہلڑ محض تمہاری وجہ سے ہوا، میں نے تو تم سے اسے باندھنے کیلئے کہہ کر سخت غلطی کی تھی، یہ کام مجھے ہی کرنا چاہئے تھا۔ ورنہ وہ کیا اس کا باپ بھی آواز نہیں نکال سکتا تھا۔''

''اس کا باپ تو واقعی آواز نہ نکالتا۔ لیکن خدارا یہ بتایئے کہ آخر آپ نے یہ سب کس

لئے کیا تھا۔"

"ابھی نہیں...... جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اگروال پر گولی کس نے چلائی تھی، ہ
کچھ نہ بتاؤں گا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس وقت تک اختلاج میں مبتلا رہوں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں، تم اس دوران میں خمیرہ مروارید اور عرق مشک استعمال کر سکتے ہو۔" فریدی ہن
کر بولا۔

"اچھا یہی بتا دیجئے کہ آپ نے اس تجوری سے کیا چیز نکالی تھی جسکا اسے بھی علم نہیں۔"

"کمال کیا تم نے، اسے علم کیوں نہیں...... وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ لیکن بتانے کی ہمّ
نہیں کر سکتا۔"

"چلئے اب تو آپ نے اور بھی الجھا دیا۔" حمید نے کہا۔ "آخر آپ مجھ سے یہ راز کیا
چھپا رہے ہیں جبکہ میں آپ کا شریک کار بھی ہوں۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ اگر میں تمہیں بتا دوں تو اس معاملہ میں تمہاری ساری دلچسپی
ہو جائے گی اور تم اچھی طرح کام نہ کر سکو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی دلچسپی ختم نہ ہونے دوں گا۔" حمید نے کہا۔

"دلچسپی لینا یا نہ لینا اپنے بس کی بات نہیں۔ جتنی زیادہ جو چیز ہماری نظروں سے پوشیدہ
رہتی ہے اتنا ہی ہم اسے بے نقاب کرنے کے خواہش مند رہتے ہیں اور اس کے ظاہر ہو جا
کے بعد خود بخود ہماری دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔"

"بہر حال تو آپ نہیں بتائیں گے۔" حمید نے بے دلی سے کہا۔

"ارادہ تو یہی ہے اور ساتھ ہی یہ امید بھی ہے کہ تم بُرا نہ مانو گے۔"

"اس پر غور کروں گا کہ برا مانوں یا نہ مانوں......!" حمید نے کہا۔ "اچھا یہی بتا دیجئے
آخر آپ نے جگدیش سے نوٹ کا نمبر کیوں لیا ہے۔"

"ہاں یہ بتا سکتا ہوں، مجھ سے ایک بڑی حماقت ہوئی۔ وہ یہ کہ میں نے ان بنڈلوں

سو روپے کے نوٹ بھی رہنے دیئے تھے حالانکہ مجھے یہ نہ کرنا چاہئے تھا۔ بینک سے سو
پے کے نوٹ نمبر لکھے بغیر ایشو نہیں کیے جاتے۔ اگر جگدیش نے اس کے متعلق چھان بین
ع کر دی ہوتی تو بڑی مشکل آ پڑتی۔ میں نے پرسوں ہی بینک سے یہ روپے منگوائے تھے۔
امید ہے کہ میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے وہ خود بینک نہ جائے گا۔"

"اگر یہی بات تھی تو پھر آپ نے وہ نوٹ اسے واپس کیوں کر دیا۔"

"گھبراؤ نہیں...... وہ پھر میرے پاس واپس آ جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

"وہ کیسے......؟"

"نہایت آسانی سے...... میں نے جو پروگرام اس وقت بنایا ہے اس پر عمل کئے بغیر کام
چلے گا لیکن اس کے لئے خصوصاً تمہیں ہمت سے کام لینا پڑے گا۔"

"آپ پھر گول مول باتیں کرنے لگے۔"

"اچھا تو خیر سنو...... اب ہمیں متواتر کئی دنوں تک مختلف مقامات پر اپنی رات والی
ت دہرانی پڑے گی۔"

"ارے واہ...... ارے واہ...... واہ......!"

"بس نکل گئی جان......!" فریدی نے کہا۔ "اس کا ذمہ میں لیتا ہوں کہ تم پکڑے نہ
لو گے۔"

"میں کہتا ہوں آخر آپ کو ہو کیا گیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"بھئی تمہیں اس سے کیا بحث...... اگر میرا ساتھ دے سکتے ہو تو خیر، میں زبردستی مجبور نہ
وں گا۔"

"میری جان عجیب مصیبت میں پڑ گئی۔" حمید بولا۔

"نہیں اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ اگر تم انکار کرنا چاہو تو بخوشی کر سکتے ہو۔ مجھے
کا کوئی ملال نہ ہوگا۔"

"خیر جہاں آپ وہاں میں...... لیکن اتنا تو بتا دیجئے کہ آپ کے بیان کے مطابق جب

کل رات آپ کو کامیابی ہوگئی تو پھر اب ادھر اُدھر ہڑ بونگ مچانے سے آپ کا کیا مقصد ہے"

"اب تم نے کی ہے قاعدے کی بات...... اچھا سنو...... اب یہ چیز ضروری ہوگئی ہے کہ کسی نہ کسی طرح وہ نوٹ جگدیش کے قبضہ سے نکالنا ہی ہے ورنہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم لوگ کسی مشکل میں پھنس جائیں۔"

"لیکن اس طرح وہ نوٹ ہمیں کیسے مل سکے گا۔"

"جب ہم لوگ اسی طرح کی دو تین عجیب وغریب وارداتیں اور کر گذریں گے تو یہ کیس خواہ مخواہ سول پولیس کے ہاتھ سے نکل کر ہم تک آئے گا۔ کیا یہ عجیب بات نہ ہوگی کہ دو ڈاکو مقصد لوگوں کے گھروں میں گھس گھس کر تجوریوں کا جائزہ لیتے پھرتے ہیں۔"

"سوچا تو آپ نے خوب ہے۔ لیکن......!"

"دیکھو میاں صاف بات...... لیکن ویکن کا میں قائل نہیں۔ جو کچھ میں کرنے جا رہا ہوں اسکے متعلق میں نے پہلے ہی سے بہت کچھ سوچ رکھا ہے اور اب تو صرف ہمت کی بات ہے۔

"خیر صاحب! جیسا بھی کچھ ہوگا دیکھا جائے گا لیکن اتنا تو آپ بھی سمجھتے ہوں گے شور وغل ہو جانے کے بعد بھاگ نکلنے والی ترکیب تو اب کام نہ دے گی کیونکہ اس وقت تک اس کی شہرت سارے شہر میں ہوگئی ہوگی۔ اس لئے اب لوگوں کو چکر نہ دیا جاسکے گا۔"

"یہ ضروری نہیں کہ میں وہی پرانی لکیر پیٹتا رہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اول تو اب ہونے کے امکانات ہی نہ ہونے دوں گا اور اگر اتفاق سے ایسا ہو بھی گیا تو اسی وقت کوئی تدبیر کرلی جائے گی اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ میرا ذہن ہمیشہ خطرات میں پڑنے کے بعد تیزی سے کام شروع کردیتا ہے۔"

"بھلا اس حقیقت سے کس کافر کو انکار ہوسکتا ہے۔ لیکن......!"

"پھر وہی لیکن......!" فریدی نے جھلا کر کہا۔ "آخر تمہیں لیکن کا خبط کیوں ہوگیا۔ میں تو بار بار تم سے کہہ رہا ہوں کہ اگر تمہاری ہمت نہ پڑتی ہو تو صاف انکار کردو۔ میں اکیلا یہ کام کرلوں گا۔"

"آپ پھر غلط سمجھے ہیں۔ میں بہر حال آپ کے ساتھ ہوں گا چاہے آپ وہ کام غلط رہے ہوں یا صحیح۔ کہنا تو صرف اتنا ہے کہ جب قانون کے محافظ ہی قانون شکنی پر آمادہ جائیں تو پھر اوروں کا اللہ ہی مالک ہے۔"

اس بات کو میں شائد تم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "لیکن ب تم پر اس کام کی اہمیت ظاہر ہوگی تو تم بھی قانون کے خلاف جرم کی مدد کرنے پر آمادہ جاؤ گے۔ لیکن میں ابھی تمہیں اس راز سے آگاہ نہیں کرسکتا۔"

شہر میں ہلچل

تین دن سے شہر کی پولیس بُری طرح پریشان تھی۔ سیٹھ اگروال کے واقعہ کے بعد سے تک اسی طرح کی دو اور وارداتیں ہو چکی تھیں، شہر کے مشہور دولت مندوں کی تجوریاں کھولی ئیں لیکن کوئی چیز غائب نہ ہوا اور تجوریوں کو کھولنے والے صاف بچ کر نکل جائیں۔ اور یہ بھی ب بات تھی کہ یہ ساری کی ساری وارداتیں جگدیش کے ہی حلقہ میں ہو رہی تھیں۔ جگدیش کئی فریدی سے مل کر اس سے مدد کا خواہاں ہوا۔ مگر ہر بار اس نے دم دلاسہ دے کر رخصت دیا۔ آج بھی وہ دیر سے بیٹھا فریدی کا دماغ چاٹ رہا تھا۔

اب آپ ہی بتائیے کہ میں کیا کروں۔ بڑی بدنامی ہو رہی ہے میری۔" جگدیش نے کہا۔

"اچھا بھئی تم پریشان کیوں ہوتے ہو۔ آج میرا ارادہ ہے کہ رات میں تمہارے حلقہ کا شت کروں، مگر یہ بات کسی سے کہنا نہیں۔"

"ارے نہیں صاحب! کبھی زبان پر بھی نہ لاؤں گا۔ آپ کچھ کیجئے تو......!" جگدیش نے ا "تو کیا آپ ہم لوگوں کے ساتھ گشت کیجئے گا۔"

"تم لوگوں کے ساتھ گشت کرنے سے کیا فائدہ...... تم لوگوں کا طریقہ اگر کارآمد ہوتا تو

استنے دنوں تک خاک کیوں چھاننی پڑتی۔ میں تنہا گشت کروں گا۔ میں نے ان بھاگنے والو
نقشہ اپنے ذہن میں مرتب کرلیا ہے۔"

"تو اچھی بات ہے۔ میں اب مطمئن ہوگیا ہوں...... ممکن ہے رات میں کہیں آپ
ملاقات ہوجائے کیونکہ آج کل میں بھی رات بھر مارا مارا پھرتا ہوں۔" جگدیش نے کہا۔

"بات ہی ایسی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور یہ عجیب بات ہے کہ یہ ساری وارد
تمہارے ہی حلقہ میں ہورہی ہیں۔"

"یہی تو بڑی حیرت کی بات ہے۔" جگدیش نے کہا۔ "نہ جانے ان دونوں کو مجھ
کیوں اتنی پرخاش ہوگئی ہے۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ کہیں یہ ہمارے ہی محکمہ کے کسی آ
شرارت نہ ہو۔ کیونکہ میرا اتنا جلد ترقی کرجانا ہر ایک کو کھٹک رہا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ
میں سے کوئی میری بدنامی کے لئے کوشاں ہو۔"

"تم نے بات تو بہت معقول سوچی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بہت ممکن ہے کہ ا
ہو، میں بھی اس چیز کو عرصہ سے محسوس کررہا ہوں کہ تمہارے بعض ساتھی تم سے بُری طر
لگے ہیں۔"

"جی ہاں یہی تو بات ہے اور یہی وجہ ہے کہ انکا ہاتھ لگنا کچھ دشوار سا معلوم ہورہا

"فکر مت کرو...... ! ہاتھ تو وہ اس طرح لگیں گے کہ بس دیکھتے ہی رہ جاؤ گے مگ
بار پھر کہے دیتا ہوں کہ رازداری شرط ہے۔"

"ارے آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ میں کوئی بچہ تو ہوں نہیں کہ معاملات کو نہیں
آپ مطمئن رہیئے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے گی، اچھا تو اب میں اجازت چاہوں

جگدیش کے چلے جانے کے بعد فریدی بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"خوب بیوقوف بنارہے ہیں آپ بیچارے کو......!" حمید نے کہا۔

"بیوقوف نہیں بنا رہا ہوں بلکہ میں اُس کے لئے ترقی کے دروازے کھولنے کی
کررہا ہوں۔"

"آپ کی باتیں آپ جانیں...... یا جانے خدا...... میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔"

"اپنی بساط کے مطابق کافی سمجھ لیتے ہو لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میرے بعد تم ہی
میری جگہ لوگے۔"

"اچھا تو اب مجھے بھی گھسنا شروع کردیا۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو۔" فریدی نے کہا۔ "یہ بتاؤ آج کہاں ہاتھ مارا جائے گا۔"

"للہ اب پیچھا بھی چھوڑیئے۔"

"پیچھا تو اس وقت تک نہیں چھوٹ سکتا جب تک کہ یہ کیس میرے ہاتھ میں نہ آجائے۔"

"اس بار شاید ان گدھوں نے بھی قسم کھا رکھی ہے کہ معاملہ ہم تک نہ پہنچنے دیں گے۔"
حمید نے کہا۔

"کب تک...... کسی دن کوئی ایسی حرکت کر بیٹھوں گا کہ معاملہ خود بخود ڈھلتا ہوا ہم تک چلا
آئے گا۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"تو کیا کوئی نیا گل کھلانے کا ارادہ ہے۔"

"یقیناً...... اگر دو دن کے اندر اندر یہ کیس میرے سپرد نہیں ہوتا تو مجبوراً مجھے کلکٹر
صاحب کے بنگلہ میں بھی گھسنا پڑے گا۔"

"اس دن مجھے معاف ہی رکھئے گا۔" حمید جلدی سے بولا۔

"واہ بیٹا...... بڑے اچھے رہے۔ جب امتحان کا وقت آیا تو جان نکل گئی۔ تبھی تو دیکھی
جائے گی تمہاری بہادری۔"

"لاحول ولا قوۃ......!" حمید نے کہا۔ "کتنی بار آپ کو یقین دلا چکا ہوں کہ میں انتہائی
بزدل ہوں مگر آپ کچھ سماعت نہیں کرتے۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم مذاق کرتے ہو۔"

"جی نہیں...... آپ اس طرح مت جان لیا کیجئے۔ میں انتہائی بزدل واقع ہوا ہوں۔"

"اچھا بکواس بند، آج سیٹھ کرم چند کے یہاں...... کیا سمجھے۔"

"مار ڈالا......!" حمید بوکھلا کر بولا۔ "آج یقیناً پکڑیں جائیں گے۔ ارے اس کی کوٹھی تو کوتوالی کے قریب ہی ہے۔"

"ہوگی......!" فریدی نے کہا۔ "اس سے کیا ہوتا ہے۔"

"اس سے کچھ ہوتا ہی نہیں...... ارے اس سے یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات گولی لگ جانے کا خطرہ ہوتا ہے، پکڑ کر بند کر دیئے جانے کا احتمال رہتا ہے......اور......!"

"اچھا اچھا رہنے دیجئے......آج میں اکیلے ہی جاؤں گا۔"

"خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے......!" حمید نے کہا۔

"اچھا تو کیا واقعی آپ اسے سچ سمجھے......برخوردار اس پھیر میں نہ رہنا۔ تم تو کیا تمہاری مکھیاں بھی چلیں گی۔"

"آپ شوق سے میری مکھیوں کو اپنے ہمراہ لے جاسکتے ہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن مجھے معاف ہی کر دیجئے تو زیادہ بہتر ہے۔"

"بہت اچھا...... دیکھا جائے گا۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا اور آنکھیں بند کر کے آرام کرسی پر لیٹ گیا۔

حمید بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ دفعتاً وہ مسکرانے لگا اس کے چہرے پر شرارت کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

"میرے خیال سے تو آج بھی وہیں چلنا چاہئے جہاں کل گئے تھے۔" حمید بولا۔

"یہ نیا خیال آپ کے ذہن میں کیسے پیدا ہوا۔" فریدی نے بدستور آنکھیں بند کئے ہوئے کہا۔

"وہ جو وہاں سو رہی تھی کیا چیز تھی......خدا کی قسم......!" حمید نے کہا۔

"اچھا جی......!" فریدی نے آنکھیں کھول دیں۔

"کیوں......کیا آپ کو پسند نہیں آئی۔"

"تو کیا میں وہاں اسی کو پسند کرنے گیا تھا۔"

"تو اور کیا......اسطرح لوگوں کے گھروں میں گھستے پھرنے کا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"بہت خوب......یہ نئی دریافت ہے۔ کیا کہنا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ چاہے جتنا بنائیں مجھے تو اب یقین آ گیا ہے کہ یہ آپ کی کچلی ہوئی جنسی زندگی ہی کی ایجاد ہے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔

"دیکھو میاں حمید تم ابھی صاحب زادے ہو۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "تم اس طرح کی گفتگو کر کے مجھ سے میرا راز نہیں اگلوا سکتے۔ یہ ساری باتیں تمہیں اسی وقت معلوم ہو سکیں گی جب میں چاہوں گا۔"

حمید جھینپ کر خاموش ہو گیا۔

"اور اگر تم اس راز کو معلوم کرنے کے لئے اتنے ہی بے چین ہو تو پھر تمہیں وہی کرنا چاہئے جو میں کہوں۔"

"ارے صاحب تو میں نے انکار کب کیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں......تم شائد سمجھنے لگے ہو کہ تمہارے بغیر میرا کام نہ چل سکے گا۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیجئے......آپ تو پھر ناراض ہو گئے۔ میں کب کہتا ہوں کہ میں آپکا ساتھ نہ دوں گا۔"

"اچھی بات ہے تو اسی بات پر اب تیاری شروع کر دو۔ اس وقت پانچ بجے ہیں۔ ٹھیک ایک بجے ہم لوگ یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ چھوٹی کار کے نمبر کی پلیٹ بدل دو اور ہاں اس کے اوپر دوسرا پالش تو ہو ہی گیا ہوگا۔"

"جی ہاں......ہرے رنگ کا پالش کر دیا ہے۔"

"بہت خوب......! نوکروں سے تو مدد نہیں لی تھی۔"

"آپ شائد مجھے نرا گھامڑ ہی سمجھتے ہیں۔"

"نرا تو نہیں......البتہ کچھ ضرور سمجھتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "آؤ ذرا چل کر اسے دیکھ لیں۔"

فریدی اور حمید کمرے سے نکل کر گیراج کی طرف آئے۔ حمید نے گیراج کا تالا کھولا۔ یہ

گیراج ہمیشہ بند رہتا تھا۔ اس میں ایک چھوٹی سی کار تھی جسے فریدی مخصوص موقعوں پر استعمال کرتا تھا۔ اس کے بہت سے ملنے والوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ فریدی کے پاس دو کاریں ہیں۔ ملازمین میں سے صرف ڈرائیور کو اس کا علم تھا لیکن اسے بھی آج تک اس کار کو چلانے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ شہر میں ہونے والی وارداتوں کے سلسلہ میں آج کل فریدی اور حمید اسی کار کو استعمال کر رہے تھے۔ روزانہ اس کے اوپر ایک نیا رنگ پھیر دیا جایا کرتا تھا۔ یہ خدمت حمید کے سپرد تھی۔ وہ کسی نہ کسی طرح اسے الٹا سیدھا لیپ پوت کر رکھ دیا کرتا تھا۔

دونوں نے گیراج میں جا کر کار کا جائزہ لیا اور باہر نکل آئے۔

”ارے یہ اس وقت...... یہ محترمہ کہاں سے ٹپک پڑیں۔“ فریدی نے پھاٹک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حمید نے بھی پلٹ کر دیکھا، شہناز بیرونی پھاٹک سے اندر آ رہی تھی۔

”کیوں کیا آپ کو اس کا آنا گراں گزرتا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”نہیں بھئی۔ اس وقت کی بات ہے، معلوم نہیں کتنی دیر تک بیٹھے، ساڑھے نو تو ہو چکے ہیں۔“ فریدی بولا۔

”خیر شکر ہے کہ آپ لوگ ملے تو......!“ شہناز قریب آ کر بولی۔ ”میں کل بھی آئی تھی۔“

”کیا بتائیں آج کل ہم لوگ بہت بری طرح مشغول رہتے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”چلو اندر چلو۔“

وہ تینوں ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔

”میں اس لئے آئی ہوں کہ آج سہاگ رات کا آخری دن ہے۔“

”کیا مطلب......؟“ فریدی شرارت آمیز ہنسی کے ساتھ بولا۔

شہناز اپنے جملہ کی حماقت پر جھینپ گئی۔

”میرا مطلب یہ ہے کہ کل پلازا میں دوسری فلم لگ جائے گی۔“ شہناز جھینپے ہوئے انداز میں بولی۔

”اوہ تو یہ کہو کہ تم آج فلم سہاگ رات دیکھنا چاہتی ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”جی ہاں......!“

”تو جا کر دیکھ آؤ، اچھی فلم ہے۔“

”اکیلے دیکھ آؤں، کیا آپ لوگ نہ چلیں گے۔“

”نہیں بھائی...... ابھی دو تین دن تک ہم لوگ بہت زیادہ مشغول رہیں گے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اچھا میں ابھی آتا ہوں۔“

فریدی باہر چلا گیا۔

شہناز اس طرح منہ پھلائے بیٹھی ہوئی تھی جیسے وہ حمید سے روٹھی ہوئی ہو۔

”کیوں کیا بات ہے، کیا مجھ سے ناراض ہو۔“ حمید نے کہا۔

”میں کون ہوتی ہوں ناراض ہونیوالی، بھلا اپنے محسنوں سے کوئی ناراض بھی ہوتا ہے۔“

”پھر وہی بات، آخر تم مجھے اتنا ستاتی کیوں ہو۔“

”یہ لیجئے...... یہ دوسری رہی، میں ہوتی کون ہوں ستانے والی۔“

”آخر میں نے کیا کیا ہے جو اس طرح کی باتیں کر رہی ہو۔“

”میری باتیں اسی طرح بری لگتی ہیں آپ کو، اچھا لیجئے چلی جاتی ہوں۔“

”ارے بھئی بیٹھو...... ارے میں نے کیا کہہ دیا جو اس طرح ناراض ہوتی ہو۔ ارے سنو تو سہی۔“

”نہیں صاحب...... میں واقعی بڑی بے حیا ہوں کہ خواہ مخواہ آپ کے پیچھے لگتی ہوں۔“

”خدا کے لئے بتاؤ تو سہی کہ میرا کیا قصور ہے۔ خواہ مخواہ اس طرح سے بگڑنے کی کیا بات ہے۔“

”میری تو ہر بات اسی طرح خواہ مخواہ کی ہوتی ہے۔“

”دیکھو میں اپنا سر پھوڑ لوں گا۔“

”نہیں ایسا کرنے کی ضرورت نہیں، میں انشاء اللہ کبھی آپ سے نہ ملوں گی۔“

"آخر کیوں......؟"

"مجھے کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ آپ سے باتیں کر کے آپ کا سر پھوڑ واڈالوں۔"

"خدا کی قسم میں ہار گیا، لو بولتا ہوں...... ککڑوں کوں، ککڑوں کوں، ککڑوں......!"

"ارے ارے چپ رہئے۔ فریدی صاحب کیا کہیں گے۔" شہناز گھبرا کر بولی۔

"نہیں صاحب...... میں تو بولوں گا...... ککڑوں کوں......!"

"خدا کے لئے چپ رہئے، یہ آپ کیا کرنے لگے۔"

"فریدی صاحب پوچھیں گے تو کہہ دوں گا کہ تم اس وقت مجھ سے صرف مرغ کی بولی سننے کے لئے آئی تھیں...... ککڑوں کوں...... ککڑوں کوں......!"

"خدا کے لئے چپ رہئے...... یہ آپ کیا کرنے لگے۔"

"اچھا وعدہ کرو کہ اب میٹھی میٹھی باتیں کرو گی۔ ورنہ میں یونہی چیختا جاؤں گا۔"

"اچھا بابا...... میں ہار گئی لیکن یہ بتائیے کہ آپ دو تین دن سے آئے کیوں نہیں اور میرے ساتھ فلم دیکھنے کے لئے کیوں نہیں چلتے۔"

"ہاں یوں بات کرو، بات یہ ہے کہ آجکل ایک خاص مسئلہ درپیش ہے۔ شہر میں جو وارداتیں ہو رہی ہیں انکے متعلق تو تم سن ہی چکی ہو گی، آج کل رات بھر ہم لوگوں کو گشت کرنا پڑتا ہے۔"

"واقعی یہ وارداتیں عجیب ہیں، سارے شہر میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ میں نے تو آج تک اس قسم کی وارداتیں نہیں سنیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ڈاکو گھروں میں کیوں گھستے پھرتے ہیں جب کہ وہ وہاں سے کوئی چیز لے نہیں جاتے۔"

"یہی تو حیرت کی بات ہے......!" حمید پلکیں جھپکاتے ہوئے بولا۔ "اس معاملہ میں فریدی صاحب جیسا مشاق جاسوس بھی حیران ہے۔"

"لوگوں کا خیال ہے کہ ڈاکوؤں کو کسی خاص چیز کی تلاش ہے۔" شہناز بولی۔

"ہم لوگ بھی یہی سوچ رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ یہ ڈاکو نہ تو کسی پر حملہ کرتے ہیں اور نہ اس سے

ہیں کہ کہیں وہ پکڑ نہ لئے جائیں، سیٹھ اگروال کے یہاں جب وہ گھسے تھے تو بہت سے نوٹ انٹ کر چلے گئے، عجیب و غریب لوگ ہیں۔"

"لوگ انہیں بُرا بھلا تو ضرور کہتے ہوں گے۔" حمید بولا۔

"نہیں یہ بات نہیں، لوگ تو ان کی دلیری کی تعریف کرتے ہیں۔"

"یہ بھی عجیب بات ہے۔" حمید نے کہا۔ "اگر کبھی ہم لوگوں کے ہتھے چڑھ گئے تو ہم بے دریغ گولی چلا دیں گے۔"

"آخر یہ کیوں...... انہوں نے کسی کو کوئی نقصان تو پہنچایا نہیں۔"

"یہی کیا کم نقصان ہے کہ آج کل لوگ رات رات بھر سوتے نہیں۔" فریدی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"اچھا ان لوگوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔" شہناز نے فریدی سے پوچھا۔

"یہی کہ وہ لوگ پولیس کو اس چکر میں ڈال کر کوئی بڑی واردات کرنا چاہتے ہیں۔" فریدی نے بتایا۔

"آپ کا خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے، بہت سے لوگوں کا یہی خیال ہے۔" شہناز نے تائید کی۔

"واقعی مجھے افسوس ہے کہ ہم لوگ تمہارے ساتھ فلم دیکھنے نہ جا سکیں گے۔" فریدی نے قدرے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "خیر پھر سہی لیکن تم آج جا کر سہاگ رات دیکھ آؤ۔"

جھاڑیوں میں

رات تاریک تھی۔ فضا میں سیاہیاں اڑ رہی تھیں۔ وقت کا دیوتا شائد اس وقت کرہ زمہریر سے دنیا کی طرف جھانک رہا تھا۔ سردی ہڈیوں میں گھستی معلوم ہو رہی تھی۔ شاید اس وقت سونے والوں کے خواب تک منجمد ہو کر رہ گئے ہوں گے۔

گھنٹہ گھر نے دو بجائے اور سیٹھ کرم چند کے پائیں باغ کے پھاٹک کے سامنے ایک چھوٹی سی ہرے رنگ کی کار آ کر رکی۔ فریدی اور حمید سیاہ رنگ کے کپڑوں میں ملبوس نقابوں سے اپنے چہرے چھپائے اتر کر پھاٹک کے اندر داخل ہوئے۔ دفعتاً غراہٹ کی آواز سنائی دی اور ایک بڑا سا کتا ان پر جھپٹ پڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ فریدی کے سائیلنسر لگے ہوئے پستول کی دو گولیوں نے اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کردیا۔ کتے کی غراہٹ کی وجہ سے شائد کوٹھی کا چوکیدار اونگھتے اونگھتے چونک پڑا تھا۔

"ٹائیگر، ٹائیگر......!" اس نے کتے کو آواز دی۔

بھونکنے کی آواز نہ پا کر وہ کھانستا کھنکھارتا پھاٹک کی طرف بڑھا۔

"میرے خیال سے اب بھاگنا چاہئے۔" حمید نے چپکے سے کہا۔

"ہشت......میرے پیچھے آؤ۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور مالتی کی گھنی جھاڑیوں میں چھپ گیا۔ حمید اس کے پیچھے تھا۔

چوکیدار نے ٹارچ روشن کی اور ادھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔

"ارے یہ ٹائیگر کو کیا ہوگیا" وہ خود ہی بڑبڑایا۔ "ارے خون! اسے کس نے مارا۔" اب وہ شاید کوٹھی کے ملازموں کے نام لے لے کر چیخ رہا تھا۔ پھر وہ چیختا ہوا کوٹھی کی طرف بھاگا۔

"اب بھی غنیمت ہے کہ نکل چلئے، ورنہ بڑی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"یہی تو بہترین موقع ہے گھر میں داخل ہونے کا۔" فریدی نے کہا۔

"آج شاید پکڑے ہی جائیں گے۔" حمید بولا۔

"بکومت......!"

اتنے میں تاریک برآمدے کے سارے بلب روشن ہوگئے اور باغ میں کافی اجالا ہوگیا۔ کچھ لوگ دوڑ کر پھاٹک کے قریب آئے اور کتے کی لاش کے گرد اکٹھے ہوگئے۔ اب ایک اچھا خاصا شوروغل شروع ہوگیا تھا۔ دفعتاً گشتی پولیس کی لاری پھاٹک کے سامنے آ کر رکی۔

"کیا بات ہے......!" لاری سے کسی نے اونچی آواز میں پوچھا۔

دو تین آدمی دوڑ کر لاری کے قریب گئے اور کچھ کہتے رہے۔

لاری سے آٹھ دس سپاہی اور ایک سب انسپکٹر اتر پڑے۔

سب انسپکٹر پھاٹک میں کھڑے ہو کر سپاہیوں سے بولا۔ "وہ دیکھو وہاں کار کیسی کھڑی کیا یہ سیٹھ صاحب کی تو نہیں۔"

"جی نہیں سرکار......ہماری سب گاڑیاں گیراج میں ہیں۔"

انسپکٹر نے ٹارچ کی روشنی میں کار کا جائزہ لینا شروع کیا۔

"مگر یہ تو ہرے رنگ کی ہے۔ ڈاکوؤں کی کار تو سیاہ رنگ کی سنی جاتی ہے۔ رحیم خان تم کر اس کا نمبر تو دیکھو۔"

"یہ جگدیش معلوم ہوتا ہے، بُرے پھنسے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"خاموش رہو......!" فریدی بولا۔

جگدیش کتے کی لاش پر جھکا ہوا تھا۔

"ابھی ابھی کسی نے اس پر گولی چلائی ہے۔" جگدیش نے پاس کھڑے ہوئے آدمیوں کی مڑ کر کہا۔ "تعجب ہے کہ تم لوگوں نے گولی چلنے کی آواز نہیں سنی۔"

"نہیں سرکار......!" چوکیدار بولا۔ "میں یہیں برآمدے میں بیٹھا جاگ رہا تھا میں نے کتے کے غرانے کی آواز سنی تھی لیکن گولی کی آواز مجھے نہیں سنائی دی۔"

"داروغہ جی......گاڑی کا نمبر وہ معلوم نہیں ہوتا......!" اس آدمی نے لوٹ کر کہا جو کار کا نمبر دیکھنے گیا تھا۔

جگدیش نے کانسٹیبلوں کو باغ کے اندر بلالیا۔

"ضرور کوئی نہ کوئی یہیں چھپا ہوا ہے۔ آؤ تلاش کریں اور تم رحیم خاں جا کر اس کار کی نگرانی کرو۔"

"یہ بہت بُرا ہوا......!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "اچھا آؤ......اب چہار دیواری کو

پھلانگنا کوئی مشکل کام نہیں۔ قبل اس کے کہ رحیم خان کار تک پہنچے ہمیں اس پر پہنچ جانا چاہئے۔

چار دیواری مالتی کی باڑ سے بالکل ملی ہوئی تھی اور جھاڑیوں سے نیچی تھی۔ اس لئے دونوں بغیر کسی کی نظر پڑے ہوئے باہر نکل گئے۔

رحیم خاں کار کا دروازہ کھول کر اندر قدم رکھنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی کا زوردار گھونسہ کی بائیں کنپٹی پر پڑا۔ رحیم خاں کے منہ سے چیخ نکل گئی اور وہ اچھل کر سڑک کے کنارے جا گرا۔ دوسرے لمحہ میں کار اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ جگدیش وغیرہ رحیم خاں کی چیخ سن کر چونکے تھے کہ کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ وہ سب شور مچاتے ہوئے دوڑے مگر کار اتنی میں سینکڑوں گز آگے جا چکی تھی۔

"چلو چلو...... جلدی لاری میں بیٹھو۔" جگدیش چیختا ہوا لاری کی طرف جھپٹا۔ بدحواس لوگوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ ان کا ایک ساتھی سڑک کے کنارے بیہوش پڑا ہے۔ پولیس لاری کار کا تعاقب کر رہی تھی۔

"دیکھا آپ نے...... میں نہ کہتا تھا۔" حمید نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"تم تو اچھے خاصے چغد ہو، یہ نہیں دیکھتے کہ مزہ کتنا آیا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"گھبرایئے نہیں، ابھی اور آئے گا مزہ...... آج خدا ہی عزت رکھے تو معلوم ہو، پو کی لاری برابر پیچھا کیے جا رہی ہے۔"

"ڈرو نہیں بیٹا...... وہ لوگ ہماری گرد کو بھی نہ پا سکیں گے......!" فریدی نے کہا۔

"دیکھتے نہیں کہ وہ ہم سے کس قدر پیچھے ہیں۔ بس تم رفتار بڑھاتے رہو۔"

"اور جو ایکسیڈنٹ ہو جائے تو۔" حمید نے کہا۔

"اس کی پرواہ تم مت کرو۔ اس وقت ایکسیڈنٹ کا کوئی امکان نہیں اور پھر ہم تو جنگ طرف جا رہے ہیں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ اسی طرح اندھا دھند بھاگتے رہیں گے اور وہ ہمارا پیچھا کرتے رہیں گے۔ جب ہماری گاڑی کا پٹرول ختم ہو جائے گا تو ہم دھر لئے جا

" حمید نے کہا۔

"کون جانے انہیں کی لاری کا پٹرول پہلے ختم ہو جائے۔" فریدی نے کہا۔

"اگر آپ اسی بھروسہ پر بیٹھے ہیں تب تو ہو چکا۔" حمید کی آواز میں بیزاری سی تھی۔

"اچھا ٹھہرو! میں اس لونڈے کو بیوقوف بناتا ہوں۔ اگلے موڑ پر کار آہستہ کر دینا میں اتر ں گا اور پھر تم تیزی سے آگے بڑھ جانا۔"

"اس سے کیا ہوگا۔" حمید نے کہا۔

"میں پولیس کی لاری روک کر تمہیں نکل جانے کا موقع دوں گا۔ راستہ تو تم نے دیکھا ہی ۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

حمید خاموش رہا۔

"رفتار دھیمی کرو......!" فریدی نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "لاری نظر نہیں ہی ہے جلدی کرو۔"

حمید نے کار کی رفتار دھیمی کر دی۔

فریدی آہستہ سے اتر گیا اور کار پھر فراٹے بھرنے لگی۔ فریدی سڑک کے کنارے اونچی چی جھاڑیوں کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے ہی پولیس کی لاری دکھائی دی اس نے اپنے ول سے اسی طرف فائر کرنے شروع کر دیئے جدھر حمید کی کار گئی تھی۔

جگدیش نے فائروں کی آواز سن لاری رکوا دی۔ فریدی بدستور فائر کئے جا رہا تھا۔ پولیس لے اس کی طرف دوڑے، دفعتاً کسی نے جھاڑیوں کے پیچھے سے فریدی کو اندر کھینچ لیا۔ فریدی ہاڑیوں میں الجھ کر گر پڑا، ساتھ ہی دو تین آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔

"جگدیش جگدیش......!" فریدی چیخا۔ "دوڑو...... ورنہ یہ۔" وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ کسی نے اس کا منہ دبا لیا۔

پولیس والے جھاڑیوں کے اندر گھس پڑے۔ جھاڑیوں میں عجیب قسم کا خلفشار برپا تھا۔ ی دیر میں ریوالوروں کی چنگاریاں چمکنے لگیں۔

پولیس پارٹی نے بھی فائروں کا جواب دینا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد مخالف سمت فائر ہونے بند ہو گئے۔ اب پولیس والے آہستہ آہستہ آگے کی طرف رینگ رہے تھے

دفعتاً موٹر اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ پولیس والے اٹھ کر سڑک کی طرف بھاگے۔ پولیس کی لاری اندھیری سڑک پر روشنی بکھیرتی ہوئی آگے کی طرف بھاگی جا رہی تھی

"لو یہ نئی مصیبت آئی۔" جگدیش جھلا کر ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "کمبخت زبردست چوٹ دے گئے۔ اب تم سب لوگ اپنی اپنی نوکریوں کو رو پیٹ لو...... لاری گئی۔"

"تو سرکار اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ کسی ایک کی ڈیوٹی موٹر پر لگا دی ہوتی۔" کانسٹیبل نے کہا۔

"ہاں ہاں اب مجھی پر تو سارا الزام آئے گا۔" جگدیش نے کہا۔ "مگر آخر فریدی صاحب کیا ہو گئے۔ میں نے ان کی آواز صاف پہچانی تھی، آؤ انہیں تلاش کریں۔"

"اور صاحب لاری کا کیا ہوگا۔" ایک کانسٹیبل بولا۔

"ہوگا کیا...... اور اب ہو ہی کیا سکتا ہے۔ تن بہ تقدیر بیٹھو، جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔"

وہ سب دوبارہ ٹارچوں کی روشنی میں جھاڑیوں میں گھس پڑے۔ قرب و جوار کا چپہ چھان مارا مگر کسی کا کوئی سراغ نہ ملا۔ جہاں فریدی کھڑا تھا وہاں انہیں ایک فلٹ ہیٹ زمین پر پڑی ہوئی ملی جس پر تازہ خون کے دھبے تھے۔ جگدیش الٹ پلٹ غور سے دیکھنے لگا۔

"چلو یہ ایک کام کی چیز ملی...... شاید اسی سے کوئی سراغ ملے۔" جگدیش نے کہا۔ بڑی حیرت کی بات ہے کہ آخر فریدی صاحب کیا ہو گئے۔ میں نے انکی صاف آواز پہچانی تھی

"حضور آپ کو دھوکا ہوا ہوگا......!" ایک کانسٹیبل بولا۔

"ناممکن...... میرے کان مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکو انہیں پکڑ لے گئے، معلوم نہیں بے چارے پر کیا افتاد پڑی۔"

"ہوگا سرکار...... مجھے تو لاری کی فکر کھائے جا رہی ہے۔ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔" کانسٹیبل نے کہا۔

"بھئی اب اس کا تذکرہ مت کرو۔ جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ تم میں سے کسی سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ گولی چلا کر لاری کا ایک آدھ ٹائر ہی برسٹ کر دیتا۔" جگدیش نے کہا۔

حیرت

دوسرے دن صبح کوتوالی میں ایس پی کے کمرے میں چیف انسپکٹر سی آئی ڈی، سارجنٹ حمید، ایس پی اور انسپکٹر جگدیش بیٹھے تبادلہ خیال کر رہے تھے، میز پر وہی رات والی خون آلود فلٹ ہیٹ رکھی ہوئی تھی۔

"حمید تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ فلٹ ہیٹ فریدی کی ہے۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"ارے صاحب! مجھ سے زیادہ اسے کون پہچانے گا۔ دیکھئے اس کے اندر جو سانپ کا سر بنا ہوا ہے یہ فریدی صاحب نے میرے ہی سامنے فاؤنٹین پن سے بنایا تھا۔"

"آخر انہوں نے یہ بنایا ہی کیوں تھا۔" ایس۔ پی بولا۔

"یونہی بیٹھے باتیں کر رہے تھے فاؤنٹین پن ہاتھ میں تھا۔ ٹوپی گود میں رکھی تھی، باتیں کرتے جاتے تھے اور تصویر بناتے جاتے تھے۔"

"کیا بتاؤں......!" چیف انسپکٹر نے کہا۔ "میں نے سینکڑوں بار سمجھایا کہ خواہ مخواہ ہر معاملے میں ٹانگ مت اڑایا کرو، مگر اسے تو جیسے خبط ہو گیا تھا۔ نچلا بیٹھنا تو جانتا ہی نہ تھا، معلوم نہیں کیا حشر ہو۔"

"ارے صاحب کیا بتاؤں ساری غلطی میری اپنی ہے۔ نہ میں ان سے دوستانہ طور پر مدد کا طالب ہوتا اور نہ وہ اس مصیبت میں مبتلا ہوتے۔" جگدیش نے گلوگیر آواز میں کہا۔

حمید کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

"اور صاحب ایسے ڈاکو تو آج تک میری نظروں سے نہیں گزرے۔" ایس پی بولا۔

"ابھی تک، یہی سمجھ میں نہیں آ سکا کہ آخر وہ چاہتے کیا ہیں۔ حیرت تو اس پر ہے کہ وہ لاری بھی یہاں چھوڑ گئے، بلا کے دلیر واقع ہوئے ہیں۔"

"اسی چیز نے تو فریدی کو نچلا نہ بیٹھنے دیا، بھلا اس سے اتنا صبر کہاں ہو سکتا تھا کہ وہ باقاعدہ طور پر یہ کیس اپنے ہاتھ میں آنے کا انتظار کرتا۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"کچھ بھی ہو، مجھے تو بڑا دکھ ہو رہا ہے......!" ایس پی بولا۔ "وہ سارے صوبہ میں تو کیا تمام ہندوستان میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اگر خدانخواستہ اسے کچھ ہو گیا تو یہ سارے ہندوستان کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔"

"اب میں کیا بتاؤں۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔ "میرا تو داہنا بازو ٹوٹ گیا۔ یقین مانئے مجھے یہ بات کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں۔ میرے محکمہ کا بھرم اسی کے دم سے قائم تھا۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" ایس پی بولا۔ "اچھا صاحب تو یہ کیس اب میں آپ کے محکمہ کے سپرد کرتا ہوں اب یہ ہمارے بس کا روگ نہیں رہا۔"

"خیر اب میں چلوں گا، اس وقت میرا موڈ ٹھیک نہیں۔" چیف انسپکٹر اٹھتے ہوئے بولا۔ "آپ کیس کے سارے کاغذات سارجنٹ حمید کے حوالے کر دیجئے۔ بہت جلد تفتیش شروع کرادوں گا۔ یا بہت ممکن ہے کہ خود میں اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لوں۔ کیونکہ فریدی کا اس طرح غائب ہو جانا میرے لئے بہت تکلیف دہ ہے۔"

چیف انسپکٹر کے چلے جانے کے بعد حمید نے کاغذات لئے اور دفتر جانے کی بجائے سیدھا گھر آیا۔ سب سے پہلے اسے وہ کام انجام دینا تھا جس کے لئے اتنی دردسری مول لی گئی تھی۔ سو روپے کا نوٹ انہی کاغذات میں نتھی تھا اس نے وہ نوٹ نکال کر اس کی جگہ دوسرا نوٹ نتھی کر دیا۔ لیکن اب زحمت یہ آ پڑی تھی کہ نوٹ کا وہ نمبر کس طرح مٹایا جائے جو جگدیش نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا۔ حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس طرح چونکا جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ وہ اٹھا اور فریدی کے عجائبات کے کمرے سے ایک شیشی نکال لایا، جس میں سفید رنگ کی کوئی سیال شے تھی۔ یہ ایک سیاہی اڑانے کا نادر و نایاب لوشن تھا، جسے فریدی نے ایک

نمبر 1 کیمیاداں سے بنوایا تھا۔ لوشن لگاتے ہی نوٹ کا نمبر کاغذ سے اس طرح غائب ہو گیا جیسے وہاں کچھ لکھا ہی نہ گیا تھا۔ کاغذ خشک ہو جانے کے بعد حمید نے اسی جگہ اپنے لگے ہوئے نوٹ کا نمبر لکھ دیئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ آنکھیں بند کر کے آرام کرسی پر لیٹ گیا۔ اس کا دماغ بالکل منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب کیا کرے، پتہ نہیں وہ لوگ فریدی کو پکڑ لے گئے یا انہوں نے ان کو قتل کر ڈالا۔ فلٹ ہیٹ پر خون کے دھبے کوئی اچھا نشان نہیں۔ کبھی وہ سوچتا ممکن ہے کہ فریدی مصلحتاً غائب ہو گیا ہو۔ اس سے قبل بھی وہ کئی بار غائب ہو چکا تھا۔ مگر اس بار تو اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا۔ آخر یہ لوگوں کے گھروں میں گھسنا کیا معنی رکھتا ہے۔ وہ کونسی چیز ہے جسے فریدی سیٹھ اگروال کی تجوری سے نکال کر لایا تھا۔ وہ چیز انتہائی حیرت انگیز ہوگی جس کی چوری پر اس کا مالک بھی منہ نہیں کھول سکتا۔ عجیب قسم کا گورکھ دھندا تھا۔ آخر سیٹھ اگروال نے پولیس کو دھوکے میں کیوں رکھا ہے۔ جبکہ حقیقتاً کوئی چیز اس کی تجوری سے چرائی گئی ہے لیکن وہ پولیس کو بتاتا کیوں نہیں۔"

آفس کا وقت ہو گیا تھا۔ حمید نے کھانا کھا کر کپڑے بدلے اور کاغذات جیب میں رکھ کر آفس جانے کے لئے باہر نکلا۔ فریدی کی بڑی کار کئی دن سے خراب تھی۔ اس لئے آج کل بس پکڑ کر آفس جانا پڑتا تھا۔ وہ چوراہے تک پیدل آیا اور انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد بس آئی اور وہ اس پر بیٹھ گیا۔ بس میں بھیڑ بہت زیادہ تھی اس لئے اسے کھڑے رہنا پڑا۔

آفس پہنچ کر وہ سیدھا چیف انسپکٹر کے کمرے میں گیا۔ وہ کچھ لکھ رہا تھا۔ حمید کو دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ کر کے پھر لکھنے لگا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بات ہے۔" چیف انسپکٹر قلم رکھ کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔

"کیا عرض کروں......!" حمید نے کہا۔

"کیا تم اس سے پہلے سے واقف تھے کہ فریدی جگدیش کے کہنے پر اس کیس کی تفتیش کر رہا تھا۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"جی نہیں......میرے خیال سے تو انہوں نے اسے ٹالنے کے کچھ یونہی سے بڑ دیئے تھے۔"

مگر جگدیش تو کہتا ہے کہ فریدی نے اسے موقع واردات پر آواز دی تھی۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہوا ہو لیکن یہ بات میرے علم میں نہیں۔"

"اچھا وہ کاغذات لائے ہو۔"

"جی ہاں......!" حمید نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ لیکن یک بیک اس چہرے پر مردنی چھا گئی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ یکے بعد دیگرے وہ اپنی ساری جیبوں کی لے رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں ابھر آئیں۔

"کیوں کیا بات ہے۔" چیف انسپکٹر نے حیرت سے پوچھا۔

"مم......مم......معلوم......ہوتا ہے کہ......کسی نے جیب سے نکال لیا۔"

"کیا مطلب......؟"

"جی ہاں! میں نے اسی جیب میں رکھے تھے۔"

"کمال کیا تم نے...... یہ جیب کبھی اس طرح کے کاموں میں استعمال ہوتی ہے میں تو کوئی بچہ بھی چیز نہایت آسانی سے نکال سکتا ہے۔"

"جی کیا بتاؤں......مگر......مگر......!"

"اب مگر مگر کیا کر رہے ہو۔ جاؤ تلاش کرو......!" چیف انسپکٹر تیز لہجہ میں بولا۔

حمید بوکھلا کر کمرے سے نکل آیا۔

وہ تیزی سے روڈ پر بس کے اگلے اسٹیشن کی طرف جا رہا تھا۔ راہ میں اس نے ایک ٹ اور بس کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے چوراہے کے سپاہی سے اس بس کی تفصیلات پوچھیں اور ٹیکسی پھر چل پڑی۔ تھوڑے دیر میں اس نے بس کو جا لیا۔ بس قریب خالی ہو چکی تھی صرف دو چار مسافر رہ گئے تھے۔ حمید سیٹوں کے نیچے کاغذات تلاش کرنے لگا۔

"آپ کیا ڈھونڈ رہے ہیں۔" بس کنڈیکٹر نے پوچھا۔

"بھئی میری جیب میں کچھ کاغذات تھے جو غالباً اسی بس میں نکل گئے۔"

"کیا کوئی لفافہ تھا۔"

"جی ہاں......سرخ رنگ کا بڑا لفافہ۔"

"یہ لیجئے......!" بس کنڈیکٹر نے اپنے چمڑے کے تھیلے سے ایک لفافہ نکالتے ہوئے "ایک صاحب نے مجھے دیا تھا۔"

حمید نے سب سے پہلے کاغذات نکال کر دیکھے پھر یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ سب ات موجود ہیں، اس نے بس کنڈیکٹر سے اس آدمی کے متعلق دریافت کیا جس نے اسے دیا تھا۔

"اس کی شکل صورت تو مجھے یاد نہیں البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ کسی اچھی سوسائٹی کا آدمی تھا۔"

"اس نے کیا کہہ کر یہ لفافہ آپ کو دیا تھا۔"

"یہی کہ شاید کسی کا گر گیا ہے، آپ اسے احتیاطاً اپنے پاس رکھئے!" کنڈیکٹر نے کہا۔

خوفناک دھماکے

کاغذات لے کر آفس کی طرف لوٹتے ہوئے حمید سوچ رہا تھا کہ وہ چیف انسپکٹر سے ہ کہ وہ دراصل کاغذات گھر بھول آیا تھا۔ لیکن ایک نیا خیال اس کے ذہن میں آہستہ آہستہ ر کی طرف رینگنے لگا۔ نہیں وہ چیف انسپکٹر کو ٹھیک ٹھیک بتا دے گا کہ اسے یہ کاغذات بس ڈیکٹر سے ملے اسی طرح وہ دوسرا نوٹ لگانے اور نمبروں کے غلط اندراج کے الزام سے بچ گا۔ بہت ممکن ہے کہ کبھی یہ راز کھل ہی جائے تو وہ نہایت آسانی سے کہہ سکے گا کہ کسی نے کاغذات اسی لئے اس کی جیب سے نکالے تھے کہ نوٹ بدل دیا جائے، اس نئے خیال پر اس اضمحلال بہت کچھ دور ہو گیا۔

آفس پہنچ کر اس نے کاغذات چیف انسپکٹر کے حوالہ کردیئے اور خود اپنی میز پر آ

تھوڑی دیر بعد چیف انسپکٹر کے کمرے میں اس کی طلبی ہوئی۔

"کہو بھئی...... پھر تم نے اب کیا سوچا" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"کیا عرض کروں، میری تو عقل ہی جواب دے چکی ہے۔"

"بات ہی ایسی ہے۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔ "میرے خیال سے تو چلو پہلے موقعہ وار
تک ہو آئیں اس کے بعد سیٹھ اگر وال کے یہاں چلیں گے۔"

"بہتر ہے......!"

چیف انسپکٹر نے جگدیش کو فون کیا اور اس کا انتظار کرنے لگا۔ پندرہ بیس منٹ بعد جگ
پہنچ گیا اور پھر تینوں موقعہ واردات کی طرف روانہ ہو گئے۔

"جی ہاں، کار رکوائیے...... بس یہی وہ مقام ہے۔" جگدیش نے کہا۔

کار رکی اور تینوں جھاڑیوں کے قریب اتر پڑے، چیف انسپکٹر بہت غور سے زمین
ایک ایک حصہ کا جائزہ لے رہا تھا۔

"ارے یہ جوتا کیسا......!" چیف انسپکٹر نے جھاڑیوں میں سے ایک جوتا نکالتے ہ
کہا۔ حمید چونک پڑا۔

"یہ بھی فریدی صاحب کا ہے۔" حمید نے بے ساختہ کہا۔

"عجیب معاملہ ہے۔ اس پر بھی خون کے دھبے ہیں، خدا خیر کرے۔" چیف انسپکٹر
پریشانی کے لہجہ میں کہا۔

"صاحب میرا خیال تو ہے کہ شاید وہ مصلحتاً غائب ہو گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"جب وہ کوئی زیادہ خطرناک کام کرتے ہیں تو اسی طرح غائب ہو جاتے ہیں، خدا
ہے کہ مجھے بھی اس کی اطلاع نہیں ہونے پاتی۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔ "میں اسے اپنے بیٹوں کی طرح
رکھتا ہوں۔"

ید نے جوتے کو ایک اخبار کے ٹکڑے میں لپیٹ کر کار میں رکھ دیا۔

"میرے خیال سے تو یہاں کسی قسم کا سراغ ملنا مشکل ہی ہے۔" حمید نے کہا۔

"تو پھر اب کیا کیا جائے۔" جگدیش بولا۔

"سیٹھ اگر وال اور وہ دوسرے لوگ جن کے یہاں وارداتیں ہو چکی ہیں ان سے ملنا
" چیف انسپکٹر نے کہا۔

ینوں دن بھر ادھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے لیکن کوئی خاص بات نہ معلوم ہو سکی۔

وال کی تجوری کا حمید نے خاص طور سے جائزہ لیا اس نے سیٹھ اگر وال سے بہت
سوالات کیے۔

"کیوں سیٹھ صاحب ڈاکوؤں کے فرار ہونے کے بعد آپ نے اپنی تجوری اچھی طرح
ا" حمید نے پوچھا۔ "تجوری آپ نے بند پائی تھی یا کھلی۔"

"کھلی......!"

"لیکن کوئی چیز گئی نہیں تھی۔"

"جی نہیں۔"

"سخت حیرت کی بات ہے۔" چیف نے کہا۔

"اچھا یہ بتائیے کیا ڈاکوؤں نے تجوری کی کنجی آپ سے حاصل کی تھی۔"

"جی نہیں۔"

"تالا توڑا تھا۔"

"یہ بھی نہیں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے آپ کی تجوری کنجی سے کھولی تھی۔"

"اب اس کے متعلق میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"بہت ممکن ہے۔" حمید نے چیف انسپکٹر سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ڈاکوؤں نے کوئی ایسی
ئی ہو جس کا اظہار خود سیٹھ صاحب کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔"

اگروال اس جملہ پر بوکھلا گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اس کے چہرے کی ساری رونق چھین لی ہو۔

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" سیٹھ اگروال نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"کیا شہر میں جتنی وارداتیں ہوئی ہیں سب اسی قسم کی ہیں۔ شہر میں اور لوگ بھی تو ایسے ہیں جن کے ہاں ڈاکو گھسے، تجوریاں کھولیں اور جوں کی توں کھلی چھوڑ کر چلے گئے۔ ان میں کسی نے بھی نہیں کہا کہ ان کے یہاں سے کوئی چیز چوری ہوگئی ہے۔"

"یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے۔" چیف نے کہا۔

حمید دل ہی دل میں فریدی کی ذہانت کی داد دینے لگا۔

"شام کو تقریباً ساڑھے چھ بجے وہ گھر واپس آیا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا، اسے یہ دیکھ کر نوکروں پر سخت غصہ آیا کہ انہوں نے ابھی تک برآمدے کی بجلی نہیں جلائی تھی۔ وہ جھلاتا ہوا برآمدے میں داخل ہوا۔ پہلا ہی پیر اندر رکھا تھا کہ دھماکے کی آواز سنائی دی، حمید اچھل کر ایک طرف ہوگیا۔ دوسرا پیر زمین پر پڑا تھا کہ بیک وقت دو دھماکے سنائی دیئے۔ حمید پھر اچھلا...... پھر دھماکہ ہوا...... جیسے جیسے وہ برآمدے میں اچھلتا پھر رہا تھا دھماکوں کی رفتار بڑھتی جارہی تھی۔ سارے نوکر بھاگ کر ادھر ہی چلے آئے تھے اور سب حیرت سے اسے اچھلتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ ہر دھماکے کے ساتھ حمید کے پیروں سے چنگاریاں نکلتی معلوم ہوتی تھیں، آخر کار وہ بوکھلا کر برآمدے کے نیچے کود آیا۔ سارے نوکر اس کے گرد اکٹھے ہوگئے۔

"ابے گدھو...... تم نے برآمدے کی بجلی کیوں نہیں جلائی۔" وہ گرج کر بولا۔

"سرکار...... ابھی ابھی یہاں روشنی کر کے گیا ہوں!" ایک نوکر نے سہمی ہوئی آواز میں بتایا۔

"اچھا چلو جا کر بجلی جلاؤ۔" حمید نے کہا۔

وہ ڈرتے ڈرتے برآمدے میں گیا وہ سوئچ کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اس کے پیروں کے نیچے دھماکہ ہوا اور وہ چیخ کر نیچے آیا۔

سارے نوکر گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے، حمید چیختا ہی رہ گیا لیکن کسی نے پلٹ کر دیکھا

حمید ایک لمحہ تک کھڑا سوچتا رہا پھر جیب سے دیا سلائی نکال کر ایک تیلی جلائی اور اس ...ں میں برآمدے میں داخل ہوا۔

"ارے......!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ اس طرح چلنے لگا جیسے کسی چیز کو بچا ...دم رکھ رہا ہو، سوئچ بورڈ نزدیک ہی تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر بجلی جلادی، وہ حیرت سے ...ے فرش کو گھور رہا تھا۔ فرش پر بے شمار چھوٹی چھوٹی گولیاں بکھری ہوئی تھیں۔ حمید نے ...ی پر پیر رکھ دیا۔ پیر رکھتے ہی پھر دھماکہ ہوا۔ دفعتاً ایک خیال سرعت سے اس کے ذہن ...وں سے ٹکرایا، وہ دوڑتا ہوا اس کمرے کی طرف جارہا تھا جہاں تجوری رکھی ہوئی تھی۔ ...کا دروازہ کھلا ہوا تھا، اس کا دل دھڑکنے لگا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے دیا سلائی ...تجوری کھلی ہوئی نظر آئی۔ دیا سلائی پھینک کر اس نے جلدی سے بجلی جلائی اور تجوری پر ...ا۔ اس کی دانست میں جتنی چیزیں پہلے تھیں اتنی ہی اب بھی موجود تھیں۔ وہ پریشانی میں ...ا گڑنے لگا۔ دفعتاً اسے نوٹوں کے بنڈل پر ایک کاغذ رکھا ہوا نظر آیا۔ اسے اچھی طرح ...لہ جب صبح اس نے سرکاری کاغذات والا نوٹ بدلنے کے لئے تجوری کھولی تھی اس وقت ...وہاں موجود نہیں تھا۔ اس نے کاغذ اٹھالیا اس پر انگریزی میں ٹائپ کی ہوئی تحریر تھی۔

"جاسوس کے بچے

تیرے استاد نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔ اس وقت وہ میری قید میں ہے۔ جو چیز وہ اگروال کے یہاں سے اڑا کر لایا تھا میں لئے جارہا ہوں۔ اگر تم اپنے خیریت چاہتے ہو تو ...ش کرنے کی کوشش مت کرنا۔

میرے پیچھے لگنے کی سزا موت ہے۔"

...مید نے اس کاغذ کو احتیاط سے ایک طرف رکھ دیا اور تجوری کا ڈھکن بند کر کے تیزی ...ے سے باہر نکل گیا۔ ابھی وہ برآمدے ہی میں تھا کہ سڑک پر ایک کار اسٹارٹ ہونے ...از سنائی دی۔ وہ بھاگ کر پھاٹک پر آیا، کار مغرب کی طرف تیزی سے چلی جارہی تھی۔ ...نے جھنجھلاہٹ میں اپنے ہاتھ میں کاٹ لیا۔ فریدی کی کار بھی بگڑی پڑی تھی، چھوٹی کار

نکالنے کی ہمت نہ پڑی کیونکہ اس پر ابھی تک ہراہی رنگ چڑھا ہوا تھا۔ آخر بوکھلاہٹ میں اس نے اسی طرف دوڑنا شروع کر دیا جدھر وہ کار گئی تھی۔ خوش قسمتی سے تھوڑی ہی دور پر ایک ٹیکسی کھڑی ہوئی مل گئی۔ حمید دروازہ کھول کر اس میں بیٹھ گیا۔

''کہاں چلئے گا......!'' ڈرائیور نے کہا۔

''ادھر کوئی چاکلیٹی رنگ کی کار گئی ہے۔''

''جی ہاں ابھی ابھی گذری ہے۔''

''اس کا پیچھا کرو۔''

ڈرائیور نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر ٹیکسی اسٹارٹ کر دی۔

تھوڑی دیر چلنے کے بعد ایک چاکلیٹی رنگ کی کار دکھائی دی۔ اس کی رفتار بتدریج کم ہوتی جارہی تھی۔ حمید نے بھی ٹیکسی کی رفتار فاصلہ کی مناسبت سے کم کرا دی۔ کار اچانک ایک گلی میں گھوم گئی۔ حمید کی ٹیکسی جیسے ہی گلی کے سامنے پہنچی اس نے چاکلیٹی رنگ کی کار سے عجیب الخلقت آدمی کو اترتے دیکھا۔ حمید نے آگے بڑھ کر ٹیکسی کو رکوایا اور کرایہ دے کر اتر گیا۔ گلی میں میونسپلٹی کی لالٹینوں کی دھندلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کار ابھی تک وہیں کھڑی تھی اور اس میں سے اترنے والا آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا آگے کی طرف جارہا تھا۔ حمید چھپتا چھپاتا اس کا تعاقب کر رہا تھا اور ابھی مشکل سے سات بجے ہوں گے لیکن گلی بالکل سنسان تھی۔ کار سے اترنے والا پُر پیچ گلیوں سے گذرتا ہوا نہ جانے کہاں جارہا تھا۔ پھر دوسری سڑک پر آ گیا، یہاں بجلی کے قمقموں کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اب حمید نے غور سے دیکھا، اتنی خوفناک شکل آج تک اس کی نظروں سے نہ گذری تھی۔

بھیانک چہرہ

اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے سارے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی ہو۔ نہ جانے کیوں اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ واپس لوٹ جائے۔ ابھی وہ اسی تذبذب میں پڑا ہوا تھا کہ خوفناک

آدمی ایک ہوٹل میں گھس گیا۔ حمید شش و پنج میں پڑ گیا کہ وہ اندر جائے یا نہ جائے۔ پھر دفعتاً اسے اپنی اس کمزوری پر غصہ آنے لگا۔ یہ کیا حماقت ہے۔ آخر خوف کی کیا وجہ ہے اور پھر اس کا پیشہ ہی ایسا ہے کہ کسی وقت بھی جان خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ حمید بھی ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ شراب اور تمباکو کے دھوئیں کی ملی جلی بو سارے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں زیادہ تر متوسط طبقہ کے اوباش لوگوں کا مجمع نظر آیا کرتا تھا شہر کے بدنام ہوٹلوں میں سے یہ بھی ایک تھا۔ یہاں آئے دن نت نئی وارداتیں ہوا کرتی تھیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پولیس نے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔

بات دراصل یہ تھی کہ اس کا مالک سنتوش ایک ذی اثر آدمی تھا۔ آئے دن بڑے بڑے افسروں کی دعوتیں کیا کرتا تھا۔ اونچی سوسائٹی میں اسے کافی مقبولیت حاصل تھی۔ حمید ہوٹل کے اندر چلا تو گیا لیکن اسے یہ سوچ کر الجھن ہونے لگی کہ وہ یہاں کرے گا کیا۔ کیونکہ یہاں آنے والے زیادہ تر شرابی تھے۔ کوئی شریف آدمی مشکل ہی سے ادھر کا رخ کرتا تھا۔

حمید شراب نہیں پیتا تھا۔ لیکن اب تو آ ہی گیا تھا اور اسے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ وہ ایک خالی میز پر جا بیٹھا۔ بھیانک چہرے والا آدمی ٹھیک اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ ایک بار اس کی اور حمید کی نظریں مل گئیں۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے جسم سے برقی تار مس کر دیا ہو۔ اس کا چہرہ انتہائی خوفناک تھا۔ موٹی سی ناک، درمیان میں دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ نتھنے کافی چوڑے تھے جن کے گرد گھنی مونچھیں بہت زیادہ ڈراؤنی معلوم ہوتی تھیں۔ مونچھیں اتنی گھنی تھیں کہ دہانہ صاف نہیں دکھائی دیتا تھا۔ سر پر بڑے بڑے گھنگھریالے بال تھے، گھنے ابروؤں کے نیچے انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھیں کسی تاریک قبرستان میں جلتے ہوئے چراغوں سے کم خوفناک نہ تھیں۔ سانس لیتے وقت اس کے نتھنے پھولتے پچکتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ رخساروں پر کئی گہرے زخموں کے نشانات تھے۔ اس نے بیرے کو آواز دے کر شراب منگوائی اور پوری بوتل اتنی جلدی ختم کر دی جیسے اس نے شراب کی بجائے پانی پیا ہو۔ اس نے شراب اتنے بھونڈے پن کے ساتھ پی تھی کہ ابھی تک اس کی ٹھوڑی سے قطرے ٹپک

رہے تھے۔ اس نے انتہائی لاپروائی کے ساتھ ہاتھ سے منہ پونچھا اور کرسی سے ٹیک لگا کر اپنا بھدا سا پائپ سلگانے لگا۔ حمید سوچ رہا تھا۔

......تو یہی حضرت تھے جنہوں نے فریدی کی تجوری کھولی تھی۔ انتہائی چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اس نے برآمدے میں اس لئے پٹاخے ڈال دیئے تھے کہ آنے والوں کی آہٹ مل سکے۔ بلا کا مکار معلوم ہوتا ہے۔ اب حمید اسی فکر میں تھا کہ اس سے وہ چیز کس طرح حاصل کی جائے جو اس نے فریدی کی تجوری سے نکال لی تھی۔ لیکن صبح تو اسے تجوری میں کوئی چیز نہیں دکھائی دی تھی۔ پھر آخر اس نے اس میں سے کیا نکالا۔

دفعتاً حمید چونک پڑا۔ ایک بیرا نہایت خاموشی سے اس کی میز کے قریب آ گیا تھا۔

''بیئر اور مٹن چاپ۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔ بیرا اسے کوئی اناڑی پینے والا سمجھ کر مسکراتا ہوا چلا گیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ ایک کشتی میں گولڈن ایگل کی ایک بوتل اور کچھ مٹن چاپ لے کر واپس آیا۔ ''صاحب اگر کاک ٹیل پئیں تو لاؤں، ٹماٹر کی ہے، اور ابھی تیار ہوئی ہے۔'' بیرے نے میز پر کشتی رکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''نہیں......!'' حمید نے کہا اور بوتل اٹھا کر دیکھنے لگا۔ بیرے نے بوتل اس کے ہاتھ سے لے کر کاک نکالی اور میز پر رکھ کر گلاس آگے سرکا دیا۔

''کچھ اور صاحب......!'' اس نے جھک کر مودبانہ کہا۔

''نہیں......!'' حمید نے کہا اور گلاس میں بیئر انڈیلنے لگا۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نے کنکھیوں سے اس خوفناک آدمی کی طرف دیکھا جو آنکھیں بند کئے کرسی پر نیم دراز تھا، حمید اپنا گلاس بھر کر اس میں ناچتے ہوئے بلبلوں کو بغور دیکھنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ مٹن چاپ کھانے لگا۔ گلاس جوں کا توں بھرا ہوا رکھا تھا۔ پینے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد بیرا پھر ادھر سے گذرا۔

''اے بیرا......بل لاؤ۔'' حمید نے اسے روک کر کہا۔

''کیوں صاحب کیا قصور ہوا۔''

''نہیں بھائی......اس میں قصور کی کیا بات ہے۔''

''ابھی تو آپ کی سب چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔''

''تمہیں اس سے کیا۔''

''بہت بہتر حضور۔''

بیرا بل لے کر واپس آیا۔ حمید نے پلیٹ میں کچھ نوٹ رکھ دیئے۔ بیرا اسلام کر کے چلا گیا۔ حمید نے سگریٹ سلگائی اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر منہ سے دھوئیں کے دائرے نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔

بھیانک چہرے والا یک بیک چونک کر کاؤنٹر کی طرف دیکھنے لگا جہاں ایک خوش پوش آدمی کھڑا بارمین سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ بھی اٹھ کر اس کی طرف چلا گیا۔ خوش پوش آدمی کے قریب کھڑے ہو کر اس نے گرجدار آواز میں کہا......''بل......!''

بارمین نے ایک بیرے کو آواز دی۔

''صاحب کا کتنا ہوا'' اس نے بیرے سے پوچھا۔

''ساڑھے بارہ......!'' بیرے نے کہا۔

خوفناک چہرے والا دس دس کے دو نوٹ کاؤنٹر پر رکھ کر واپس ہونے کے لئے مڑا۔

''صاحب بقیہ روپے تو لیتے جایئے۔'' بارمین بولا۔

''بقیہ تمہارا بخشش......!'' خوفناک چہرے والے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

ابھی وہ ہوٹل کے باہر قدم نہ نکالنے پایا تھا کہ ایک قوی ہیکل آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ خوفناک چہرے والے نے اسے اس طرح گھورا جیسے کچا کھا جائے گا۔ قوی ہیکل آدمی مسکرایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر لاؤنج کی طرف جانے لگا۔ بھیانک چہرے والا نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ جا رہا تھا۔ حمید بھی اٹھ کر ان کے پیچھے چلا جب انہیں اندر داخل ہوئے پانچ منٹ گذر گئے تو وہ بھی لڑکھڑاتا اور ہچکیاں لیتا ہوا لاؤنج میں داخل ہو گیا۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے

ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ حمید نے ایک بھونڈا سا گانا گانا شروع کر دیا۔ قوی ہیکل آدمی نے آ کر اس کی گردن دبوچ لی۔

"کیوں ہلڑ مچاتا ہے۔" اس نے کہا۔

"ہم گانا گاتی ہے بھائی، ہم تم کو بھی سنائے گی" حمید نے ہچکی لی اور شرابی کا پارٹ ادا کرنا شروع کیا۔

"معلوم ہوتا ہے بہت چڑھ گئی ہے۔" اس نے کہا۔

"کہاں چڑھ گئی ہے۔" حمید نے نیچے سے اوپر تک اپنا جسم ٹٹولتے ہوئے کہا۔

"واہ بیٹا......!" قوی ہیکل آدمی بے اختیار ہنس پڑا اور حمید بے سدھ ہو کر ایک صوفے پر گر گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بالکل بے ہوش ہو گیا ہو۔ لیکن ہچکیاں بدستور جاری تھیں۔

قوی ہیکل آدمی پھر بھیانک چہرے والے کے پاس جا بیٹھا۔

"تم نے اس کا منی بیگ اڑایا تو بہت صفائی سے مگر استادوں کی نظروں سے کہاں چھپ سکتے ہو۔" اس نے کہا۔

"اچھا جی......!" بھیانک چہرے والا بولا۔

"آدمی تاؤ باز معلوم ہوتے ہو۔"

"تو پھر......!"

"نکالو...... آدھے آدھے کی رہی۔" قوی ہیکل آدمی نے کہا۔

بھیانک چہرے والا ہنسنے لگا۔

"تو نہ جانے کیسی بات کر رہا ہے، تلاشی لے لے مرے یار، تجھے دھوکا ہوا ہے۔" بھیانک چہرے والے نے کہا۔

دوسرے آدمی نے اچھی طرح اس کی جامہ تلاشی لی۔ وہ کھڑا مسکراتا رہا۔

"سچ مچ مجھے دھوکا ہوا۔" اس نے بیٹھ کر شرمندگی کے لہجہ میں کہا۔

"اچھا اب دیکھ...... یہ رہا منی بیگ۔!" بھیانک چہرے والے نے نہ جانے کہاں

منی بیگ نکال کر اس کے چہرے کے سامنے نچاتے ہوئے کہا۔

اچانک قوی ہیکل آدمی نے پستول نکال لیا۔

"خبردار...... منی بیگ میرے حوالے کر دو۔ میں جاسوس ہوں۔"

"ابے جا، تیرے جیسے بہت سے جاسوس دیکھے ہیں، ابھی ابھی ایک جاسوس کے پٹھے کو الو بنا کر آ رہا ہوں۔ ابے پہلے اپنی صورت تو دیکھ۔" بھیانک چہرے والے نے اس کا پستول والا ہاتھ پکڑ کر اس کی کنپٹی پر اس زور کا گھونسہ رسید کیا کہ پستول اس کے ہاتھ میں آ گیا اور قوی ہیکل آدمی ایک تنکے کی طرح اچھل کر دور جا گرا۔ بھیانک چہرے والے نے قہقہہ لگایا، پھر وہ آہستہ آہستہ اسکی طرف بڑھا۔ قوی ہیکل آدمی ابھی تک چاروں شانے چت فرش پر پڑا ہوا تھا۔

"اٹھ میرے لال!" بھیانک چہرے والا چمکارتا ہوا بولا۔ "چل تجھے دودھ پلا لاؤں۔"

قوی ہیکل آدمی بھیگی بلی کی طرح چپ چاپ اٹھ بیٹھا۔

"میں نے ابھی تک یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس میں ہے کتنا۔" بھیانک چہرے والے نے نی بیگ کھولتے ہوئے کہا۔ "چہ چہ...... صرف دو سو روپے...... کوئی غریب آدمی معلوم ہوتا ہے۔ بیچارے کا منی بیگ پھر اس کی جیب میں رکھ دینا چاہئے۔"

"کیوں...... واپس کیوں کرو گے۔" قوی ہیکل آدمی بولا۔

"ابے میں کوئی معمولی چور اچکا یا گرہ کٹ نہیں ہوں۔ اتنی چھوٹی چھوٹی رقمیں تو میں محلہ کے لونڈوں کو بانٹ دیتا ہوں۔"

"یار تم تو بڑے کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ چلو تمہیں اپنے استاد سے ملاؤں۔"

"وہ بھی تیری ہی طرح لونڈا ہوگا۔"

"ہے تو لونڈا ہی، پر بڑا بھیانک ہے۔"

"ابے جا، کچھ تو ہے کچھ تیرا استاد ہوگا۔ اچھا چل...... اب اس کا روپیہ اس کی جیب میں ال دیں، ورنہ بیچارا مفت میں پریشان ہوگا۔"

"واقعی تم عجیب آدمی ہو۔"

"اچھا اب باتیں مت بناؤ۔" اس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ وہ لابی کے قریب رک گیا اور اسے ایک ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔ "دیکھ لیا میرا نمونہ، چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دوں گا۔" کہہ کر وہ لاؤنج کے باہر چلا گیا۔ قوی ہیکل آدمی بھی اس کے ساتھ تھا۔

تنبیہہ

حمید تھوڑی دیر تک اسی طرح بے سدھ پڑا رہا۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے ایک اچھی خاصی حماقت کی تھی۔ تجوری میں اس نے جو تحریر پائی تھی اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ تجوری کھولنے والا اسے اچھی طرح جانتا ہے۔ ایسی صورت میں اسے بغیر بھیس بدلے اس کے سامنے ہرگز نہ آنا چاہئے تھا۔

ایسی غیر معمولی قوت رکھنے والا آدمی آج تک اس کی نظروں سے نہ گذرا تھا۔ اس کا گھونسہ تھا یا بجلی کے کرنٹ کا دھچکا۔ جس نے اتنے لحیم شحیم آدمی کو اتنی دور اچھال دیا تھا۔ خود اس کی پنڈلی میں جہاں اس نے ٹھوکر ماری تھی اس طرح کا درد ہو رہا تھا جیسے ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ اس نے کئی بار اٹھنا چاہا لیکن ہمت نہ پڑی۔ خوف محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں پھر اس سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ آج سے قبل اس کے دل میں کبھی اتنی بزدلی کے خیالات نہ پیدا ہوئے تھے۔

تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد وہ ہمت کر کے اٹھا، آہستہ آہستہ شرابیوں کی طرح لڑکھڑاتا ہوا باہر نکلا۔ پنڈلی کی چوٹ لنگڑانے پر مجبور کر رہی تھی۔ بہرحال اس وقت حمید کی حالت کسی بھی قسم کے شرابی کی سی ہو رہی تھی۔ وہ دونوں وہاں نہیں تھے۔ حمید سڑک پر آ گیا اور ٹیکسی کر کے گھر پہنچا۔ سب سے پہلے وہ تجوری والے کمرے میں گیا۔ ایک چیز ابھی تک اس کے ذہن میں خلش پیدا کئے ہوئے تھی اور وہ یہ کہ آخر تجوری میں سے کیا چیز غائب ہوئی۔

اس نے تجوری کا جائزہ لینا شروع کیا۔ نچلے خانے میں غور سے دیکھنے پر اسے ایک

پتلی سی دراز نظر آئی۔ وہیں قریب ایک کیل ابھری ہوئی تھی جس کا وہاں پر موجود ہونا بظاہر کوئی معنی نہ رکھتا تھا۔ حمید اس پر ہلکی ہلکی انگلی پھیرنے لگا۔ بے خیالی میں شائد اس کیل پر دباؤ پڑ گیا۔ دفعتاً ایک کھٹکا ہوا اور وہ دراز پھیلنے لگی۔ یہ ایک پوشیدہ خانہ تھا۔ حمید نے اس میں ہاتھ ڈال دیا، وہ خالی تھا۔ حمید سوچنے لگا۔ ضرور اسی خانہ سے وہ کوئی چیز لے گیا ہے۔ فریدی نے آج تک اسے اس خانہ کے متعلق نہ بتایا تھا۔ حالانکہ تجوری کی چابی عموماً اسی کے پاس رہا کرتی تھی۔ حمید نے تجوری بند کر دی۔ اس کے بعد کمرے کو مقفل کر کے کھانے کے کمرے میں آیا۔

فریدی کے اچانک غائب ہو جانے کی وجہ سے سارے ملازم پریشان نظر آ رہے تھے۔ گھر پر ایک عجیب سا ماتمی سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آوازیں کمپاؤنڈ میں گونج اٹھتی تھیں۔

حمید کھانا کھانے جا ہی رہا تھا کہ شہناز آ گئی۔

"کہئے حمید صاحب، خیریت تو ہے۔ یہ فریدی بھائی کا کیا معاملہ ہے۔ مجھے ابھی ابھی معلوم ہوا ہے۔" شہناز نے پوچھا۔

"معاملہ اتنا مختصر نہیں کہ چند جملوں میں بتا سکوں۔ بیٹھو کھانا کھاؤ...... سب کچھ بتاتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"کھانا کھا کر آئی ہوں۔" شہناز نے کہا۔

"تھوڑا اور سہی۔"

"نہیں......!"

"تمہاری خوشی۔"

"آپ تو ذرا ذرا سی بات پر منہ پھلا لیتے ہیں۔" شہناز تنک کر بولی۔

"تم غلط سمجھیں...... میں ذرا بڑے نوالے کھانے کا عادی ہوں اسلئے منہ کا پھولنا یقینی ہے۔"

"تو آخر آپ اس طرح منہ بگاڑ کر کیوں باتیں کر رہے ہیں۔"

"کیا آج لڑنے کا ارادہ کر کے آئی ہو۔"

"لیجئے صاحب چلی جاتی ہوں۔" شہناز اٹھتے ہوئے بولی۔

"ار......ارے......نہیں بھائی۔" حمید نے اٹھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

"نہیں میں عرصہ سے دیکھ رہی ہوں کہ آپ کو میری صورت دیکھ کر کچھ جھنجھلاہٹ سی محسوس ہوتی ہے۔"

"تو میں نے کیا کہہ دیا بابا......!" حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

"کچھ نہیں......آپ تو بڑے بھولے ہیں۔"

"نہیں......میں اُلو کا پٹھا ہوں۔"

"کیوں اپنے منہ میاں مٹھو بن رہے ہو۔" شہناز بے اختیار ہنستے ہوئے بولی۔

"خیر تمہیں ہنسی تو آئی۔" حمید نے کہا۔

"کھانا کھا چکنے کے بعد حمید نے پوری داستان کہہ سنائی۔ لیکن اپنے اور فریدی کے ڈاکہ ڈالنے کے واقعات نہیں بتائے۔"

"میں کیا بتاؤں......میں نے آج تک اتنا بھیانک چہرہ نہیں دیکھا۔" حمید بولا۔

"کہیں وہ فریدی صاحب ہی نہ ہوں۔ کیا آپ کرنل پرکاش والا واقعہ بھول گئے۔" شہناز نے کہا۔

"خیال تو مجھے بھی آیا تھا، لیکن یہ ناممکن ہے۔ فریدی صاحب بھیس ضرور بدل سکتے ہیں لیکن وہ اتنی طاقت کہاں سے لائیں گے۔ سوچ کر حیرت ہوتی ہے بھئی اس کا مد مقابل گھون[illegible] پڑتے ہی اس بُری طرح اچھلا تھا جیسے ربڑ کی گیند۔"

"واقعی تعجب کی بات ہے۔"

"اور تو اور یہ دیکھو......!" حمید نے اپنی پتلون کا ایک پائینچا سمیٹتے ہوئے کہا۔ "ظالم۔ ایک ٹھوکر مجھے بھی رسید کی تھی۔ یہ دیکھو پنڈلی میں ورم آ گیا ہے۔"

"بھئی خدا کے لئے آپ اس کے پیچھے مت لگئے۔"

"جو کچھ ہوا میری حماقت سے ہوا۔ جب میں یہ جانتا تھا کہ وہ مجھے پہچانتا ہے تو مجھے

بدلے اس کے پیچھے جانا ہی نہیں چاہئے تھا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔"

"ارادہ تو یہی ہے۔" حمید نے کہا۔

"آخر کیوں......؟"

"اس لئے کہ فریدی صاحب کو اسی نے غائب کیا ہے۔"

"بھئی میرا دل تو کہتا ہے کہ وہ فریدی صاحب ہیں۔" شہناز بولی۔

"یہ بھی ناممکن ہے......!" حمید نے کہا۔ "مجھ سے زیادہ فریدی صاحب کو کون جانتا ہے۔ وہ اتنے طاقت ور ہرگز نہیں۔"

"اچھا خیر چھوڑیئے ان باتوں کو......آپ کے اوپر تو ہر وقت سراغ رسانی کا بھوت سوار ہے۔" شہناز بولی۔

"اچھا تو آؤ پیار کی باتیں کریں۔" حمید نے کہا۔

"اچھا بس بس رہنے دیجئے۔" شہناز نے کھسیانی ہنسی کیساتھ کہا۔ "میں نے یہ کب کہا تھا۔"

"تم کہو یا نہ کہو، ہر عورت مرد سے ہر وقت صرف اپنے متعلق کچھ سننا چاہتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"آخر آپ اتنے فلسفی کیوں ہو گئے ہیں۔" شہناز بولی۔

"فریدی کی صحبت نے مجھے نہ جانے کیا کیا بنا دیا ہے۔"

"اچھا چھوڑیئے ان باتوں کو۔" شہناز بولی۔ "آخر فریدی صاحب شادی کیوں نہیں کرتے۔"

"نہیں عورت سے زیادہ اپنا فن عزیز ہے۔ یہ کچھ فریدی ہی پر منحصر نہیں، ہر فنکار شادی سے گھبراتا ہے۔ وہ عورتوں سے دوستی تو کر سکتا ہے لیکن مستقل طور پر کسی عورت کا پابند ہونا پسند نہیں کرتا۔"

"آخر اس کی وجہ......!" شہناز بولی۔

"بھئی آٹے دال کا چکر......اور کیا۔" حمید نے زنانہ لہجہ میں کہنا شروع کیا۔ "آج

ساری نہیں ہے۔ کل بلاؤز کم ہو گئے۔ یہ لپ اسٹک اچھی نہیں۔ میں تو کٹی کیورا پاؤڈر
کروں گی، ننھے میاں کے جوتے پھٹ گئے۔ منے میاں کو زکام ہو گیا۔ منی کو چھینکیں آ رہی ہیں
شہناز ہنسنے لگی۔

"غالباً آپ کو بھی اپنا فن بہت زیادہ عزیز ہوگا۔" شہناز بولی۔

"مجھے...... نہیں تو، میں اس محکمہ میں فن کے لئے جھک نہیں مار رہا ہوں۔ اس
حماقتیں فریدی جیسے لوگ ہی کرتے ہیں۔"

"پھر آخر آپ کس لئے اس محکمہ میں آئے ہیں۔"

"عورت کے لئے......!" حمید نے کہا۔

"کیا مطلب۔" شہناز تیز لہجہ میں بولی۔

"کوئی خاص مطلب نہیں۔ کسی بیکار آدمی کو تو کوئی اپنی بیٹی دیتا نہیں۔"

"اوہ......!"

"اور تم کیا سمجھی تھیں۔"

"کچھ نہیں۔"

"خیر...... بہر حال...... ہاں تو پھر میں اپنی شادی کب کر رہا ہوں۔"

"میں کیا جانوں۔"

"ارے تو کیا تم میرے ساتھ شادی نہ کرو گی۔"

"دیکھئے فضول باتیں نہ کیا کیجئے۔ اگر میرا بیٹھنا ناگوار ہو تو صاف صاف کہہ دیجئے"

"اچھا جی...... یہ باتیں فضول کب سے ہو گئیں۔"

"جب سے آپ نے اپنا رویہ بدل دیا۔"

"کیا تمہیں کوئی میرے خلاف بہکایا کرتا ہے۔"

"ہاں......!"

"کون ہے وہ اُلو کا پٹھا۔"

"میرا دل۔"

"تب تو وہ آدمی کا پٹھا ہے......!" حمید نے جلدی سے کہا۔ "آخر کیوں۔"

"اس لئے کہ آپ مجھ سے کافی کھنچے کھنچے رہتے ہیں۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر ہاتھ میں ایک لفافہ لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"ابھی ابھی ایک آدمی دے گیا ہے۔" نوکر نے لفافہ حمید کو دیتے ہوئے کہا۔

لفافے پر اس کا نام لکھا ہوا تھا۔ حمید نے خط جو انگریزی میں ٹائپ کیا ہوا تھا لفافے سے
کر پڑھنا شروع کیا۔

"میں دوسری مرتبہ تمہیں متنبہ کر رہا ہوں کہ میرے پیچھے مت لگو، ورنہ انجام کے ذمہ دار
ہو گے۔ تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ میرے خلاف تمہارے پاس کسی قسم کا کوئی ثبوت
۔ تمہارے استاد بخیریت ہیں، میرا جو مقصد تھا حل ہو گیا۔ مجھے تم سے یا ان سے کوئی دشمنی
۔ میں انہیں جلد چھوڑ دوں گا۔ انہیں میرے خلاف کوئی شکایت نہیں۔ اگر میں انہیں اس
غائب نہ کر دیتا تو وہ حضرت قتل کر دیئے جاتے۔ تم دونوں کے کرتوت سے میں اچھی طرح
ہوں۔ تمہارے استاد کا قاتل وہی تھا جس نے سیٹھ اگروال پر گولی چلائی تھی۔ وہ آج
ریدی کی تلاش میں ہے۔ اگر تم میں تھوڑی سی بھی عقل ہو تو اب میرا پیچھا مت کرنا۔ میں
م نہیں ہوں اس سے زیادہ مجھے اب کچھ نہیں کہنا۔"

حمید نے خط پڑھ کر شہناز کی طرف بڑھا دیا۔ خط پڑھتے ہی شہناز کے چہرے پر
اہٹ کے آثار پیدا ہو گئے۔

"تو پھر اب آپ کا کیا ارادہ ہے۔" شہناز بولی۔

"ارے ایسے ایسے بہت دیکھے ہیں۔ شیر طاقت سے مارتا ہے اور گیدڑ مکاری سے۔ ایسا
ؤں بیٹا کو کہ عمر بھر یاد کریں۔"

"تو آپ اس کا پیچھا کریں گے۔"

"یقیناً......!"

''اور میرا کہنا بھی نہ مانیں گے۔''

''بس اسی لئے تو فریدی صاحب شادی نہیں کرتے۔ عورت مرد کی سب سے
کمزوری ہے۔''

''خیر...... جو آپ کا دل چاہے کہئے۔'' شہناز نے سنجیدہ ہوکر کہا۔ ''اگر آپ نے
کہنا نہ مانا تو اچھا نہ ہوگا۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اس سے ملی ہوئی ہو۔''

''دیکھئے مذاق میں مت ٹالئے۔'' شہناز نے کہا۔ ''اب مجھے بھی زبردستی کرنی پڑے گی''

''وہ زبردستی کس قسم کی ہوگی۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

''وہ بھی دیکھ لیجئے گا۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نہیں چاہتیں کہ میری جان خطرے میں پڑے۔''

سر ہلا دیا۔

''آخر کیوں......؟''

''بس یونہی......!''

''کوئی وجہ......!''

''نہیں بتاتی وجہ۔''

''تو ہم بھی نہیں باز آتے۔''

''اگر نہیں باز آتے تو میں زہر کھالوں گی۔''

''تو کیا واقعی تم مجھے اتنا ہی چاہتی ہو۔''

''یہ میں نے کب کہا ہے۔''

''خیر تم اپنی زبان سے کبھی نہ کہو گی۔''

شہناز کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

''اوہ...... گیارہ بج گئے۔'' شہناز نے گھڑی کیطرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اب چلنا چا

''وہ تو ٹھیک ہے، مگر کیا پیدل جاؤ گی۔ اب اس وقت شائد قریب کوئی سواری بھی نہ مل
ریدی صاحب کی کار بگڑی پڑی ہے۔ کل اسے ورکشاپ بھجوا دوں گا۔''

''تو کیا ہوا......!'' شہناز نے کہا۔ ''ٹہلتی ہوئی چلی جاؤں گی۔''

''میں اسے ٹھیک نہیں سمجھتا۔ چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔''

''یکی اور پوچھ پوچھ!'' شہناز نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''تو کیا اسی طرح چلئے گا۔ جی نہیں
ین لیجئے بہت سردی ہے۔''

''اچھا بھئی۔''

ونوں آہستہ آہستہ بیلی روڈ کی طرف چل دیئے۔ سڑک پر بالکل سناٹا تھا۔ تھوڑی ہی دور
لے گئے کہ پیچھے سے ایک ٹیکسی آگئی۔ حمید نے آواز دے کر اسے رکوا دیا۔

''واقعی تم بڑی خوش قسمت ہو کہ اس وقت ٹیکسی مل گئی۔''

''بیلی روڈ!'' شہناز نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے کہا اور پھر کھڑکی سے سر نکال کر بولی۔
ئے جو کچھ میں نے کہا اس کے خلاف نہ ہونے پائے۔''

''اچھا......!'' حمید نے کہا۔ ''شب بخیر۔''

''شب بخیر۔''

ٹیکسی چل پڑی۔ بیلی روڈ پر پہنچ کر ڈرائیور نے پوچھا ''کدھر......!''

''پندرہ سو تیس......!'' شہناز نے بتایا۔

ٹیکسی شہناز کے مکان کے سامنے رک گئی۔ ڈرائیور نے اتر کر دروازہ کھولا اور شہناز
اے باہر آئی۔

''یہ لو......!'' شہناز نے پرس سے ایک نوٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

''میں کرایہ نہیں لیتا۔''

شہناز چونک پڑی۔ اس نے نیچے سے اوپر تک اسے دیکھا۔ یہ ایک لمبا تڑنگا آدمی تھا۔
نے اپنے السٹر کے کالر کان کے اوپر تک کھڑے کر رکھے تھے اور نائٹ کیپ چہرے پر جھکا

رکھی تھی۔

''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔'' شہناز نے اسے گھورتے ہوئے تیز لہجہ میں کہا۔

''میری اجرت صرف اتنی ہے کہ آپ سارجنٹ حمید کو میرا پیچھا کرنے سے کسی طر
روک دیجئے، ورنہ مفت میں اس کی جان جائے گی۔''

''تو کیا آپ......تو کیا آپ......!'' شہناز نے لرزتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں...... میں وہی ہوں جس کا تذکرہ آپ سے سارجنٹ حمید نے کیا تھا
بولا۔ ''مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں بلاوجہ کسی کو پریشان نہیں کرتا۔ لیکن اپنے را
میں آئے ہوئے آدمیوں کو معاف کردینا میرے بس سے باہر ہوتا ہے۔ اچھا اب جائیے
حمید کو اچھی طرح سمجھا دیجئے گا...... شب بخیر۔''

اس نے کار اسٹارٹ کردی۔ شہناز متحیر کھڑی تیزی سے دوڑتی ہوئی کار کو دیکھ رہی تھی

کچھ نئی باتیں

دوسرے دن حمید ذرا دیر سے آفس پہنچا۔ ابھی وہ بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ چیف انسپکٹر
یہاں طلبی ہوئی۔

''آج تم دیر میں آئے۔''

''جی ہاں دیر ہوگئی بات یہ ہے کہ کل کافی رات گئے تک ایک مشتبہ آدمی کے پیچھے را

''کس کیس کے سلسلہ میں۔''

''انہیں عجیب وغریب ڈاکوؤں کے کیس کے سلسلہ میں؟''

''میرے خیال سے تو ابھی میں نے یہ کیس کسی کے سپرد نہیں کیا۔''

''کیا عرض کروں۔ فریدی صاحب کا اس طرح غائب ہوجانا میرے لئے بہت ن

ں وہ ہے۔''

''اور کہیں تمہارا ابھی غائب ہوجانا ہم سب کے لئے تکلیف دہ نہ ہوجائے۔'' چیف انسپکٹر
کہا۔ ''تم لوگوں کا اس طرح بغیر کچھ کہے سنے کوئی کام شروع کردینا مجھے قطعی ناپسند ہے اور
ی کو تو جیسے اس کا خبط ہوگیا ہے...... خیر یہ دیکھئے۔''

چیف نے ایک کاغذ حمید کی طرف بڑھا دیا جس کے اوپر کسی کی انگلیوں کے نشانات
یا تم انہیں پہچان سکتے ہو۔ چیف نے پوچھا۔

حمید تھوڑی دیر تک ان نشانات کو دیکھتا رہا پھر نفی میں سر ہلا کر چیف کی طرف سوالیہ
ں سے دیکھنے لگا۔

چیف نے گھنٹی بجائی۔ ایک سارجنٹ کمرے میں داخل ہوا۔

''الف دو سو سات۔''

سارجنٹ چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک چمڑے کا تھیلا لاکر میز پر رکھا۔ چیف نے
کھول کر میز پر الٹ دیا۔ بہت سے کاغذات میز پر بکھر گئے اس نے ان میں سے ایک کاغذ
اس پر انگلیوں کے نشانات تھے۔ اس نے وہ کاغذ بھی حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
نوں کو ملاؤ۔''

''دونوں ایک ہی آدمی کی انگلیوں کے نشانات معلوم ہوتے ہیں۔'' حمید نے غور کرتے
ے جواب دیا۔

''جانتے ہو کس کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔'' چیف نے کہا۔

حمید کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ منہ فق ہوگیا۔ وہ سوچنے لگا کہیں یہ نشانات تجوری پر
تو نہیں حاصل کئے گئے؟ اگر ایسا ہے تو بُرے پھنسے، اس نے چیف کے چہرے کو بغور
ا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے دماغ پر گھونسہ رسید کردیا۔
نے اس کے چہرے کی بدلتی ہوئی رنگت دیکھ کر بولا۔

''گھبراؤ نہیں...... سب خیریت ہے۔ فریدی زندہ ہے۔'' چیف نے کہا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

"دیکھو فریدی کی عرضی ایک ماہ کے لئے رخصت کے لئے آئی ہے۔" چیف نے
کاغذ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ نشانات میں نے اس غرض سے حاصل کئے ہیں
عرضی چونکہ ٹائپ کی ہوئی ہے اور اس پر فریدی کے دستخط بھی نہیں ہیں اس لئے مجھے خیال
ہوا کہ شاید یہ بھی بدمعاشوں کی کوئی چال ہے۔ اس لئے اس پر انگلیوں کے نشانات دیکھنے
ضرورت پیش آئی۔ میرا خیال ہے کہ فریدی پوشیدہ طور پر تفتیش کر رہا ہے اور یہ معاملہ ہی
ہے کہ وہ پتہ لگائے بغیر نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔"

حمید کے ذہن میں وہ بھیانک چہرہ ناچنے لگا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ بھی اس کی چال
ہوتی ہے۔ ورنہ فریدی صاحب تو غائب ہونے کے بعد اپنی پرچھائیں تک سے بھڑکتے
ایسی صورت میں ان کا باہر سے چھٹی کی درخوست دے کر جتانا کہ میں یہاں موجود ہوں
معنی نہیں رکھتا۔ عرضی میں یہ بھی نہیں لکھا تھا کہ وہ بھیجی کہاں سے گئی ہے۔ اگر خود فر
صاحب کا ارادہ روپوشی کا ہوتا تو وہ کبھی چھٹی کی درخواست نہ دیتے کیونکہ انہوں نے ایسا
نہیں کیا تھا۔

"بہرحال حالات ناساز گار ہیں۔" چیف نے کہا۔

"جی ہاں......!"

"اچھا کل رات تم پیچھا کس کا کر رہے تھے۔"

"ایک بہت ہی بھیانک آدمی کا جسے میں نے ناولٹی میں دیکھا تھا۔"

"ناولٹی......وہی جس کا مالک سنتوش ہے۔"

"جی ہاں......!"

"اس پر تو عرصہ سے ہم لوگوں کی نظریں ہیں لیکن کبھی ایسا بہانہ ہاتھ نہیں آتا کہ ا
قلع قمع کیا جاسکے۔ وہ عیاشی کا ایک کھلا ہوا اڈہ ہے۔ لیکن کوئی ایسا ثبوت نہیں ملتا جس کی
کوئی کاروائی کی جاسکے۔"

"دراصل یہی چیز مجھے وہاں لے گئی تھی۔ مجھے شبہ ہے کہ اس ہوٹل میں عیاشی سے بھی
زیادہ بھیانک کوئی کام ہوتا ہے میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں لیکن میرا دل کہتا ہے کہ ان
وارداتوں کے سلسلے میں اس ہوٹل کا بھی کوئی نہ کوئی حصہ ضرور ہے۔" حمید نے کہا۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ فریدی کے غائب ہوتے ہی اچانک یہ وارداتیں
ہونی کیوں رک گئیں۔ جب کہ متواتر یہ سلسلہ جاری تھا۔" چیف نے کہا۔

حمید پھر بوکھلا گیا۔

"میرے خیال سے تو اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے۔ فریدی کے غائب ہوتے ہی
معاملہ خفیہ پولیس کے سپرد کر دیا گیا ہے۔"

"اچھا ایک اور چیز میری سمجھ میں نہیں آرہی۔" چیف نے کہا "کہ آخر فریدی کی عرضی پر
اس کے دستخط کیوں نہیں ہیں۔ ایک جاہل سے جاہل آدمی بھی یہ جانتا ہے کہ ٹائپ کی ہوئی بغیر
دستخط کی عرضیاں منظور نہیں ہوا کرتیں۔ میرا خیال ہے کہ اس عرضی کے سلسلہ میں اس کے ساتھ
کوئی زبردستی کی گئی ہے۔ فریدی نے عملاً اس پر دستخط نہیں کئے تا کہ ہماری توجہ خاص طور پر اس
کی جانب مبذول ہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔"

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"صرف سوچنے سے کام نہ چلے گا۔ ہمیں اس کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔ ابھی تک جو کچھ
بھی ہوا ہے میں اس سے مطمئن نہیں ہوں اور یہ طریقہ اختیار کر کے ہم آگے بڑھ ہی نہیں
سکتے۔ ابھی تک اس سلسلہ میں صرف اتنا ہی معلوم ہوا ہے کہ واردات والی رات کو پولیس کی وہ
لاری اسٹیشن کے پھاٹک پر دیکھی گئی تھی جسے ڈاکو اڑا لے گئے تھے جو شخص اس لاری کو چلا رہا تھا
اس کے متعلق سننے میں آیا ہے کہ وہ اس تصویر سے بہت ملتا جلتا ہے۔" چیف نے میز کی دراز
سے ایک تصویر نکال کر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ تو وہی ہے۔" حمید کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"کون......!"

"رات جس کا میں پیچھا کر رہا تھا۔"

"بہت اچھے۔" چیف انسپکٹر خوشی سے چیخا۔ "تو کیا وہ تمہیں ناولٹی میں ملا تھا؟"

"جی ہاں۔"

"تو یہ کہو کہ سچ مچ ناولٹی آج کل بدمعاشوں کا زور ہو رہا ہے۔" چیف نے کہا۔

"جانتے ہو، یہ کون ہے۔"

حمید نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"دلاور خان مشہور پشاوری قاتل، اس نے بہت سے خون کیے ہیں۔ دس سال ہوئے یہ افغانستان بھاگ گیا تھا۔ اس کے بعد سے قطعی لاپتہ رہا۔ اچانک پھر دکھائی دیا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اس کی رہائش گاہ کا بھی پتہ لگایا یا نہیں۔"

"اس کی نوبت ہی نہیں آنے پائی۔ وہ شاید مجھے پہچانتا تھا۔"

اس کے بعد حمید نے ہوٹل کی ساری داستان بیان کر دی۔

"بھئی وہ بے پناہ طاقت کا آدمی ہے۔ ایک بار اس نے صرف ایک گھونسہ میں ایک آدمی کی جان لی تھی۔ خیر اگر واقعی وہ اس شہر میں موجود ہے اور اس واردات میں اس کا بھی ہاتھ ہے تو بچ کر نہیں جا سکتا۔"

چیف نے گھنٹی بجائی۔ ایک آدمی اندر آیا۔

"انسپکٹر بیز جی کو سلام دو۔" چیف نے کہا۔

انسپکٹر بیز جی کو آتا دیکھ کر حمید کھڑا ہو گیا۔

"آج آپ کو دہلی ایکسپریس دیکھنا ہے۔" چیف نے سب انسپکٹر بیز جی سے کہا۔

"جی ہاں...... میں جا ہی رہا تھا۔" سب انسپکٹر بیز جی انگریزی میں بولا۔ "لیکن صاحب مجھے کوئی ایسا آدمی دیجئے جو واقعی کام کا ہو۔"

"حمید کو لے جائیے۔"

"بہتر ہے۔" سب انسپکٹر نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

دہلی ایکسپریس کے آنے میں ابھی کافی دیر تھی۔ حمید اور انسپکٹر بیز جی پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگے۔ دفعتاً حمید ایک آدمی کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ کوئی مارواڑی سیٹھ تھا۔ اس کا سامان پلیٹ فارم پر رکھا ہوا تھا۔ غالباً وہ بھی دہلی ایکسپریس کے انتظار میں تھا۔ حمید کو اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے اسے گذشتہ رات کو ناولٹی میں دیکھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی حمید کے ذہن میں فوراً خیال گونجنے لگا تھا کہ وہ کیوں نہ آج اس مہارواڑی کے بھیس میں ہوٹل جائے۔ انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ مارواڑی اس ہوٹل کا کوئی مستقل گاہک ہے کیونکہ پچھلی رات وہ کافی دیر تک ہوٹل کے منیجر سے باتیں کرتا رہا تھا اور دونوں کا لہجہ کچھ اس قسم کا تھا جس سے بے تکلفی کی بو آتی تھی۔ حمید سوچنے لگا کہ ضرور یہ کوئی لمبا سفر کرنے جا رہا ہے۔ تبھی تو اس کے ساتھ اتنا سامان ہے۔ مگر یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ وہ خود سفر کرے گا۔ بہت ممکن ہے۔ کہ وہ کسی کو رخصت کرنے آیا ہو۔

حمید کی نظریں اس مارواڑی سیٹھ پر تھیں اس کا سامان ایک فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں رکھا جا رہا تھا۔ پورا کمپارٹمنٹ ریزرو تھا۔ حمید نے ریزرویشن کارڈ پڑھا ڈبہ بمبئی تک کے لئے ریزرو ہوا تھا۔ مارواڑی کو اس ڈبہ میں تنہا بیٹھے دیکھ کر حمید کی جان میں جان آئی۔ وہ رات کے لئے پروگرام بنانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد انجن نے سیٹی دی اور گاڑی آہستہ آہستہ چلنے لگی۔

"کہئے صاحب سب ٹھیک تھا" حمید نے انسپکٹر سے پوچھا۔

"ٹھیک ہی تھا کیونکہ ہمارا لوگ کا ڈیوٹی لگایا جاتا ہے۔" انسپکٹر بیز جی نے کہا۔

آج حمید کے لئے اس وقت اسٹیشن آنا بہت ہی کارآمد ثابت ہوا۔

ہنگامہ

حمید شام کو جب گھر لوٹا تو شہناز کو اپنے انتظار میں پایا۔ حمید کو دیکھتے ہی وہ اچھل پڑی۔

رات کا واقعہ اتنے سہمے ہوئے لہجے میں بتانے لگی جیسے اسے ڈر ہو کہ کہیں وہ خوفناک چہرے والا یہیں آس پاس چھپا ہوا اس کی گفتگو نہ سن رہا ہو۔

"میں نے خود ہی اپنا فیصلہ بدل دیا ہے کون خواہ مخواہ اپنی جان خطرے میں ڈالے۔" حمید نے کہا۔

"مجھے یقین کامل ہے کہ فریدی صاحب بخیریت ہیں اور پوشیدہ طور پر اپنا کام کررہے ہیں۔" شہناز نے کہا۔

"میں تو اب تنگ آ گیا ہوں۔ خود بلاوجہ خطرے میں پھاند پڑتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ مجھے بھی لپیٹتے ہیں۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا" اور پھر بعد میں شکایت کرتے ہیں کہ تم نے میری ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کی۔ میں تو بہت جلد اس خدمت سے استعفیٰ دے دوں گا۔ میرے پاس اتنا روپیہ اکٹھا ہوگیا ہے کہ بآسانی کوئی تجارت کرسکتا ہوں۔"

"بس بنانے لگے ہوائی قلعے۔" شہناز ہنس کر بولی۔ "کتنا سرمایہ اکٹھا کرلیا ہے آپ نے۔ آپ کی تنخواہ ہے ہی کتنی۔"

"میرے پاس بیس ہزار روپیہ ہے۔"

"بیس ہزار...... کہاں ڈاکہ مارا تھا۔"

"ایک مرتبہ ایک کیس کے سلسلہ میں میں نے اور فریدی صاحب نے سادھو بن کر چالیس ہزار روپیہ کمایا تھا۔"

"تو اس میں سے بیس ہزار روپے آپ کو ملے تھے۔"

"نہیں پورے چالیس ہزار، فریدی صاحب اس قسم کی رقمیں نہیں رکھتے اور پھر انہیں کی کس بات کی ہے۔ لکھنؤ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، لاکھوں روپے کی جائیداد ہے۔"

"تو بقیہ بیس ہزار کیا ہوئے؟"

"بیس ہزار تو الگ ہیں۔ ان کو تو میں ہاتھ تک نہیں لگاتا۔ بقیہ بیس ہزار میں سے صرف دس ہزار رہ گئے ہیں۔"

"دس ہزار...... باقی کیا ہوئے۔"

"کمال کردیا...... ارے بھئی وہ خرچ ہوگئے۔ بھلا کوئی ہندوستانی جاسوس صرف تنخواہ کے بل پر اتنی نوابی کرسکتا ہے۔"

"تو یہ کہئے کہ آپ خیرات کے پیسوں سے مزہ کررہے ہیں۔"

"خیرات کے کیوں۔"

"خیرات نہیں تو اور کیا۔ سادھو اور فقیروں کو خیرات نہیں دی جاتی تو اور کیا؟ بیچارے غریبوں کی گاڑھے پسینے کی کمائی کو آپ لوگوں نے دھوکہ دے کر لوٹ لیا۔"

"ایسا تو نہیں۔" حمید نے کہا۔ "یہ مہارانی صاحبہ کا عطیہ ہے۔ چار سال ہوئے ہم لوگ ایک قاتل کی تلاش میں بنارس گئے وہاں پتہ چلا کہ وہ ایک بہت بڑے گروہ کا سرغنہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے ساتھی اور وہ خود عموماً سادھوؤں کے بھیس میں رہتا ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں نے اپنا جال پھیلانا شروع کردیا۔ فریدی کی شعبدہ بازیوں کی وجہ سے ہم لوگ بہت جلد مشہور ہوگئے۔ ایک بار فریدی نے کمال کردیا۔ رات کا وقت تھا۔ فریدی کے دربار میں معتقدین کا جمگھٹ تھا۔ دفعتاً زور کی آندھی چلی، سارے چراغ گل ہوگئے لیکن فریدی صاحب کا چہرہ اندھیرے میں جگمگا رہا تھا۔ بس پھر کیا تھا نعرے گونجنے لگے۔ آندھی ختم ہوجانے کے بعد چراغ دوبارہ جلائے گئے۔ اب ان کا چہرہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا تھا۔ اس دن کے بعد سے سارا بنارس الٹ پڑا۔ دور دور سے لوگ درشن کے لئے آنے لگے۔ روزانہ ہزاروں روپے کی بھینٹ چڑھتی تھی، لیکن فریدی صاحب سب کو واپس کردیتے تھے۔ ایک دن مہارانی صاحبہ ان کے درشن کو آئیں۔ یہ بیچاری اس وقت حاملہ تھیں کہ قدم اٹھانا دوبھر ہو رہا تھا۔ ان کے ساتھ ایک ٹریجڈی تھی اور وہ یہ کہ ان کا ہر بچہ مردہ پیدا ہوتا تھا۔ فریدی صاحب نے انہیں بہت زیادہ ڈپٹ کر دعا دی۔ جاتے وقت انہوں نے کچھ نذر کرنا چاہا مگر چونکہ میں فریدی صاحب کی عادت سے واقف تھا اس لئے میں نے ان کے بولنے سے قبل ہی رانی صاحبہ سے کہہ دیا کہ اس کا نام بھی نہ لیجئے گا ورنہ مہاتما جی ناراض ہوجائیں گے۔ مہارانی صاحبہ لوٹ گئیں۔ ان کے

جانے کے بعد فریدی صاحب نے مجھے خوب ڈانٹا اور کہا کہ ایسی موٹی اسامیوں کا مال جائز ہے۔ مہارانی صاحبہ اپنے حمل کے دن پورے کر رہی تھیں۔ تین چار دن کے بعد ان کے بچہ ہوا لیکن اس بار وہ سچ مچ زندہ رہا۔ ایک ہفتہ کے بعد مہاراجہ بہ نفس نفیس تشریف لائے اور ہمارے مہاتما کو ڈنڈوت کر کے ایک کونے میں چپ چاپ بیٹھ رہے۔ میرے شیر کے رعب کا یہ عالم تھا کہ مہاراجہ صاحب تھر تھر کانپ رہے تھے۔ آخر ڈرتے ہوئے انہوں نے ہزار ہزار کی چالیس گڈیاں مہاتما کے چرنوں میں رکھ دیں۔ مہاتما نے ایک ٹھوکر رسید کی لیکن میں نے بہت احتیاط سے انہیں اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ مہاراجہ صاحب نے التجا کی کہ ہم لوگ بنارس چھوڑ کر انہی کی ریاست میں رہیں۔ لیکن مہاتما جی نے وہ ڈانٹ پلائی کہ اوسان خطا ہو گئے۔ یہ ہے ان روپیوں کی کہانی۔"

شہناز بڑی توجہ کے ساتھ سن رہی تھی۔

"آخر ان کا چہرہ چمکنے کیسے لگا تھا۔" شہناز بولی۔

"خود فریدی کے تیار کردہ ایک نسخہ کی کرامت تھی۔"

"بھئی کمال کرتے ہیں آپ لوگ بھی۔" شہناز نے کہا۔ "اچھا پھر اُس ڈاکو کا کیا ہوا۔"

"دھر لیا گیا!" حمید نے کہا۔ "بھلا فریدی کسی کام میں ہاتھ ڈالے اور وہ ادھورا رہ جائے۔"

"تو بہرحال آپ لوگ اس طرح اچھی خاصی دولت پیدا کر لیتے ہیں۔" شہناز نے کہا۔

"اور اس پر بھی آپ استعفیٰ دینے پر تلے ہوئے ہیں۔"

"کیا کیا جائے...... سکون نہیں ملتا۔" حمید بولا۔ "اب یہی دیکھ لو کہ ابھی ابھی دفتر سے آ رہا ہوں۔ اب ایک گھنٹہ کے اندر مجھے چیف کے بنگلہ پر پہنچنا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ ایسی حالت میں کوئی شریف آدمی اس قسم کی ملازمت کیسے گوارا کر سکتا ہے۔"

"کیوں اب کہیں جانا ہے۔" شہناز نے کہا۔

"کچھ نہیں معلوم...... بس حکم ملا ہے۔"

"واہ یہ اچھی رہی۔" شہناز نے کہا اور پھر کچھ ادھر اُدھر کی باتیں چھیڑ دیں۔ حمید سمجھ رہا تھا

کہ شہناز یہ سن کر کہ ابھی اسے پھر چیف انسپکٹر کے یہاں جانا ہے چلی جائے گی اور وہ اطمینان سے آج رات کے پروگرام پر غور کرے گا۔ لیکن شہناز ٹس سے مس نہ ہوئی۔ حمید کو اختلاج ہونے لگا۔ آخر کس طرح اس سے چھٹکارا حاصل کرے۔ اگر اسے ذرا سا بھی شبہ ہو گیا کہ وہ پھر دلاور خاں کے چکر میں جا رہا ہے تو وہ اس کا ناطقہ بند کر دے گی۔ شہناز کی زبردستیوں پر اکثر اسے غصہ آنے لگا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ فریدی واقعی بڑا عقلمند ہے جب محبوب کے ہاتھوں یہ حال ہو جاتا ہے تو بیوی کتنی خطرناک ثابت ہوتی ہوگی۔

"ارے بھئی ذرا جلدی کھانا تیار کرو۔" حمید نے نوکر کو آواز دے کر کہا۔ "مجھے جلد ہی جانا ہوگا۔"

"ایسی بھی کیا جلدی۔" شہناز بولی۔ "ڈیوٹی تو پوری ہی کر آئے ہیں اب ذرا دیر ہی سہی۔"

"ہم لوگ چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر رہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"سب کہنے کی باتیں ہیں۔"

"نہیں کرنے کی باتیں ہیں۔"

"آپ سے زیادہ ڈرپوک آدمی میں نے آج تک دیکھا ہی نہیں۔" شہناز طنزیہ لہجہ میں بولی۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم نے اپنی اتنی عمر مفت ضائع کی۔" حمید نے کہا۔

"کیوں......؟"

"اس لئے کہ تم نے اب تک کوئی ڈرپوک آدمی نہیں دیکھا۔"

"دیکھ تو رہی ہوں۔"

اتنے میں کھانا آ گیا۔ دونوں نے کھانا کرنے کے بعد پھر لڑنا شروع کر دیا۔

"اچھا بھئی...... اب چلنا چاہئے۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "چلو تم کو تمہارے گھر چھوڑ کر میں چیف کے یہاں چلا جاؤں گا۔ آج گاڑی بن گئی ہے۔"

حمید نے کار نکالی اور شہناز کو لے کر اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے گھر چھوڑ کر واپسی میں بلا مقصد بڑی دیر تک سڑکوں کے چکر کاٹتا رہا۔ تقریباً آٹھ بجے وہ گھر لوٹا اور سیدھا

ڈریسنگ روم میں گھس گیا۔ ایک گھنٹہ کے بعد جب وہ وہاں سے نکلا تو برآمدے کی روشنی گل کر کے اندھیرے میں چھپتا چھپاتا نوکروں کی نظروں سے بچتا ہوا سڑک پر آ گیا۔ وہ اسی دوپہر والے مارواڑی سیٹھ کے بھیس میں تھا۔ تھوڑی دور پیدل جانے کے بعد اس نے ٹیکسی کی اور ناولٹی جا پہنچا۔ حسب دستور یہاں کافی چہل پہل تھی۔ اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن دلاور خان کہیں نہ دکھائی دیا۔ منیجر نے اسے دور ہی سے سلام کیا۔ حمید دانت نکال کر سلام کا جواب دیتے ہوئے ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں ہال میں نصب کئے ہوئے اس عورت کے بت پر پڑیں جس کے جسم کے گرد آج دوسری ساری لپیٹی گئی تھی۔ یہاں یہ بت بھی عجیب وغریب چیز تھا۔ دور سے بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سچ مچ کوئی انتہائی حسین عورت کھڑی ہو۔ روزانہ اس کے کپڑے تبدیل کر دیئے جاتے تھے۔ بت ایک چار پانچ فٹ کے دائرہ نما چبوترے پر نصب تھا۔" حمید دیر تک اسے گھورتا رہا۔

اس نے بیرے سے بیئر لانے کو کہا اور اونگھنے لگا۔

ابھی بیرا واپس نہیں آیا تھا کہ اسے کل والا وہی قوی ہیکل آدمی دکھائی دیا جو کل دلاور خاں کے ہاتھ پٹ گیا تھا۔ وہ سیدھا اسی کی طرف آ رہا تھا۔ حمید نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اس کا اندازہ تو اس نے کل ہی لگا لیا تھا کہ وہ بھی کوئی بدمعاش ہے۔ اس نے قریب آ کر مؤدبانہ انداز میں حمید کو سلام کیا اور اسکے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"کیوں سیٹھ جی آج کیا بات ہے۔ بہت کھوئے کھوئے نظر آ رہے ہو۔"

"کوئی بات نہیں......!" حمید نے مسکرا کر کہا اور کھانسنے لگا۔ "کیا بتاؤں سکھت جکام ہم کو ہو گیا ہے۔"

"یہ تو آپ کی آواز ہی بتا رہی ہے۔" وہ بولا۔ "موسم ہی ایسا ہے۔"

"موسم سالا حرامی ہے۔" حمید نے کہا۔ "آج اسی لئے بیئر پی رہا ہوں، تم کیا پیو گے۔"

"جو پلا دے میرا سیٹھ۔"

"تم اسکارچ پیؤ......!"

اس آدمی نے دانت نکال دیئے۔

اس کا تو حمید نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ آدمی مارواڑی سیٹھ سے کافی بے تکلف معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے اس نے احتیاط سے کام لینا شروع کر دیا تھا۔

"اے بیرا ایک بڑا اسکاچ اور سوڈا بھی لاؤ۔"

بیرا جلد ہی اسکاچ اور سوڈا لے آیا۔ دونوں پینے لگے۔ آج حمید جی کڑا کر کے زندگی میں پہلی بار پی رہا تھا۔

"کیوں سیٹھ آج کھیل نہ ہوگا۔" وہ آدمی اسکاچ کی چسکی لے کر بولا۔

"نہیں بھائی، آج طبیعت ٹھیک نہیں۔"

"آج ایک بڑی عمدہ چیز آئی ہے۔" وہ آدمی بولا۔ "میں آپ کا انتظار ہی کر رہا تھا۔"

"اچھا......!" حمید مسکرا کر معنی خیز انداز میں بولا۔ "اب وہ معاملہ کی تہہ تک پہنچ چکا تھا۔"

"ہاں سیٹھ......بس سمجھ لو پکا آم ہے۔"

حمید ندیدوں کیطرح ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ دونوں نے جلدی جلدی شراب ختم کی۔

"آؤ چلیں......!" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

حمید اس کے پیچھے ہولیا۔ ہال سے گذر کر انہیں کئی اور کمروں اور گلیاروں سے گزرنا پڑا۔ ایک کمرے میں پہنچ کر اس آدمی نے ایک الماری سے ربڑ کا توبڑا نکالا اور حمید کو پکڑا دیا۔ حمید سخت حیرت میں تھا کہ آخر اس کا کیا مطلب ہے۔

"کیا سوچ رہے ہو سیٹھ۔" وہ حمید کو شش و پنج میں دیکھ کر بولا۔

دفعتاً ایک خیال بجلی کی طرح حمید کے ذہن میں کوند گیا۔

"روز روز وہی پٹی، آخر تم ہمارا اعتبار کیوں نہیں کرتا۔" حمید نے وہ توبڑا اپنی آنکھوں پر چڑھاتے ہوئے کہا۔ "توبڑا اس کی آنکھوں پر اس طرح فٹ ہو گیا کہ روشنی کی ہلکی سی لکیر بھی نہیں دکھائی دیتی تھی۔ اب اس آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر چلنے لگا۔ وہ ڈھوروں کی طرح اس کے ساتھ جا رہا تھا۔ اس نے کئی بار سوچا کہ توبڑے کو ذرا سا کھسکا کر کم از کم

راستہ ہی دیکھ لے لیکن ہمت نہ پڑی اور اگر ہمت پڑ بھی جاتی تو وہ ایسا کر ہی کیسے سکتا تھا جبکہ اس آدمی نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ رکھے تھے۔

تھوڑی دیر بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی زینہ سے نیچے اتر رہا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ اب وہ کسی تہہ خانہ میں جا رہا ہے۔ زینہ طے کرنیکے بعد اسے تھوڑی دور اور اسی طرح چلنا پڑا۔ پھر اسکے دونوں ہاتھ چھوڑ دیئے گئے۔ اس نے جلدی سے تو بڑا اتار کر اپنے ساتھی کو پکڑا دیا۔

اس وقت وہ ایک بہت لمبے چوڑے تہہ خانہ میں تھا جہاں بے شمار میزیں اور کرسیاں پڑی تھیں اور لوگ بیٹھے جوا کھیل رہے تھے۔ ایک طرف کچھ لوگ زمین پر اوندھے پڑے چانڈو پی رہے تھے۔ حمید کا ساتھی اسے اپنے ساتھ لئے ہوئے ایک کمرے میں آیا۔ یہاں ایک عورت نیم عریاں حالت میں بیٹھی شراب پی رہی تھی۔ حمید اسے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ یہ شہر کے مشہور لکھ پتی کی نوجوان بیوی تھی۔

''کیا تمہیں اس گندے مارواڑی کے علاوہ کوئی اور نہیں ملا۔'' وہ کرسی سے اٹھ کر تیز لہجہ میں بولی۔ ''دور ہو جاؤ یہاں سے۔''

''سنئے تو سہی۔'' وہ بولا۔

''میں کچھ نہیں سنتی، تم اچھے خاصے گدھے ہو۔'' وہ چیخ کر بولی۔ ''نکالو اسے یہاں سے...... اگر کوئی اور نہیں تو تم خود کس سے کم ہو۔''

حمید کا ساتھی اسے پھر بڑے کمرے میں لے آیا۔ جہاں لوگ جوا کھیل رہے تھے۔

''سیٹھ تم یہاں بیٹھو، میں ابھی آیا، پھر دو دو ہاتھ ہوں گے۔'' اس نے کہا اور اسی کمرے میں واپس چلا گیا۔

اب حمید کی سمجھ میں اچھی طرح آ گیا تھا کہ یہاں کیا ہوتا ہے۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ دفعتاً وہ چونک پڑا، ایک میز پر دلاور خاں بھی جوا کھیل رہا تھا۔ ایک طرف آدھی بوتل شراب اور گلاس رکھے تھے۔ ہونٹوں میں موٹا سا سگار دبا ہوا تھا۔ حمید نے پھر ایک بیرے کو بلا کر بیئر کا آرڈر دیا۔ وہ اس میز پر بالکل تنہا تھا۔ جیسے ہی بیرا شراب لے کر آیا کسی طرف سے

آدمی اور آ کر میز پر بیٹھ گئے۔

''کیوں سیٹھ کیا ارادہ ہے۔'' ایک نے کہا۔ ''کیا آج کھیلو گے نہیں۔''

''ہوگا کھیل...... مگر زیادہ لمبا نہیں۔'' حمید نے اپنے مصنوعی غلیظ دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔

''آؤ تو ہو جائے۔'' دوسرا بولا۔

اتنے میں وہ شخص بھی آ گیا جو حمید کو اپنے ساتھ لایا تھا۔

''کہو استاد کیسی رہی......!'' وہ کھسیانی ہنسی ہنستا ہوا بیٹھ گیا۔

''چیز تو بڑھیا ہے۔'' حمید نے پھوہڑپنے کے ساتھ کہا۔

''ہوگی پر اپنے کام کی نہیں۔'' وہ بولا۔

پتے بانٹ دیئے گئے اور وہ چاروں بھی کھیلنے لگے۔ حمید برابر ہارے جا رہا تھا۔ اس نے محسوس کر لیا کہ پتے لگائے جا رہے ہیں اس لئے اس نے احتیاط سے کھیلنا شروع کر دیا۔ وہ برابر پتے پھینکتا جا رہا تھا۔

''آج چال نہیں چل رہے ہو سیٹھ کیا بات ہے۔'' ایک بولا۔

''آج پیسہ کم ہے۔'' حمید نے ہکا۔

''ارے تم اس کی پرواہ کیوں کرتے ہو۔ ادھار لے لو۔ اپنے ہی آدمی ہو کوئی غیر نہیں۔''

دفعتاً ایک دھماکہ کی آواز سنائی دی۔ سب چونک پڑے۔ دلاور خاں نے میز الٹ دی تھی اب کھڑا ہاتھ میں خالی بوتل لئے ہوئے تول رہا تھا۔ اس کے ساتھ کے تینوں کھلاڑی زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

''پتے لگاتے ہو۔'' وہ گرج کر بولا۔

پھر ایک ریوالور چلنے کی آواز سنائی دی۔ لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے۔ ایک قد آور آدمی جس نے اپنا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپا رکھا تھا ایک ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا۔ سارے تہہ خانہ میں سناٹا چھا گیا۔ کھیل بند ہو گیا، سب لوگ اپنی اپنی جگہ دم بخود کھڑے تھے۔ نقاب پوش آہستہ

آہستہ چلتا ہوا دلاور کے قریب آیا اور اسکے ہاتھ سے خالی بوتل چھین کر ایک طرف ڈال دی۔

دلاور خاں چپ چاپ کھڑا تھا۔

"کون ہو تم......!" نقاب پوش گرج کر بولا۔

دلاور خاں چپ چاپ کھڑا رہا۔

"اسے یہاں کون لایا ہے۔" نقاب پوش مجمع کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں......!" حمید کا ساتھی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ وہی ہے جس سے کل میری لڑائی ہوئی تھی۔"

"اچھا تو یہ وہی ذات شریف ہیں۔" نقاب پوش دلاور کیطرف دیکھ کر سر ہلاتے ہوئے بولا۔

دلاور خاں مسکرانے لگا۔

"تم نے یہاں ہڑبونگ کیوں مچائی۔" نقاب پوش تیز لہجہ میں بولا۔

"تمہارے کھلاڑی بے ایمانی کرتے ہیں۔" دلاور خاں نے پرسکون لہجہ میں کہا۔

"بکواس ہے۔" نقاب پوش نے کہا۔ "تمہارے پاس کیا ثبوت ہے۔"

"یہ دوہرے تاش......!" دلاور اسے تاش کی دو گڈیاں دکھاتے ہوئے بولا۔ "شریفوں کی جیب پر ڈاکہ ڈالو تو ایک بات بھی ہے ہم جیسے تو تم جیسوں کے لئے جیب میں ریوالور بھی موجود رکھتے ہیں۔"

"بڑے تیس مار خاں ہو!" نقاب پوش طنزیہ لہجہ میں بولا۔

"میں تیس دونا ساٹھ مار خاں ہوں بیٹا۔" دلاور خاں سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

نقاب پوش نے دلاور خاں کے منہ پر ایک گھونسہ مار دیا، دلاور لڑکھڑا گیا۔ شاید وہ اس کیلئے تیار نہ تھا۔ وہ جلد ہی سنبھل گیا۔ نقاب پوش نے دوسرا گھونسہ مارا۔ پھر تیسرا اور پھر اس نے گھونسوں کی بوچھاڑ کردی۔ دلاور خاموشی سے پٹ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد نقاب پوش ہانپنے لگا۔

"اچھا اب ایک میرا بھی سنبھالو۔" دلاور نے اسے ست ہوتا دیکھ کر کہا۔ دلاور کا ہاتھ پڑتے ہی نقاب پوش ڈھیر ہوگیا۔ اس کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اب کی دلاور نے اس کی ٹھوڑی پر ایک لات رسید کی، نقاب پوش بلبلا اٹھا۔

یہ دیکھ کر حمید کے ساتھی نے پستول نکال لیا، نہ جانے کس اچانک خیال کے تحت حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اوپر اٹھا دیا، گولی چل چکی تھی۔ بجلی کا بلب نشانہ ہوگیا اور سارے قحبہ خانہ میں اندھیرا چھا گیا۔ اندھیرے میں اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ لوگ ادھر اُدھر ایک دوسرے سے ٹکراتے پھر رہے تھے۔ کسی نے حمید کی کنپٹی پر ایک گھونسہ رسید کیا، وہ چکرا کر گرنے لگا۔ فوراً کسی نے اسے سنبھال لیا اور اپنی پیٹھ پر لاد کر لے بھاگا۔ وہ اوپر چڑھ رہا تھا۔ اوپر سیڑھی پر پہنچ کر اس نے حمید کو اتار دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف آہستہ آہستہ رینگنے لگا۔

"چپ چاپ چلے آؤ۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ حمید کا سر چھت سے ٹکرا رہا تھا۔ دونوں نے چھت ٹٹولنا شروع کی لیکن باہر جانے کا کوئی راستہ نہ ملا۔ چھت سے تقریباً ایک فٹ نیچے حمید کو چھت اور دیوار کے درمیان اتنی جگہ محسوس ہوئی جس میں ایک آدمی لیٹ کر بآسانی رینگ سکتا تھا۔ غالباً اس کے ساتھی نے بھی اسے محسوس کرلیا تھا۔

"ادھر چڑھ چلو......!" اس نے آہستہ سے کہا۔

دونوں اس دراز میں لمبے لمبے لیٹ گئے۔

"اب یہاں لیٹ کر کسی آنے والے کا انتظار کرنا چاہئے، یہاں دروازہ ضرور ہوگا ورنہ زینوں کی کیا ضرورت تھی۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"مگر اس طرح ہم لوگ دیکھ لئے جائیں گے۔" حمید نے کہا۔

"اچھا تو آگے کی طرف کھسکنا شروع کرو، دیکھیں ادھر کیا ہے۔" وہ بولا۔ دونوں لیٹے لیٹے رینگنے لگے۔ تھوڑی دور سرکنے کے بعد حمید نے عجیب قسم کی بدبو محسوس کی اور ساتھ ہی پانی بہنے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دینے لگی۔

دلاور آگے تھا۔ دفعتاً وہ رک گیا۔ اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکال کر روشن کی۔ آگے دو فٹ چوڑا اور تقریباً چار فٹ لمبا ایک گڑھا تھا۔ حمید اپنے ساتھی کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"نیچے کوئی گندہ تالاب بہہ رہا ہے۔" اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔ "مگر بدبو بہت ہے۔ اب چلو ایک تدبیر سمجھ میں آتی ہے کہ ہم لوگ اس میں کود پڑیں کہیں نہ کہیں تو جا کر

نکلیں گے۔"

اور اگر کبھی یہ نالا آگے چل کر نالی ہوگیا تو کیا ہوگا۔" حمید بولا۔

"اچھا، اور اگر یہاں پکڑے گئے تو کیسی خاطر ہوگی۔ یہ بھی سوچ لو میری جان۔ ہمارے
کے صلہ میں وہ تمہیں کافی کڑی سزا دیں گے۔ میرے خیال میں تو اس نالے میں گھٹ کر مر جا
کوئی اچھا نہ ہوگا۔"

"جیسی تمہاری مرضی......!" حمید نے بے بسی سے کہا۔

"اچھا تو پہلے میں کودتا ہوں۔" یہ کہہ کر دلاور اس گڑھے میں اتر گیا۔ نیچے سے اس نے
ٹارچ دکھائی اور حمید بھی کود پڑا۔ تقریباً چار پانچ فٹ چوڑا قد آدم نالا تھا۔ سارے شہر کا گندا پا
اس میں بہا کرتا تھا۔ حمید نے اپنی ناک مضبوطی سے دبا رکھی تھی۔ دونوں آہستہ آہستہ بڑھنے
لگے۔ پانی حمید کی کمر تک تھا۔

"میرا تو دم گھٹ رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں...... یہ نالا ہرگز نالی نہیں ہوسکتا ہے۔"

"لیکن ہم کب تک اس طرح چلتے رہیں گے۔ باہر نکلنے کی کیا صورت ہوگی۔" حمید نے کہا۔

"تم نے سڑکوں پر بعض جگہ لوہے کی جھنجھریاں لگی ہوئی دیکھی ہوں گی۔ ان کا تعلق نا
سے ہے گھبراؤ نہیں۔"

تھوڑی دیر چلنے کے بعد پانی کی سطح پر روشنی کے کئی لہریئے دکھائی دیئے۔

چلو جھنجھری بھی آگئی۔" حمید نے کہا۔

"پاگل ہوئے ہو، اس جگہ کافی آمد و رفت معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہاں اوپر نکلے تو ہم
خاصی حجامت بن جائے گی۔ تم تو خیر بچ ہی جاؤ گے لیکن میرے سلسلہ میں کافی چھان بین
جائے گی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ میں جیل میں نظر آؤں گا۔"

"بھلا میں کیسے بچ جاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"حمید میاں، تم مارواڑی کے بھیس میں مجھ سے نہ چھپ سکو گے۔" دلاور خاں ہنس

لا۔ "خیر چلو...... میں نے تمہیں معاف کردیا۔ اگر آج تم میرے پیچھے نہ لگتے تو میں دوسری
نیا میں ہوتا۔"

"کیا واقعی تمہارا تعلق ان لوگوں سے نہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہرگز نہیں...... میں ان لوگوں سے بدلہ لئے بغیر نہ چھوڑوں گا۔"

"آخر یہ لوگ ہیں کون۔" حمید نے پوچھا۔ "اور وہ نقاب پوش کون تھا۔"

"ناولٹی کا مالک سنتوش......!" دلاور نے کہا۔ "یہ لوگ صرف یہیں تک محدود نہیں،
نہوں نے اپنا جال دور دور تک پھیلا رکھا ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو کل ہی......"

"جی ہاں کل ہی آپ انہیں گرفتار کرلیں گے۔" دلاور نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "ان کے
لاف ثبوت کیسے مہیا کرو گے۔"

"تہہ خانہ اور اس کی غیر قانونی حرکتیں۔" حمید نے کہا۔

"تو کیا تم اس تہہ خانہ میں دوبارہ پہنچ جانے کی امید رکھتے ہو۔" دلاور نے کہا۔ "کیا
تمہاری آنکھوں پر پٹی نہیں باندھی گئی تھی۔"

"ہم لوگ اسی نالے کی راہ سے حملہ کریں گے۔" حمید نے کہا۔

"بہت خوب......!" دلاور نے ہنس کر کہا۔ "وہ گڑھا اسی وقت پاٹ دیا جائے گا اور کل
تمہیں اس کا نشان تک نہ ملے گا۔"

"خیر چھوڑو......!" حمید نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تم نے فریدی صاحب کو کیوں گرفتار کر رکھا ہے۔"

"فریدی کو آج چھوڑ دیا ہے۔" دلاور نے کہا۔ "کیا وہ گھر نہیں پہنچا۔"

"نہیں......!" حمید نے کہا۔

"تو پھر مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ سنتوش کے ہتھے نہ چڑھ گیا ہو۔"

"نہیں......!" حمید نے کہا۔

"میری تو خاک سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کیا ہو رہا ہے۔" حمید نے بے بسی سے کہا۔

''چیز ہی ایسی ہے کہ اسے سیٹھ اگروال، فریدی، سنتوش اور میرے علاوہ کوئی اور جان بھی نہیں سکتا۔''

''اچھا تم نے فریدی کی تجوری سے کیا چیز غائب کی تھی۔'' حمید نے پوچھا۔

''یہی تو ہمارا راز ہے، جو بتایا نہیں جاسکتا۔'' دلاور نے کہا۔ ''آخر فریدی نے تم سے کیوں چھپایا تھا۔''

''یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔'' حمید نے کہا۔

''اچھا دیکھو وہ روشنی دکھائی دے رہی ہے۔ یہ جگہ سنسان معلوم ہوتی ہے۔'' دلاور نے کہا۔

حمید نے اوپر سر اٹھا کر دیکھا۔ جھنجھری سے دھندلی دھندلی روشنی آتی دکھائی دے رہی تھی۔ سڑک کا یہ حصہ کافی ویران معلوم ہوتا تھا۔ حمید نے دونوں ہاتھ اٹھا کر جھنجھری میں ٹکا دیئے اور زور لگانے لگا لیکن جھنجھری میں جنبش بھی نہ ہوئی۔ دلاور ہنسنے لگا۔ اس نے حمید کو ایک طرف ہٹا دیا۔

چند منٹوں کی جدوجہد کے بعد وہ جھنجھری کو اس کی جگہ سے ہٹانے میں کامیاب ہوگیا۔ دونوں اچھل کر باہر آئے۔ جھنجھری پھر وہیں فٹ کردی گئی۔ حمید سردی کی وجہ سے بُری طرح کانپ رہا تھا۔ لیکن دلاور پر کوئی خاص اثر نہ معلوم ہوتا تھا۔

''اچھا شکریہ!'' دلاور نے حمید سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ''تم نے میری جان بچائی ہے۔''

''اور تم نے میری......!'' حمید نے کہا۔ ''دونوں برابر ہوگئے۔''

''مطلب......!'' دلاور ہنس کر بولا۔

''یہی کہ اگر آسانی سے کبھی میرے ہتھے چڑھ گئے تو چھوڑوں گا نہیں۔'' حمید نے کہا۔

''لونڈے ہو حمید میاں، چالیس سال سے آزاد پھر رہا ہوں ابھی تک تو کوئی مائی کا لال ایسا پیدا نہیں ہوا جو مجھے پکڑ سکے۔''

''خیر دیکھا جائے گا۔'' حمید بولا۔ ''اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔''

ہینڈز اپ

حمید نے دوسرے دن ساری روئیداد چیف انسپکٹر کو سنائی۔ وہ سناٹے میں آ گیا۔

''واقعی فریدی کی صحبت نے تم پر گہرا اثر ڈالا ہے۔'' چیف نے کہا۔ ''اُس وقت کوئی انسپکٹر تمہارا مقابلہ نہیں کرسکتا۔''

''ذرہ نوازی ہے آپ کی۔''

''اور مجھے حیرت ہے کہ آخر فریدی تمہاری ترقی کی راہ میں رکاوٹیں کیوں ڈالتا رہتا ہے۔''

''دراصل وہ یہ نہیں چاہتے کہ میں اُن سے الگ رہوں۔'' حمید نے کہا۔

''اچھی سنک ہے۔'' چیف نے کہا۔ ''اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے دلاور خاں کو کیوں نکل جانے دیا۔''

''اس وقت میں کر ہی کیا سکتا تھا۔''

''دیکھو یہ بہت اچھا موقع ہے۔ جب دو بدمعاشوں میں کھٹ پٹ ہوجائے تو ہمیں اس پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ غالباً تم میرا مطلب سمجھ گئے ہوگے۔''

''بہت اچھی طرح۔''

''تو آج رات کو ہم لوگ ناولٹی چل رہے ہیں۔'' چیف نے کہا۔ ''تہہ خانہ میں پہنچنا تو بکانی محال ہے کیونکہ وہ لوگ اب کافی محتاط ہوگئے ہوں گے۔''

''یہ تو ہے۔''

''جب تک ہمارے پاس مکمل ثبوت نہ ہو ہم ان لوگوں کو گرفتار نہیں کرسکتے۔'' چیف نے ''دلاور خاں پر بھی کسی نہ کسی طرح ہاتھ پڑنا ہی چاہئے۔''

''محال ہے۔''

"کیوں......؟"

"بہت چالاک آدمی ہے۔" حمید نے کہا۔ "مجھے تو اس بات پر حیرت ہے کہ وہ اس طرح آزادانہ کس طرح گھومتا پھرتا ہے۔"

"یہاں اسے کوئی پہچانتا نہیں۔" چیف نے کہا۔

"ایک صورت سے ہمیں اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"وہ کیسے؟"

"فی الحال ہم لوگ اسے اپنے ساتھ ملا لیں وہ بھی ان لوگوں کا جانی دشمن ہو رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"لیکن یہ ہوگا کیسے......!" چیف نے کہا۔

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔"

اسی دن ناولٹی ہوٹل کے ایک کمرے میں دلاور بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ یہ ایک بہترین طرز پر سجایا ہوا چھوٹا سا کمرہ تھا۔ دلاور نے طویل انگڑائی لیتے ہوئے گھڑی دیکھی اور سگار سلگا کر ہونٹوں میں دباتے ہوئے صوفے کے تکیہ سے لگ گیا۔ دفعتاً ایک آدمی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ دلاور نے پلٹ کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔ آنے والا کچھ دیر تک اس کے پیچھے کھڑا اسے گھورتا رہا۔

"فرمائیے کیسے تکلیف کی۔ میرے لائق کوئی خدمت......!" وہ آدمی بولا۔ دلاور ایک خاص انداز میں مسکرا کر پلٹا۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"غالباً میں سنتوش بابو سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔" دلاور نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تشریف رکھئے۔" سنتوش نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "فرمائیے۔"

"تکلف برطرف۔" دلاور تیز لہجہ میں بولا۔ "میں اپنے کل رات کو ہارے ہوئے روپے واپس لینے آیا ہوں۔"

"ہارے ہوئے روپے!" سنتوش نے متحیر ہو کر کہا۔ "شاید آپ بھول رہے ہیں، ہمارے یہاں جوا نہیں ہوتا۔ آپ کہیں اور ہارے ہوں گے۔"

"اور آپ کا دانت بھی کہیں اور ٹوٹا ہوگا۔" دلاور نے طنزیہ لہجے میں کہا "اور آپ کی ٹھوڑی پر ٹھوکر بھی کہیں اور پڑی ہوگی۔"

"آپ نہ جانے کیسی باتیں کر رہے ہیں۔" سنتوش نے کہا۔ "شاید آپ زیادہ پی گئے ہیں۔"

"ممکن ہے۔" دلاور نے کہا۔ "لیکن اتنا یاد رکھنا کہ دلاور خاں پشاوری سے ٹکر لینا آسان کام نہیں۔" دلاور نے اٹھتے ہوئے کہا۔

سنتوش آنکھیں پھاڑے ہوئے اُسے گھور رہا تھا۔

"تو استاد پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا تھا۔" سنتوش نے آہستہ سے کہا اور اسکا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔

"تم نے پوچھا کب تھا......!" دلاور نے لاپروائی سے کہا۔

"تو آپ ادھر کب سے آئے۔"

"حال ہی میں آیا ہوں اور تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ میں سیٹھ اگروال کیلئے کام کر رہا ہوں۔"

"سمجھا......لیکن آپ کو اس سے کیا فائدہ ہوگا، جب کہ میرے علاوہ اور کوئی دوسرا اس چیز کے راز سے واقف نہیں۔"

"تو وہ چیز تمہیں نے اڑائی تھی۔"

"نہیں......مجھ سے پہلے ہی کوئی اڑا لے گیا اور اسی رات کو جب میں نے بھی اس کے لئے کوشش کی تھی۔"

"اور پھر تم نے اسی جھلاہٹ میں اگروال پر گولی چلا دی۔"

"یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔" سنتوش بے ساختہ بولا۔

"مجھ سے اس شہر کے کسی بدمعاش کی کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔"

"تو پھر آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ وہ چیز کون لے گیا۔"

"ابھی تو نہیں لیکن میں اس کا پتہ جلد لگا لوں گا۔"

"آپ وہ چیز اس سے حاصل کر کے سیٹھ اگروال کو دے دیں گے۔"

"ہاں......!"

"اگر آپ اس چیز کے راز کو جانتے ہوتے تو کبھی ایسی بات نہ کہتے۔" سنتوش نے کہا۔

"خیر سیٹھ اگروال اسے دوبارہ پا جانے پر بھی کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔"

"میں اسے سمجھ سکتا ہوں لیکن مجھے اس سے کیا۔ میں اسے اس کے حوالے کر کے اس سے مناسب معاوضہ وصول کرلوں گا۔"

"کوئی اس کی قیمت لگا ہی نہیں سکتا۔"

"میں یہ بھی جانتا ہوں۔" دلاور نے کہا۔

"اگر آپ یہ بھی جانتے ہیں تو پھر اسے حاصل کر کے میرے حوالے کر دیجئے۔"

"آدھے آدھے کی رہی۔"

"چلو منظور۔" دلاور نے کہا۔ "لیکن پہلے مجھے وہ تعویز دکھا دو۔"

"ارے......!" سنتوش چونک کر بولا۔ "تو کیا آپ یہ بھی جانتے ہیں۔"

"میں کیا نہیں جانتا۔" دلاور بولا۔ "لاؤ اسے جلدی لاؤ، ورنہ سب معاملہ عنقریب گڑبڑ ہو جائے گا۔"

سنتوش کچھ سوچنے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ پٹھان بات کے پکے ہوتے ہیں۔" سنتوش نے کہا۔ "میں آپ کو وہ تعویز دکھا تو دوں لیکن میری ساتھ دغا نہ کیجئے گا۔"

"دغا تو میں سیٹھ اگروال کے ساتھ بھی نہ کروں گا۔"

"کیا مطلب......؟" سنتوش چونک کر بولا۔

"یہی کہ میں نے اس چیز کی واپسی کا وعدہ کیا ہے، وہ چیز اسے واپس کی جائے گی۔ یہ

ر بات ہے کہ گودا ہمارا ہوا اور چھلکا اُس کا۔"

سنتوش نے قہقہہ لگایا۔

"مانتا ہوں استاد......!" یہ کہہ کر وہ اٹھا اور باہر جانے لگا۔

"ٹھہرو......!" دلاور نے کہا۔ "یہ بھی سن لو کہ میں صرف ایمانداروں کے ساتھ ایمانداری برت سکتا ہوں۔"

"اس سے آپ مطمئن رہئے۔ میری بات بھی پکی ہی ہوتی ہے۔"

سنتوش چلا گیا۔ دلاور نے بجھا ہوا سگار سلگایا اور آنکھیں بند کر کے صوفہ پر نیم دراز ہو گیا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد سنتوش لوٹا۔ اس کے ہاتھ میں چمڑے کی ایک تھیلی تھی۔

"یہ لیجئے۔" سنتوش نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

دلاور نے تھیلی کھول کر اس میں سے ایک چھوٹا سا کاغذ نکالا اور اسے بغور دیکھتا رہا۔

پھر سنتوش کو واپس کرتے ہوئے بولا۔ "میرے خیال سے اسے جلا دو۔"

"کیوں......؟"

"اسلئے کہ جو شخص وہ چیز اگروال کے یہاں سے لے گیا ہے وہ اس کی فکر میں بھی ہوگا۔"

"ارے تو اب ایسا کوئی نہیں کہ سنتوش کے قبضہ سے اسے نکال لے جائے۔" سنتوش نے اکڑ کر کہا۔

"کرنے لگے وہی بچپنے کی باتیں۔" دلاور نے کہا۔ "فرض کرو کہ میں نے ہی اس چیز کو اڑایا ہوا اور اس وقت میں نے تمہیں دھوکہ دے کر اس کی دوسری کڑی بھی معلوم کرلی۔"

سنتوش نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

"اچھا میں آپ کے کہنے پر عمل کروں گا۔" سنتوش نے کہا۔

"تو اب میں چلتا ہوں، رات کو کسی وقت آؤں گا اور ہاں ذرا ہوشیار رہنا۔ یہاں کے باسوں کی تم پر کڑی نظر ہے۔ کل تو ایک تمہارے تہہ خانہ میں بھی پہنچ گیا تھا۔" دلاور نے کہا۔

"مجھے سب معلوم ہے۔ تہہ خانہ کا راستہ ان کے باپ کو بھی نہیں معلوم ہو سکتا اور یہاں

اور کوئی ایسی چیز نہیں جسکی بناء پر وہ مجھے ہاتھ لگاسکیں، ان سے تو میں اچھی طرح نپٹ لوں گا۔"

دلاور سنتوش سے ہاتھ ملا کر باہر چلا آیا۔

اسی رات کو حمید اور چیف ناولٹی ہوٹل کی طرف جارہے تھے۔ چیف کا بنگلہ شہر کے باہر واقع تھا۔ اس لئے شہر جانے کے لئے انہیں سڑک کا ایک بہت بڑا ویران حصہ طے کرنا پڑتا تھا۔ رات کو تقریباً آٹھ بجے تھے۔ ٹیکسی کی روشنی تاریک رات کا سینہ چیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ آج انہیں ایک ٹیکسی اس غیر آباد علاقہ میں مل گئی، ورنہ انہیں پیدل ہی آنا پڑتا۔ فریدی کی کار جو حمید کے استعمال میں رہتی تھی وہ آج پھر خراب ہوگئی تھی۔

ابھی وہ تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ انہیں بیچ سڑک پر ایک آدمی ہاتھ اٹھائے ہوئے کھڑا دکھائی دیا۔ اس نے اپنے چسٹر کے کالر کھڑے کر رکھے تھے اور نائٹ کیپ آگے کی طرف اس طرح جھکا رکھی تھی کہ چہرہ صاف نظر نہیں آرہا تھا۔

ڈرائیور نے اسکے قریب پہنچ کر ٹیکسی روک دی۔ وہ شخص کھڑکی کے قریب آکر کھڑا ہوگیا۔

"ہینڈز اپ......!" اس نے ریوالور نکال کر ٹیکسی کے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا۔

"تم دونوں نیچے اتر آؤ......" پراسرار اجنبی نے حمید اور چیف انسپکٹر سے تحکمانہ لہجہ میں کہا۔

دونوں خاموشی سے ہاتھ اٹھائے ہوئے نیچے اتر آئے۔

"جاؤ بیٹا۔" پراسرار اجنبی نے ڈرائیور سے کہا۔ "اپنے استاد سے کہہ دینا کہ میرے شکار پر ہاتھ نہ ڈالا کرے ورنہ اچھا نہ ہوگا۔"

ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔ اجنبی نے دو تین ہوائی فائر کئے اور ٹیکسی نظروں سے غائب ہوگئی۔ اب وہ اجنبی ان دونوں سے مخاطب ہوا۔

"ناولٹی ہوٹل اچھی جگہ نہیں...... خصوصاً شرفاء کے لئے۔" اس نے کہا۔

"تم کون ہو۔" حمید گرج کر بولا۔ "خیریت اسی میں ہے کہ ریوالور جیب میں رکھ لو۔"

"ناراض ہونے کی ضرورت نہیں سرکار...... یہ لیجئے۔" اجنبی نے ریوالور جیب میں ڈال لیا۔

"آخر تم ہو کون......؟" چیف نے پوچھا۔

"دوست" یہ کہہ کر اجنبی نے سگریٹ سلگانے کی دیا سلائی جلائی اور حمید کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"فریدی صاحب......؟"

"فریدی......!" چیف نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا......؟"

"بس چپ چاپ گھر کی طرف چلے چلئے۔ اگر میں وقت پر نہ پہنچ جاتا تو آپ لوگ گئے تھے ہاتھ سے۔"

وہ تینوں واپس جانے کے لئے مڑے۔

"آخر بات کیا ہے۔"

"اس سنسان راستہ پر کبھی اور بھی آپ کو کوئی ٹیکسی ملتی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں...... لیکن اس سے کیا بحث۔"

"یہی تو خاص چیز ہے۔ آپ لوگوں کو غائب کرانے کا پروگرام بنایا گیا تھا، بدمعاشوں کو کسی طرح اطلاع مل گئی تھی کہ آج آپ لوگ ناولٹی میں آنے والے ہیں۔ اس لئے انہوں نے پہلے ہی سے آپ کی سواری کا انتظام کردیا تھا۔"

"تمہیں ان سب باتوں کی اطلاع کیسے ہوئی۔" چیف نے کہا۔

"ظاہر ہے کہ میں اتنے دنوں تک محض جھک نہیں مار رہا تھا۔"

"وہ کچھ سہی...... لیکن تم کسی نہ کسی دن اپنی جان خطرے میں ضرور ڈال لو گے۔ آخر اس طرح کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"اپنا اپنا طریقہ کار ہے اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ مجھے خطروں سے کتنا پیار ہے۔" فریدی بولا۔

"مگر مجھے تمہارا یہ طریقہ پسند نہیں۔" چیف نے کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن کیا کروں میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں۔ بعض کیس ہی ایسے ہوتے ہیں کہ مجھے تنہا کام کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔"

"خیر بھئی......تم جانو، سمجھانا میرا کام ہے۔" چیف نے کہا۔ "اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم نے اس ڈرائیور کو یونہی کیوں نکل جانے دیا۔"

"ابھی فی الحال اسے گرفتار کر لینا ٹھیک نہیں تھا۔"

"کیوں......؟"

"میں نے اس وقت اس سے ایک ڈاکو کی حیثیت سے بات کی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "معاملات حد درجہ دلچسپ ہو گئے ہیں۔ بدمعاشوں کی دو پارٹیوں میں ٹھن گئی ہے۔ ان میں سے ایک پارٹی سنتوش کی ہے اور دوسری ان لوگوں کی ہے جنہوں نے سیٹھ اگروال کے یہاں ڈاکہ ڈالا تھا۔ جس دن یہ واردات ہوئی تھی اسی دن سنتوش اور ان کے ساتھیوں نے بھی سیٹھ اگروال کے گھر میں گھسنے کا پروگرام بنایا تھا۔ یہ لوگ ان دونوں کے بعد آئے تھے اور سنتوش ہی کی گولی سے سیٹھ اگروال زخمی بھی ہوا تھا۔"

"لیکن یہ آج تک میری سمجھ میں نہ آ سکا کہ ان لوگوں کا مقصد کیا تھا۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"یہ تو ابھی تک مجھے بھی نہیں معلوم ہو سکا لیکن سنتوش کو قانون کی زد میں لانے کے لئے میرے پاس بہت سے ثبوت ہیں۔"

"اور ایک دلچسپ بات اور سنو......!" چیف نے کہا۔ "آج کل دلاور خاں پھر دکھائی دے رہا ہے اور جس وقت تمہارے ساتھ حادثہ پیش آیا تھا وہ پولیس کی غائب کی ہوئی لاری میں دیکھا گیا تھا۔"

"جی ہاں......وہی تو ساری مصیبتوں کی جڑ ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اس سے تو مجھے خاص طور پر نپٹنا ہے۔ لیکن ابھی نہیں، سنتوش کی گرفتاری کے بعد اس سے بھی سمجھ لوں گا۔ ابھی اس سے الجھنا نہیں چاہئے، اس میں بھی ایک راز ہے۔"

"بھئی اپنی باتیں تم ہی سمجھو......!" چیف نے اکتا کر کہا۔

"پرسوں رات کو نو بجے کم از کم پچیس جوان سادے لباس میں لے کر ناولٹی پہنچ جایئے گا وہاں اگر دلاور سے مڈبھیڑ ہو جائے تو اسے فی الحال نظر انداز کرنے کی کوشش کیجئے گا ورنہ سب معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا۔ اچھا تو اب میں چلا۔ اب سنتوش کی گرفتاری کے بعد ہی ملاقات ہوگی۔"

چیف کا بنگلہ قریب تھا۔ فریدی واپس لوٹنے کے لئے مڑا۔

"سنئے تو سہی۔" حمید نے بے قراری سے کہا۔

"نہیں اس وقت نہیں......تمہیں کافی احتیاط کی ضرورت ہے۔ میرے بتائے ہوئے وقت سے پہلے ناولٹی کے قریب بھی جانے کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے کہا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا تاریکی میں غائب ہو گیا۔

عجیب و غریب عشق

فریدی کے بتائے ہوئے پلان کو شام ہی سے ایک ایک دو دو کر کے پولیس کے مسلح مگر سادے لباس میں ملبوس جوان ناولٹی میں اڈہ جمانے لگے۔ فریدی کی ہدایت کے مطابق وقت سے پہلے کسی نے کوئی ایسی حرکت نہ کی جس سے ناولٹی والوں کو ہوشیار ہو جانے کا اشارہ ملتا۔ نو بجے رات تک جوانوں کی مقررہ تعداد ناولٹی میں پہنچ گئی۔ چیف اور حمید بھی بھیس بدلے ہوئے وہاں موجود تھے۔

ہر شخص اپنی جگہ پر کسی چیز کا منتظر تھا۔ لیکن کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ اگلے لمحے میں کیا ہونے والا ہے۔ چیف اور حمید کی نگاہیں فریدی کو ڈھونڈھ رہی تھیں۔ لیکن وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔

"فریدی تو دکھائی نہیں دے رہا ہے۔" چیف نے آہستہ سے کہا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "نہ جانے آئندہ ان کی اسکیم کیا ہے۔"

"کہیں مفت کی دردسری نہ ہو۔" چیف بولا۔

"یہ ناممکن ہے۔" حمید نے کہا۔ "فریدی بے بنیاد چیزوں پر کبھی کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔"

"خیر اب تو آ ہی گئے ہیں، جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"ہاں...... دیکھئے۔" حمید نے کہا۔

"یہ بات بھی عجیب و غریب ہے۔" چیف نے کہا۔ "دور سے بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سچ مچ کوئی عورت کھڑی ہو۔"

"عجیب قسم کا رنگ و روغن ہے اس کے چہرے پر۔" حمید نے کہا۔

ابھی ان دونوں میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ دفعتاً کوئی آدمی نہایت بھدی اور بے ہنگم آواز میں گانے لگا۔ ہر فرد اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ دلاور خاں نشہ میں دھت ہاتھ میں ایک خالی بوتل لئے لڑکھڑاتا اور گاتا ہوا ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے دروازے پر رک کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور ایک قہقہہ لگا کر پھر گانے لگا۔ وہ اپنی مادری زبان پشتو میں کوئی گیت گا رہا تھا۔

ہوٹل کا منیجر گھبرا کر اس کی طرف دوڑا۔ وہ اس سے آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگا۔

"میں تو گاؤں گا......!" دلاور خاں چیخ کر بولا۔ "دیکھتا ہوں میرا کوئی کیا کرتا ہے۔ میں تمہارے مالک سنتوش بابو کا دوست ہوں۔"

"گانے دو بھائی گانے دو......!" کئی مدہوش شرابی چیخے۔

"جیو میرے ساتھیو...... جیو" دلاور خان نے جھومتے ہوئے کہا۔ "ہم ہی جیسوں کے دم سے دنیا قائم ہے ورنہ کبھی کی قیامت آ گئی ہوتی۔"

چند شرابیوں نے زور سے قہقہہ لگایا۔

"میرے پیارے بھائیو......!" دلاور خان بت کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "میں اس عورت پر مرتا ہوں یہ میری محبوبہ ہے۔ کیا آپ کو کوئی اعتراض ہے۔"

"ہرگز نہیں...... ہرگز نہیں۔" بیک وقت بہت سی آوازیں آئیں۔

"معلوم ہوتا ہے بہت زیادہ پی لی ہے۔" چیف انسپکٹر نے حمید کی طرف جھک کر آہستہ

ے کہا۔

"جی ہاں، بُری طرح ڈاؤن ہے۔" حمید بولا۔

"مگر فریدی اب تک نہیں آیا۔" چیف نے کہا۔

"معلوم نہیں کیا بات ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہاں تو پیارے بھائیو" دلاور پھر چیخا۔ "میں جادوگر ہوں، کالا جادوگر...... میں ایک منٹ ں مرغی سے انڈا اور انڈے سے مرغی بنا سکتا ہوں۔ خرگوش میں سے ہیٹ نکال سکتا ہوں۔"

"خرگوش میں سے ہیٹ۔" ایک آدمی ہنستا ہوا چیخا۔

"نہیں، ہیٹ میں سے خرگوش......!" دلاور چیخا۔ "دیکھئے میرا کمال، یہ دیکھئے یہ ایک راہے، بتائیے اسے کیا بنادوں۔"

"ہاتھی......!" ایک آواز آئی۔

"نہیں...... خرگوش......!" دوسری آواز سنائی دی۔

"نہیں بھائی اود بلا۔" تیسرا چیخا۔

"اچھا تو میں اسے توڑ کر پئے لیتا ہوں۔" دلاور نے انڈا توڑ کر حلق میں انڈیلتے ہوئے ہا۔ "اب یہ تھوڑی دیر کے بعد ہضم ہوجائے گا، کہئے ہے نا کمال۔"

سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

"ہاں تو بھائیو......!" وہ اسی چبوترے پر بیٹھتے ہوئے بولا جس پر بت نصب تھا۔ "میں ں عورت پر عاشق ہوں، لیکن یہ بڑی سنگدل ہے۔ میری قطعی پرواہ نہیں کرتی۔ میں سچ کہتا ں کہ میں اس کے عشق میں گھل گھل کر مرجاؤں گا۔"

اس نے بت کے پیروں سے لپٹ کر بلند آواز میں رونا شروع کر دیا۔ سارے لوگ ہنسی کے رے بے حال ہوئے جا رہے تھے۔

"آپ لوگ ہنستے ہیں۔" وہ روتی آواز میں بولا۔ "خدا کرے آپ کو بھی کسی سنگدل سے شق ہوجائے۔ میرا دادا اس کے عشق میں مرگیا، میرا باپ اسکے عشق میں مرگیا اور اب میں بھی

اس کے عشق میں مرجاؤں گا۔ وہ پھر اسکے پیروں سے لپٹ کر اسکے جسم پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

دفعتاً ایک کھٹکا ہوا اور وہ بت کھسک کر ایک طرف ہو گیا جس جگہ وہ نصب تھا۔ وہاں ایک غار پیدا ہو گیا اور دلاور خاں اسی غار میں گر کر غائب ہو چکا تھا۔ حمید نے سیٹی بجائی۔ سارے جوانوں نے اپنے اپنے پستول نکال لئے۔

"خبردار کوئی اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرے۔" ایک سب انسپکٹر چیخا۔

"بیز جی تم پانچ جوانوں کے ساتھ یہیں ٹھہرو......!" چیف انسپکٹر بت کی طرف بڑھا۔

"سب دروازے بند کرالو کوئی باہر نہ جانے پائے اور بقیہ لوگ میرے ساتھ آئیں۔"

یہ غار ایک تہہ خانے کا راستہ تھا۔ وہ سب تہہ خانہ میں اتر گئے۔ تہہ خانہ میں حسب دستو جوا ہو رہا تھا۔ ناجائز شراب، افیون، چانڈو اور کوکین فروخت ہو رہی تھی۔ شہر کی عیاش طبع متمو عورتیں عیش کر رہی تھیں پولیس والے آہستہ آہستہ سارے تہہ خانے میں پھیل گئے۔ دلاور خا کا کہیں پتہ نہ تھا۔

سنتوش کو بہت جلد اس کی اطلاع ہو گئی۔ اس نے بھی مورچہ سنبھال لیا۔ تقریباً آدھ گھ تک دونوں طرف سے گولیاں چلتی رہیں۔ آہستہ آہستہ سنتوش کی پارٹی سست ہوتی جارہی تھی اس دوران میں سنتوش بری طرح زخمی ہو گیا۔ آخر کار فتح پولیس کی ہوئی اور سارے بدمعا پکڑ لئے گے۔ لیکن سنتوش غائب تھا۔ اس کی تلاش برابر جاری تھی۔ دفعتاً ایک کمرے سے گو چلنے کی آواز آئی۔ حمید کمرے کی طرف لپکا لیکن فوراً ہی وہ باہر نکل آیا۔

"کیا بات ہے۔" چیف نے پوچھا۔

"سنتوش نے خودکشی کر لی۔" حمید نے بتایا۔

ڈاکو پولیس کی لاری میں بھر کر کوتوالی کی طرف لے جائے جارہے تھے۔ ایک کار حمید، چیف اور بیز جی بیٹھے تھے۔

"دلاور خاں نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔" چیف نے ہکا۔

"معلوم نہیں اسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔" حمید نے کہا۔ "میں نے تو اتنا بڑا

اور بھیانک آدمی آج تک نہیں دیکھا۔"

"خیر وہ اگر یہاں رہ گیا تو بچ کر نہ جاسکے گا۔" چیف نے کہا۔

اسی رات کو چیف اور حمید فریدی کی کوٹھی میں بیٹھے ہوئے کافی پی رہے تھے۔

"فریدی کا کچھ پتہ نہیں۔" چیف نے کہا۔

"کہیں وہ دلاور خاں کے پیچھے نہ لگ گئے ہوں۔" حمید نے کہا۔

"کون جانے۔" چیف بولا۔

"دیکھئے کب واپس ہوتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"آج سے دس سال قبل دلاور خاں کے لئے حکومت نے دس ہزار روپے کا انعام رکھا تھا۔ جو آج بھی بدستور قائم ہے۔ فریدی اسے حاصل کرنیکی ضرور کوشش کریگا۔" چیف نے بتایا۔

"جی ہاں ضرور......!" کمرے کے باہر سے آواز آئی اور پھر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

حمید اور چیف کے سامنے دلاور کھڑا تھا۔

"ہینڈز اپ......!" حمید نے پستول نکال کر کہا۔

دلاور خاں ہنسنے لگا۔

"شاباش میرے لال......!" دلاور طنزیہ انداز میں بولا۔ "سچ پوچھو تو میں تمہاری ہی گولی کا نشانہ بننے کی امید پر اب تک جی رہا ہوں۔"

چیف اور حمید حیرت سے منہ کھولے کھڑے تھے۔ ان میں اتنی ہمت بھی نہ رہ گئی تھی کہ منہ سے آواز تک نکال سکتے۔

"کیوں حمید...... میرے احسان کا بھی بدلہ ہے۔" دلاور مسکرا کر بولا۔ "اگر میں آج تمہاری رہنمائی نہ کرتا تو تمہارے فرشتوں کو بھی تہہ خانہ کا راستہ نہ معلوم ہوسکتا۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ اس احسان کے بدلے میں ایک بھیانک خونی کو چھوڑ دیا

جائے۔'' چیف نے کہا۔

''اچھا تو لیجئے خادم حاضر ہے۔'' دلاور زمین پر اکڑوں بیٹھتے ہوئے بولا۔

اس نے اپنا منہ گھٹنوں میں چھپا لیا تھا۔

حمید نے بڑھ کر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا دیں۔ وہ بدستور اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔

''آپ یہیں ٹھہریئے میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''ارے...... ارے۔'' دلاور خاں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''فریدی......!'' چیف حیرت سے بولا۔

''ارے آپ......!'' حمید بھونچکا رہ گیا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ گھنی مونچھیں اس کے پیروں کے پاس پڑی ہوئی تھیں۔

''بھئی خدا کی قسم کمال کر دیا تم نے۔'' چیف نے اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔

''سب محبت ہے آپ کی۔''

''تو کیا شروع ہی سے دلاور خاں کا رول ادا کر رہے تھے۔'' چیف انسپکٹر نے پوچھا۔

''جی ہاں...... اگر یہ نہ کرتا تو اس تہہ خانہ تک رسائی ناممکن تھی۔'' فریدی نے کہا۔

''میں کئی راتوں سے نہیں سو سکا۔ سخت نیند لگ رہی ہے۔ انشاءاللہ کل ساری داستان سناؤں گا۔''

چیف انسپکٹر تھوڑی دیر بیٹھ کر چلا گیا۔

تجوری کا راز

حمید نے دوسرے دن صبح ہی صبح فریدی کے کان کھانے شروع کر دیئے۔ وہ سارے واقعات جاننے کے لئے بُری طرح بے تاب تھا۔

''ارے بھئی تم تو جان کو آ گئے۔'' فریدی نے کہا۔ ''یہ ایک لمبی داستان ہے۔ کہاں تک ناؤں گا۔ بہرحال سنو! مگر یہ بتاؤ پہلے تجوری کا راز بیان کروں یا اس مرتبہ کے طریقہ سراغ رسانی پر روشنی ڈالوں۔''

''نہیں...... پہلے میں اس چیز کے متعلق سنوں گا جس کی بدولت یہ سب کچھ ہوا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''اچھا سنو...... شاید تم نے نام سنا ہو۔ یہاں ایک بہت بڑے تاجر رام کمار جی تھے۔ میں ان کا نام اتنے ادب سے اس لئے لے رہا ہوں کہ وہ میرے والد صاحب مرحوم کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ ۱۹۴۰ھ میں اچانک ان کا دیوالہ نکل گیا۔ یہ چیز بڑی حیرت انگیز تھی۔ وہ شخص جس کے ایک اشارے پر لاکھوں کے وارے نیارے ہوتے تھے بظاہر کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گیا۔ یہ سیٹھ اگروال جو آج سارے شہر کا رئیس التجار بنا بیٹھا ہے ان کے یہاں منیم تھا۔ ان کے دیوالہ نکالنے میں اس کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اس نے چپکے ہی چپکے اپنا گھر بھر لیا۔ جس وقت رام کمار جی کا دیوالہ نکلا ان کے بسر اوقات کے لئے صرف تھوڑی سی جائیداد باقی بچی جو ان کی بیوی کے نام تھی۔ اس سے ان کی بسر اوقات ہونے لگی۔ ان کا ایک سالہ بچہ بھی تھا۔ دیوالیہ ہو جانے کے صدمہ کی وجہ سے وہ زیادہ دن تک زندہ نہ رہ سکے۔ مرتے وقت انہوں نے ایک وصیت نامہ مرتب کر کے اپنے قانونی مشیر کے یہاں رکھوا دیا اور یہ ہدایت کر دی کہ یہ وصیت نامہ اس وقت ان کے بچے کے حوالے کیا جائے جب وہ بالغ ہو جائے۔ اور اگر وہ مر گیا تو وصیت نامہ اس کی بیوی کو دیا جائے۔ اگر آپ کی حیات بھی وفا نہ کرے تو پھر یہ وصیت نامہ ان کے بھتیجے سنتوش کے حوالہ کر دیا جائے۔ یہی سنتوش جس نے کل رات خودکشی کی ہے۔ یہ رام کمار جی کا بھتیجا تھا۔ بچپن ہی سے بُری صحبتوں میں پڑ جانے کی وجہ سے وہ بڑا ہو کر اچھا خاصا ڈاکو بن گیا۔

رام کمار جی کے انتقال کے بعد ان کی بیوی اور بچے کی پرورش اسی جائیداد سے ہوتی رہی اور ہاں یہ تو بتانا بھول ہی گیا کہ رام کمار جی ایک تعویذ اپنے بچے کے گلے میں ڈال گئے تھے

جس کے متعلق انہوں نے اپنی بیوی کو ہدایت کردی تھی کہ وہ اسے اس وقت کھول کر دیکھیں
جب بچہ جوان ہوجائے۔

دو تین سال کے بعد دفعتاً ایک دن رام کمار جی کے قانونی مشیر نے ان کی بیوی کو اطلاع
دی کہ اس کے یہاں چوری ہوگئی۔ چوری ہونے والی چیزوں میں رام کمار جی کا وصیت نامہ بھی
تھا۔ ان کی بیوی کو سخت پریشانی ہوئی۔ وہ وصیت نامہ ان کے لئے ایک معمہ سے کم نہ تھا۔ کیونکہ
بظاہر رام کمار جی کے پاس کوئی ایسی چیز باقی نہ تھی جس کیلئے وہ کوئی وصیت نامہ مرتب کرتے۔
جائیداد خود ان کے نام تھی۔ اس لئے اس کے سلسلہ میں کسی قسم کی وصیت کا سوال ہی
نہیں رہ جاتا تھا۔ اس الجھن کے تحت انہوں نے بچے کے گلے میں پڑا ہوا پراسرار تعویز قبل
وقت ہی کھول ڈالا۔ اس تعویز کے ذریعہ انہیں پتہ چلا کہ وصیت نامہ میں کسی خزانے کا ذ
تھا۔ لیکن تعویز میں لکھی ہوئی ہدایت کے مطابق وصیت نامہ کو پڑھے بغیر خزانہ کا پتہ چلنا مش
تھا۔ انہیں ایک گونہ اطمینان ہوگیا کہ بغیر اس کے وصیت نامے کا چرانے والا اپنے مقصد
کامیاب نہ ہوسکے گا۔ انہوں نے تعویز بچے کے گلے سے کھول کر احتیاط سے رکھ دیا۔ چا
قبل کی بات ہے کہ اچانک ایک دن کسی نے ان کے بکس کا تالا توڑ کر تعویز نکال لیا۔ ان
پریشانیوں کی حد نہ رہی۔ وہ مجھے جانتی تھیں۔ ایک دن انہوں نے مجھے بلوا بھیجا اور سارا وا
کر طالب امداد ہوئیں۔ رام کمار جی کی ساری شفقتیں یاد آ گئیں۔ وہ مجھے بھی اپنے بچے
طرح پیار کرتے تھے۔ میں نے ان کی بیوی سے وعدہ کیا میں حتیٰ الامکان کوشش کروں
اسی دن سے میں نے تحقیقات شروع کردیں۔ کئی دنوں کے بعد پتہ چلا کہ وصیت نامہ
اگروال نے رام کمار جی کے قانونی مشیر کے یہاں سے چوری کروایا تھا۔ میں نے سوچا
باضابطہ کاروائی کرکے اُسے حاصل کرنے کی کوشش کی تو کامیاب نہ ہوسکوں گا اس لئے م
وہ طریقہ کار اختیار کیا۔ چونکہ چیز چوری کی تھی اس لئے سیٹھ اگروال نے بھی پولیس کو ب
کہ اس کی کوئی چیز چوری نہیں کی گئی ہے۔

اس کے بعد سے مجھے اس چیز کی بہت زیادہ تشویش ہوگئی تھی کہ آخر اس پر گولی کس

چلائی۔ اسی دوران میں جب میں جگدیش کو بیوقوف بنانے کے لئے کار سے اتر گیا تھا مجھے چند
نامعلوم لوگوں سے دو دو ہاتھ کرنے پڑے۔ میں نے انہیں اور پولیس کو لڑنے میں الجھا دیا اور
خود پولیس کی لاری لے کر فرار ہوگیا۔ مجھے لوگوں کی نظروں سے چھپ کر کام کرنے کا اچھا موقع
مل گیا تھا۔

مجھے سب سے زیادہ فکر اس چیز کے پتہ لگانے کی تھی کہ آخر سیٹھ اگروال کے علاوہ اور
کون ہوسکتا ہے جو اس وصیت نامہ میں اتنی دلچسپی لے رہا ہے۔ رفتہ رفتہ مجھے اس کا احساس
ہونے لگا کہ یہ سنتوش کی حرکت ہے اور اسی نے وہ تعویز بھی چرایا ہے۔ لیکن وصیت نامہ ہاتھ نہ
لگنے کی وجہ سے بالکل بے بس ہے چونکہ اس سے اس چیز کو اگلوانا تھا۔ اس لئے میں نے دلاور
خاں کا بھیس بدلا اور سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ وصیت نامہ اپنی تجوری سے نکال لے
گیا۔ اس دن مجھے تم پر بہت ہنسی آئی تھی جب تم برآمدے میں پھیلے ہوئے پٹاخوں پر اچھل کود
رہے تھے۔ وہ میں نے دراصل اسلئے ڈالے تھے کہ جس وقت میں وصیت نامہ نکالنے میں مشغول
ہوں تو مجھے آنے جانیوالوں کی آہٹ مل سکے۔ سب سے پہلے تم ہی ان پٹاخوں کا شکار ہوئے۔
بعد کے واقعات سے تو تم واقف ہی ہو۔ ایک دن میں نے سنتوش کو بلا کر وہ تعویز دیکھ
ہی لیا۔ اس کا نقشہ میرے ذہن میں موجود تھا۔ اس کے مطابق وہ خزانہ اسی مکان میں ایک جگہ
دفن ہے جہاں رام کمار جی کی بیوی رہتی ہے۔ اب ذرا تھکن دور ہوجائے تو میں جاکر وہ خزانہ
کھدوانے میں ان کی مدد کروں گا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ میں نے وہ وصیت نامہ چرا کر اگر اس کے
حقداروں کے پاس پہنچا دیا تو کون سا جرم کیا۔ اگر یہ جرم ہے بھی تو میں اسے جائز سمجھتا ہوں۔"

"اچھا یہ تو بتایئے فریدی صاحب کہ آپ اتنے طاقتور کب سے ہوگئے ہیں۔" حمید بولا۔

"ارے میاں اسے پوچھ کر کیا کرو گے۔ یہ سب راز کی باتیں ہیں۔ ایک اچھے سراغ
رساں میں یہ ساری خصوصیات ہونی چاہئیں۔"

"سنتوش نے تو خودکشی کرلی۔ اب اس کیس میں کیا ہوگا۔" حمید نے دریافت کیا۔

"کچھ ہو یا نہ ہو، لیکن میرے پاس اس بات کا مکمل ثبوت ہے کہ سیٹھ اگروال پر سنتوش

ہی نے گولی چلائی تھی اور اب سے تین سال قبل اس نے ایک خون بھی کیا تھا۔'' فریدی نے انکشاف کیا۔

''اچھا تو کیا آپ اس وصیت نامہ کا بھی تذکرہ کریں گے۔''

''کیا احمقوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ اب جبکہ سنتوش مر چکا ہے اس کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ سیٹھ اگر وال میں اتنی ہمت نہیں کہ اب وہ اس کیس پر از سر نو روشنی ڈالے کیونکہ اس نے وصیت نامہ قطعی غیر قانونی طور پر حاصل کیا تھا۔ لہٰذا اب اس کی طرف سے کوئی کھٹکا نہیں رہ جاتا...... اچھا بھئی اب بس......! کیا اب تک چائے نہیں بنی......؟''

تمام شد